امین الامہ

حضرت سیدنا

ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

تالیف : انجینئر سید نعیم شاہ

نام کتاب	:	امین الامہ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
مؤلف	:	انجینئر سید نعیم شاہ
معاون	:	حافظ سید رحیم شاہ
نظر ثانی	:	مولانا مفتی سیّد نیاز بادشاہ، مولانا مفتی حافظ محمد ممتاز
تاریخ اشاعت	:	
تعداد	:	
ملنے کا پتہ	:	
مطبع	:	نشان منزل پبلی کیشنز لاہور
قیمت	:	۲۰۰ روپے

از مولانا مفتی سیّد نیاز بادشاہ زید مجدھم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

عامۃ المسلمین اور نوجوان نسل کی موجودہ بے راہ روی، اسلام کی صحیح روح سے دُوری، دین اسلام کے مخالف مادی اقدار کی غلامی اور مغربی ولادینی فکر سے وابستگی درحقیقت اکابرین اُمّت اور خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی، سیرت اور پیغامات وتعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ انقلاباتِ زمانہ، جدّت پسندی، ذوق مطالعہ کا فقدان، مادی مشاغل ومصروفیات اور کم علمی و نارسائی وہ اسباب ہیں جو اُمت مسلمہ اور خصوصاً نوجوان نسل کو اپنے اسلاف کی زندگی اور اُن کی سیرت و کردار سے بہت دور لے گئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عامۃ المسلمین بالخصوص نئی نسل کے ذہنوں میں صالح اقدار کا بیج بو کر اُن کے اذہان کی تعمیر اور سیرت کی تشکیل کی جائے جس کے لئے سب سے بہتر اور مفید ذریعہ یہی ہے کہ اکابرین اُمّت خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات، اُن کی دینی، تبلیغی اور جہادی مساعی، اُن کی تعلیم وتربیت کے نتائج واثرات، اُن کے مزاج اور اُن کے فکر وعمل سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔

وقت کی اس اہم ضرورت کا اِدراک کرتے ہوئے برادر محترم انجینئر سید نعیم شاہ **بارک اللہ فی علمہ و عملہ** نے اردو زبان میں امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی پر کتاب لکھ کر اُمّت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کردیا۔ موصوف نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات وواقعات کو نہایت شائستگی، حُسن وخوبی، سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے۔ حالات وواقعات کے انتخاب میں مؤلف نے اُن مضامین اور حکایات کو اہمیت دی ہے جو مفید، سبق آموز، عام فہم اور دلنشیں ہیں اور عقیدت ومحبت کے ساتھ ساتھ حقیقت و شریعت کے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔

اِس طرح یہ کتاب اب محض واقعات کا ایک مجموعہ نہیں بلکہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح، واقعات وحکایات اور آپ کے فضائل ومناقب کی ایک گراں قدر سوغات ہے۔ جو مؤلف کی مسلسل محنت، عرق ریزی اور ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کا ثمرہ ہے۔ بندہ کو اوّل تا آخر اس کتاب کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا۔ کتاب کی جامعیت، حالات وواقعات کی

معنویت اور سیرتِ ابوعبیدہؓ کی روحانیت نے کتاب کے ساتھ چپکائے رکھا، کہیں بھی بوریت اور حزن وملال کا احساس نہیں ہوا۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِس موضوع پر مؤلف کی نظر وسیع اور عمیق ہے اور اُن کا انتخاب پاکیزہ اور قابل رشک حد تک شائستہ ہے۔ تاریخ عرب اور سیر و مغازی کے طلباء کے لئے بھی اس کتاب میں کافی مواد موجود ہے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے ، اِس کو مفید ونافع بنائے اور برادر محترم انجنیئر سید نعیم شاہ کے علم و عمل میں ظاہری و باطنی ترقیاں نصیب فرمائے۔ (آمین)

وصلّی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ و اصحٰبہ اجمعین

مفتی سیّد نیاز بادشاہ بن نور بادشاہ

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی پاکستان

از مولانا مفتی حافظ محمد ممتاز صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تاجدار کائنات فخر موجودات ﷺ کے صحبت یافتگان کو اصطلاحاً صحابہ کا لقب دیا جاتا ہے۔ یہ قدسی صفات ہستیاں ہر خیر و خوبی کا مرقع تھیں مگر ان کی جملہ صفات عالیہ اور خصوصیات کمالیہ میں کوئی صفت بھی ان کا لقب قرار نہ پائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں جا بجا ان کے محامد و محاسن کا تذکرہ فرمایا مگر ان کی جس خصوصیت کو ان کے اصطلاحی نام کے لئے منتخب فرمایا وہ شرف صحبت مصطفیٰ علیہ التحیہ والثنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کفار کے لئے سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔ (الفتح: ۲۹)

اس صحبت و سنگت کے عظیم شرف کے بیان کرنے کے بعد ان کا کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ ان کے کثرت رکوع و سجود کا بھی ذکر بھی کیا۔ فضل و رضائے الٰہی کا جویا ہونا بھی بیان فرمایا، چہروں پر سجدوں کے اثر بصورت نور کو بھی بیان فرمایا۔ الغرض ان کے سب اوصاف جلیلہ اور خصائص جمیلہ کو کھول کھول کر بیان فرمایا مگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحبت و سنگت کے وصف کو سبقت فرمائی۔ پھر ہادی اکرم ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے بھی اپنے ساتھیوں کے فضائل و کمالات کھول کھول بیان فرمائے اور اپنی جماعت کو صحابیت ہی کا لقب عطا فرمایا۔ حدیث پاک ہے:

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں۔ تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

ہدایت اور روشنی کے ان ستاروں کا تذکرہ کرنا اخیار امت کا شیوہ رہا ہے۔ محدثین کرام نے ہدایت کے ان چمکتے دمکتے ستاروں کے فضائل میں ابواب قائم کئے۔ سلف صالحین نے قرآن و حدیث کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی پر بے شمار کتب اور مقالات تصنیف فرمائے ہیں۔ اور چند ایک جلیل القدر اور نامور عظیم سپہ سالاروں پر الگ الگ کتب بھی میسر ہیں۔

ہدایت یافتہ اور رضائے الٰہی کی حامل اس قدسی صفات جماعت میں ایک روشن ستارے

کا نام ابوعبیدہ بن الجراح رضؓ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امین الامت کے مہتم بالشان خطاب سے نوازا ہے۔ رزم ہو یا بزم، جناب جراح کے بیٹے کو ہر جگہ باوقار اور قابل رشک مقام حاصل ہے۔ آسمانی کہکشاں ان کے نصیب کے رفعت کے گرد راہ ہے جس نے عہد نبوی میں کفر و اسلام کے درمیان لڑی جانے والی ساری جنگوں میں شرکت کی اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور عہد خلافت میں اسلامی جنگوں میں اپنی بے پناہ جنگی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کفار کے بڑے بڑے سورماؤں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ لفظوں کے انتخاب اور خطابات کی بھرمار سے ان کے مقام کو تسلیم نہیں کروارہا بلکہ حقائق کی دنیا میں ان کی خدمات عالیہ اور کارہائے نمایاں کا یہ عالم ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کی سیرت و سوانح کا کوئی جدید یا قدیم محقق و مؤلف حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضؓ کی عظمت و شان سے صرفِ نظر کی مجال نہیں رکھتا بلکہ میرا تو عقیدہ ہے کہ حضرت امین الامت ابوعبیدہ رضؓ کے تذکرہ کے بغیر جماعتِ صحابہ کا بیان نامکمل ہے۔

کوہ صفا سے اعلان تبلیغ و رسالت سنتے ہی جن خوش نصیب ہستیوں نے سابقون الاولون کا اعزاز حاصل کیا ان میں آپ کا نام موتیوں کی طرح دمک رہا ہے اور بنوالحارث میں جو ہمایوں نصیب اس پیغام ربانی کی جانب سب سے پہلے ملتفت ہوا وہ ابن الجراح کا فرزند ابوعبیدہ رضؓ ہی تو تھا وہ جو حضرت بلال رضؓ کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا:

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

سو ابتلاء و آزمائش کی وادی سے حضرت ابوعبیدہ رضؓ بھی گزرے اور کندن بن کر نکلے۔ باقی صحابہ کرام رضؓ کی طرح وطن، رشتہ و پیوند اور قبیلہ کا تعلق حضرت ابوعبیدہ رضؓ کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکا اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے صادر ہوتے ہی سیدنا ابوعبیدہ رضؓ نے مادی اور محدود تصور وطنیت کو ٹھکرا دیا اور مکہ مکرمہ سے مدینہ کو ہجرت کر کے اسلامی تصور وطنیت کی صداقت پر گواہی ثبت کی۔

بقول حکیم الامت:

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترکِ وطن سنت محبوب الٰہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

عشرہ مبشرہ میں شامل ہونے کا قابل صد افتخار اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ زہد وورع، ایثار وقربانی، طاعت وفرمانبرداری اور خوف خدا کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ میدان جہاد میں تیغ زنی وشہسواری، جرأت، بے خوفی اور بہادری آپ کے کردار کے خاص اوصاف ہیں۔

یوں تو جانثاران مصطفیٰ ﷺ ہر ایک میدان جہاد میں قربانی کی تاریخ رقم کرنے والا تھا مگر ان سپردگان شوق میں سے ہر ایک کے کچھ تفردات ہیں۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی میدان کارزار کے حوالے سے یہ انفرادیت ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر میں اپنے سگے باپ عبداللہ بن الجراح کو کیفر کردار تک پہنچایا اور غزوہ احد میں شجاعت کے اس فرزند وحید کے حصہ ایک نرالی اور انوکھی سعادت آئی۔ رسول اللہ ﷺ کے رخسار اقدس میں خود کی دو کڑیاں کھب گئیں تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تاجدار صداقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گذارش کی کہ کڑیاں نکالنے کی خدمت ان کے حوالے کی جائے۔ ایک ایک کڑی پر دیوانہ وار اپنے دانت گاڑ دیئے اور دو کڑیوں کو نکالتے ہوئے اپنے سامنے کے دو دانت قربان کر دیئے اس لئے آپ کو الاثرم کہا جاتا ہے۔

پھر وقت آنے پر خلافت صدیقی میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کی تلوار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معیت میں رکھا گیا۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے عساکر اسلام کی قیادت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو سونپی تو اس سعادت مآب اور بیدار مغز قائد نے ہر معرکہ میں فاروق اعظم کے انتخاب کو عملاً درست قرار دیا۔ زندگی کے آخری دن تک حق کی سربلندی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا محور حیات رہی۔ شمشیر وسنان ان کا مشغلہ رہا، باطل کی جڑ کاٹنا ان کا مقصد زیست رہا۔

ہمارے گرامی قدر بھائی انجینئر سید نعیم شاہ نے ہدایت وعشق کے اسی ستارے کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ آپ نے فن حرب وضرب کے ماہر اور عظیم الشان سپہ سالار سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے حالات واقعات زندگی جو مختلف کتب سیر میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے، انہیں انتہائی احتیاط سے یکجا کر کے ایک گلدستے کی شکل میں عوام الناس کے سامنے رکھ دیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم جنگی جرنیل کے حالات وکمالات عام قارئین کی آنکھوں سے اوجھل تھے۔

ہر مصنف کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی کتاب ہر لحاظ سے ایک مکمل شاہکار ہو اور اس

میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہے اور اس کے ساتھ ساتھ مواد کے لحاظ سے بھی مستند اور جامع ہو کہ پڑھنے والے کو اپنا ہمنوا بنا لے۔ زیر نظر کتاب بھی ایسے ہی انداز کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

کتاب کا سادہ اندازِ تحریر قاری کو بوریت محسوس نہیں ہونے دیتا۔ قاری جیسے جیسے کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اس میں ایک خاص قسم کا تجسس پیدا ہو جاتا ہے اور کتاب میں دلچسپی بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ کتاب کا مطالعہ جاری رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مؤلف نے پوری کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ کتاب سے استفادہ کریں ۔سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے عام فہم انداز میں لکھی گئی نادر کتاب ہے۔

زیر نظر کتاب کی سب سے اہم خوبی اور قابل ستائش پہلو یہ ہے کہ اس کی تالیف میں مستند اور معتبر کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ مؤلف جو واقعات اپنی کتاب میں لائے ہیں ان کے لئے واقعی متعدد کتب کی ورق گردانی کی ضرورت تھی۔ کتاب کا ہر صفحہ مؤلف کے وسعت مطالعہ اور شدید محنت وعرق ریزی کی گواہی دیتا ہے۔ جناب ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی پر اردو زبان کی یہ پہلی جامع و مفصل کتاب ہے۔

امید واثق ہے یہ کتاب تحقیقی کام کرنے والوں کی ایک ضرورت کو پورا کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی اور پاک فوج کے سپہ سالاران کے لئے عظیم مشعل راہ ثابت ہوگی۔

بلاشبہ زیر نظر کتاب ایک شخصیت کی سیرت وسوانح نہیں بلکہ ہدایت کے نور کا اجالا ہے جو برادرم سید نعیم شاہ نے فضائے بسیط میں پھیلا دیا ہے اس التجا کے ساتھ :

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی ہم نے دل جلا کے سرعام رکھ دیا ہے

شفاعت کا طالب

مولانا مفتی حافظ محمد ممتاز

پیش لفظ

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے کہ جب دنیا پر گمراہی کے بادل چھا جاتے ہیں، وحدت کی روشنی پر شرک کی ظلمت غالب آجاتی ہے، امن وامان کی جگہ فتنہ وفساد برپا ہونے لگتا ہے، لوگ خالق کی بجائے مخلوق کے سامنے سجدہ ریز ہونے لگتے ہیں، امارت وحکومت نیک اور صالح بندوں کی بجائے ظالم ومتکبر لوگوں میں چلی جاتی ہے، عدل وانصاف مفقود ہوجاتا ہے، جہالت علم کو مٹا دیتی ہے ایسے میں اللہ تعالیٰ حالات اور زمانے کو یک دم ایک نیا موڑ دیتے ہیں۔ عین اسی طرح، جب رات کی تاریکی تمام دنیا پر محیط ہوجاتی ہے اور ظلمتُ اللیل میں کہیں سفیدی کا نام ونشان نہیں رہتا تو آفتاب عالم اپنی ضیا پاشیاں کرتا ہوا دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسے منور کردیتا ہے۔ کلام الٰہی ہے۔۔۔ لاتبدیل لکلمات اللہ۔۔۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون تبدیل نہیں ہوتا اور۔۔۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔۔۔ اور آپ سنۃ اللہ میں تبدیلی نہیں پائیں گے۔

عین اسی قانون کے مطابق سرزمین عرب سے ابر رحمت دنیا پر چھا گیا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ جزیرۃ العرب سے ہوتے ہوئے روم وفارس کے محلات تک پہنچ گیا جس کی وجہ سے کافر مومن، بت پرست بت شکن، جاہل عالم اور بے وقوف حکیم ودانا بن گیا۔ خداوند تعالیٰ کے وعدہ کی تلوار اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشارت کے نیزے عرب کے مٹھی بھر انسان لے کر اُٹھے اور اُس وقت کی دو عظیم طاقتوں روم وفارس کو ہلا کر پاش پاش کردیا۔

داستان ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح ان ہی کارناموں کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جسے بندہ ناچیز نے نہایت احتیاط کے ساتھ جمع کیا ہے۔ واقعات اور حالات کو صحیح انداز میں پیش کرنے کے لئے مستند کُتب سے رُجوع کرکے ہو بہو اُسی طرح قلمبند کئے ہیں حتیٰ کہ اپنی ناقص رائے سے بھی گریز کیا ہے۔ اس داستان میں زمانے کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے لہٰذا اس کے واقعات کو فلسفہ تاریخ کی نگاہ سے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے جیسا کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ قارئین اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ایک ایک واقعہ پر غور کرنے سے انسان سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ مسلمان اپنے سے دگنا اور سہ گنا لشکر سے مقابلہ کرکے کس طرح فتح یاب ہوجاتے تھے۔ یرموک کے میدان میں ساٹھ مسلمانوں کا

ساٹھ ہزار سے مقابلہ کر کے انہیں شکست دینا کیسے ممکن ہوا اور دس لاکھ رومیوں کا صرف چالیس ہزار مسلمانوں سے شکست میں کیا راز مخفی تھا۔ میدان یرموک میں رومیوں کا نائب سالار جو اپنے زمانے کا مانا ہوا شہسوار اور جنگجو تھا۔ ہاتھی جیسا قوی الجثہ اور میدان جنگ میں ہزار مرد کے برابر سمجھا جانے والا پہلوان، ایک دبلے پتلے مرد مجاہد ابوعبیدہؓ کے ہاتھوں انفرادی مقابلے میں مارا جاتا ہے جس کا قتل رومیوں کے لئے ناقابل یقین تھا اس میں کیا حقیقت مخفی تھی؟ اس طرح کے تمام واقعات پر نظر دوڑانے اور حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ہمیں اپنے ماضی کا بغور مطالعہ کرنا ہوگا۔ کسی قوم کے مستقبل کا اندازہ کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ اس کے ماضی کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ قوم میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں انہیں دور کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ ماضی اور حال کا تقابل کر کے خرابیوں کے ازالے کی کوشش کی جائے۔ ہمارے اسلاف جنہوں نے توحید کا علَم ہاتھوں میں تھام کر بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے، جن کے عزم و استقلال کے سامنے کفر و شرک کے بُت پاش پاش ہو گئے، جنہوں نے صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے دنیا کے ایک وسیع خطے پر حکومت کی اور عدل و انصاف کی ایسی لازوال مثالیں قائم کیں کہ دُنیا اُس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج اُن کے متبعین ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں پڑے ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنی ذلت، خواری اور رسوائی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اپنے اسلاف کی سیرت اور اُن کے اطوار و کردار سے بے خبر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے عیش و عشرت کی زندگی کے دلدادہ ہو گئے ہیں۔ انہیں اپنی روایات، تاریخ اور مقام و مرتبہ یاد دلانے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں اپنے اسلاف سے جوڑا جائے۔ اسلاف کی زندگی کے واقعات اُن کے گوش گزار کر دیئے جائیں تا کہ وہ پھر سے اپنا کھویا ہوا جاہ و جلال، بہادری و شجاعت اور ہمت و استقلال حاصل کر سکیں اور اقوام عالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کے قابل بن سکیں۔

مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر بندۂ ناچیز نے قلم اُٹھا کر سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زندگی پر لکھنا شروع کیا۔ ارادہ یہی تھا کہ آپ کی زندگی کے تمام حالات و واقعات کو جمع کر کے ایک جامع شکل دی جائے تا کہ صحابہ کرام اور خصوصاً ابوعبیدہؓ کے چاہنے والوں کے لئے سارا مواد ایک ہی جگہ میسر ہو۔ ابوعبیدہؓ کون تھے؟ اور انہوں نے اسلام اور آج کے مسلمانوں کو ورثے میں کیا

دیا؟ یہ اور اس طرح کے اور بہت سارے سوالات کے جوابات اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ لکھتے لکھتے سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات کے متعلق ایک جامع کتاب شکل میں آئی ہے جس میں آپ کی ولادت سے لے کر وفات تک کے تقریباً تمام حالات وواقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جو ہماری تاریخ ہے اور یہی ہماری روایت ہے اور یہ اسلام کی عسکری روح کی صحیح عکاسی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ میری اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور اسے میرے، میرے والدین اور تمام اعزہ واقارب کے لئے دُنیا وآخرت کی خیر و برکت کا ذریعہ بنادے۔۔۔۔وما علینا الا البلاغ۔۔۔۔

انجنیئر سید نعیم شاہ

اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ وزارت داخلہ پاکستان

فاضل غلام اسحاق خان انسٹیٹیوٹ برائے انجنیئرنگ سائنسز و ٹیکنالوجی

ای میل ایڈریس: naeemgik@gmail.com

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدللہ رب العٰلمین و الصّلوٰۃ و السلام علیٰ سید الاولین و الآخرین محمد خاتم النبین و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین امّا بعد!

بندۂ ناچیز نے اپنے محدود علم کے باوجود عظیم صحابی رسول ﷺ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ پر لکھنے کی جسارت کی ہے۔ قلم اٹھانے سے پہلے کئی بار سوچا کہ میری بساط ہی کیا ہے کہ ایک ایسے عظیم صحابی رسول ﷺ حیات مبارکہ پر روشنی ڈال سکوں لیکن اسلام کی خاطر آپ کی قربانیاں، فضائل اور رسول اللہ ﷺ سے محبت دیکھ کر ارادہ کرلیا کہ آپ کی زندگی کے تمام حالات و واقعات یکجا کردیا جائے۔ زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا شمار تاریخ اسلام کے ان چند عظیم الشان جرنیلوں میں ہوتا ہے جن کی تدابیر اور جنگی چالیں میدان جنگ کا نقشہ بدل دیا کرتی تھیں۔ فن حرب و ضرب کے ماہرین اور مبصر آج بھی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے عسکری فہم و فراست اور بہترین قیادت کے حوالے دیتے ہیں جنہوں نے ہر میدان جنگ میں اپنے قلیل لشکر سے کفار کے کئی گنا بڑے لشکر کو شکست فاش دی۔

داستان ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی مکمل تصویر کُشی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسلام سے پہلے اور بعد کے حالات کا تقابل نہ کیا جائے اور جزیرۃ العرب کے بعض قبائل کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس لئے اصل بحث سے پہلے عرب اقوام اور ان کے حالات کا مختصر خاکہ پیش کیا جارہا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ بعثت اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تھی۔

لفظ ''عرب'' کے لغوی معنی ہیں صحرا اور بے آب و گیاہ زمین۔ چونکہ اس خطے کو سوائے شمال کے کچھ حصے کے باقی تمام اطراف سے سمندر نے گھیرا ہوا ہے اس لئے اس خطے کو جزیرۃ العرب بھی کہتے ہیں۔

جزیرۃ العرب کے مغرب میں بحرِ احمر، مشرق میں خلیج فارس، خلیج عمان اور جنوبی عراق ہے۔ جنوب میں بحرِ عرب ہے جو درحقیقت بحر ہند کا پھیلاؤ ہے۔ شمال میں ملک شام اور کسی قدر شمالی عراق ہے۔ کل رقبے کا اندازہ بارہ لاکھ پچاس ہزار مربع میل بتایا گیا ہے۔

جزیرۃ العرب اپنی طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بیرونی طرف

سے سمندر نے گھیرا ہوا ہے جبکہ اندرونی طور پر چاروں طرف سے صحرا اور ریگستان نے گھیرا ہوا ہے۔ جس کی بدولت یہ ایک ایسا محفوظ قلعہ بن گیا ہے کہ بیرونی قوموں اور طاقتوں کیلئے اس پر قبضہ کرنا اور اثر ورسوخ پھیلانا سخت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسطی جزیرۃ العرب کے لوگ زمانہ قدیم سے اپنے جملہ معاملات میں مکمل طور پر خودمختار نظر آتے ہیں حالانکہ یہ دو ایسی عظیم طاقتوں (سلطنت روم و فارس) کے ہمسایہ تھے کہ اگر یہ ٹھوس قدرتی رکاوٹ نہ ہوتی تو ان کے حملے روک لینا اہل عرب کے بس کی بات نہ تھی۔

☆☆☆

جغرافیائی محل وقوع کے بعد عرب اقوام اور قبائل کا مختصر خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔ مؤرخین نے نسلی اعتبار سے عرب اقوام کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

۱) عرب بائدہ:۔

وہ قدیم قومیں اور قبائل جو بالکل ناپید ہوگئی ہیں اور انکے متعلق زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔ مثلاً قوم عاد، ثمود، طسم، جدیس اور عمالقہ وغیرہ۔

۲) عرب عاربہ:۔

یہ وہ عرب قبائل ہیں جو یعرب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں اسلئے انہیں قحطانی عرب بھی کہتے ہیں۔ قحطانی عرب کا اصل گہوارہ ملک یمن تھا یہیں سے ان کے خاندان مختلف قبیلوں میں پھیلے اور بڑھے۔ ان میں سے دو قبیلوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

حمیر : قوم حمیر کی مشہور شاخیں زید الجمہور، قضاعہ اور سکاسک ہیں۔

کہلان : قوم کہلان کی مشہور شاخیں ہمدان، آغاز، طئی، مذاحج، کندہ، لخم، جذام، ازد، اوس، خذرج اور اولاد جفنہ یعنی آل غسان ہیں۔ یہی آل غسان تھے جنہوں نے ملک یمن چھوڑا اور شام کی اطراف میں جاکر وہاں اپنی بادشاہت قائم کی۔

۳) عرب مستعربہ:۔

یہ وہ عرب قبائل ہیں جو حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہیں انہیں عدنانی عرب بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے جد اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے ایک شہر اُور کے باشندے تھے۔

ابراہیمؑ کی زبان عربی نہیں تھی بلکہ عبرانی تھی جب ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم اور ارادے سے حضرت اسماعیلؑ کو اپنی والدہ حضرت ہاجرہؑ کے ہمراہ حجاز لے کر بیت اللہ شریف کے قریب ٹھہرایا، اس وقت بیت اللہ شریف نہ تھا بلکہ صرف ٹیلے کی طرح ابھری ہوئی زمین تھی۔ اس وقت مکہ میں نہ پانی تھا اور نہ آدم زاد۔ جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو سخت مشکل پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے زمزم کا چشمہ جاری کیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء)

کچھ عرصے بعد یمن سے قحطانی عرب قبیلہ جُرہم کا مکے سے گزر ہوا۔ یہاں میٹھی اور شیریں پانی کا چشمہ دیکھ کر قبیلہ جُرہم حضرت ہاجرہؑ کی اجازت سے یہاں پر سکونت پذیر ہو گیا۔

حضرت اسماعیلؑ نے انہی لوگوں سے عربی زبان سیکھ لی۔ ابھی آپ کی عمر مبارک پندرہ سال تھی کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ والدہ کے فوت ہونے کے بعد اسماعیلؑ نے مکہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا لیکن قبیلہ جرہم نے آپ کو منع کیا اور اپنے قبیلے کی ایک خاتون عمارہ بنت سعید بن اسامہ سے شادی کرائی۔ چند روز بعد حضرت ابرہیمؑ مکہ تشریف لے آئے اور ان کے اشارے کے موافق اسماعیلؑ نے اپنی بیوی کو طلاق دیکر قبیلہ جرہم کے سردار مضاض بن عمرو کی صاحبزادی سیدہ بنت مضاض بن عمرو سے شادی کی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو سیدہ بنت مضاض بن عمرو سے بارہ بیٹے عطا فرمائے اور ان بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے وجود میں آئے اور سب نے مکہ ہی میں بود و باش اختیار کی۔ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں ان کے بیٹے قیدار کی اولاد میں سے عدنان نامی شخص پیدا ہوئے۔ یہ شخص اور ان کا قبیلہ اتنا مشہور ہوا کہ بنی اسماعیل عدنانی عرب یا عرب مستعربہ سے مشہور ہو گئے۔

آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ عدنان کے سلسلہ نسب میں اکیسویں پشت پر آتے ہیں۔ بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنا سلسلہ نسب ذکر فرماتے تو عدنان پر پہنچ کر رک جاتے اور فرماتے کہ آگے ماہرین انساب غلط کہتے ہیں۔ قصہ مختصر عدنان تک شجرہ نسب میں کسی کو ذرہ بھر شک نہیں ہے۔

عدنان کی اولاد میں سے فہر بن مالک سے قبیلہ قریش وجود میں آیا۔ فہر بن مالک کا لقب قریش تھا اور ان ہی کی طرف قبیلہ قریش منسوب ہے۔ عدنان تک ان کا شجرہ نسب یہ ہے۔

فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہی فہر بن مالک مکہ کا رئیس اور سردار تھا۔ فہر بن مالک کے دو بیٹے تھے۔ غالب اور حارث۔ آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ غالب کی اولاد میں سے ہیں۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب جدا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حارث کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا پورا نام عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ بن ہلال بن اُہیب بن ضبّہ بن حارث بن فہر بن مالک ہے۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت میں فہر بن مالک پر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ عبیدہ آپ کے بیٹے کا نام ہے اس لئے آپ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی کنیت سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد کا نام اگرچہ عبداللہ ہے مگر آپ اپنے دادا الجراح کی نسبت سے مشہور ہیں یعنی ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام امیمہ بنت غنم بن جابر بن عبدالعزیٰ بن عامر بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر بن مالک ہے۔ ماں کی جانب سے آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب نویں پشت پر فہر بن مالک پر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ امیمہ کی والدہ دعد بنت ہلال بن اُہیب بن ضبّہ بن حارث بن فہر بن مالک تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ امیمہ بنت غنم اسلام لا کر مسلمان ہوئی تھی جبکہ والد عبداللہ بن جراح کفر کی حالت میں دنیا سے رحلت کر گیا تھا۔

☆☆☆

سلسلہ نسب حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
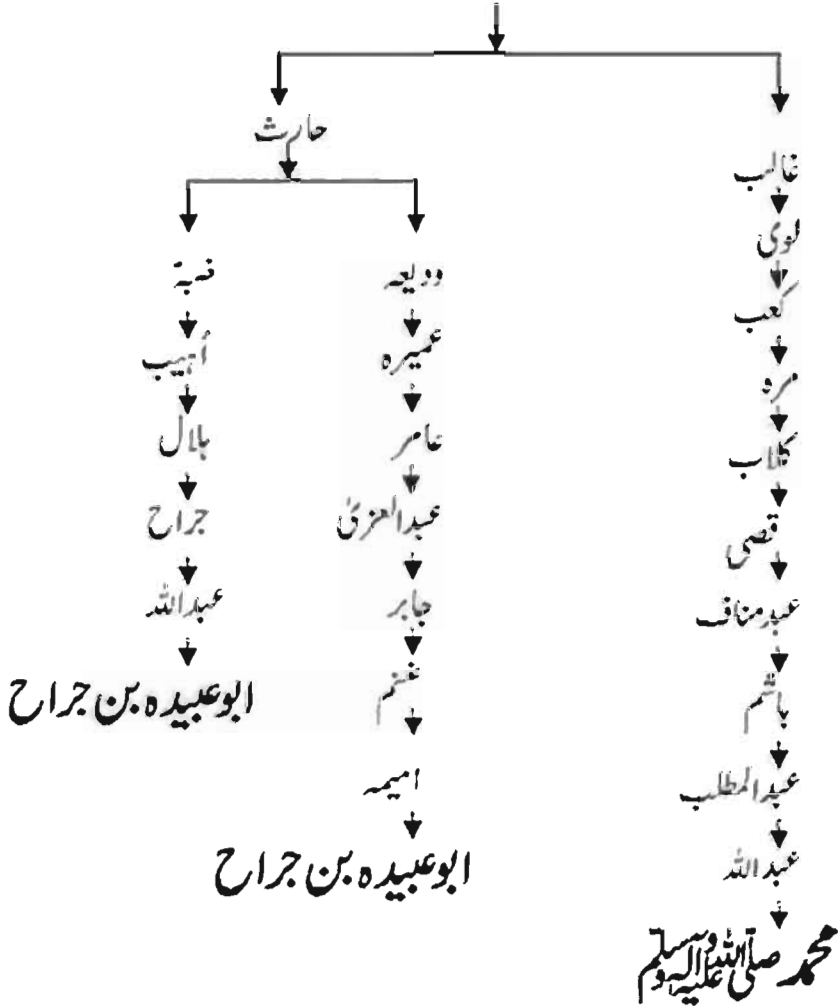
سیدنا ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراحؓ سال ۵۸۳ء کو عبداللہ بن جراح کے گھر پیدا ہوئے۔آپ کی پیدائش رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے ۱۲ سال بعد ہوئی تھی یعنی آپ عمر میں رسول اللہ ﷺ سے بارہ سال چھوٹے تھے۔آپؓ کے والد عبداللہ اور والدہ امیمہ اس بات سے بے خبر تھے کہ اُن کا بچہ بڑا ہو کر عشرہ مبشرہ میں سے بنے گا، امین الامت ہوگا، امیر الامراء اور سلطنت روم کے ملک شام کا فاتح ہوگا۔

آپ کے والد عبداللہ پیشے کے لحاظ سے تاجر اور ایک جنگجو شخص تھے لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے کو بچپن سے تیغ زنی اور شہسواری کے گُر سکھائے۔یہی وجہ تھی کہ بچپن ہی سے آپ میں سالاری او رشہسواری کی جھلک نظر آتی تھی۔

سیدنا ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراحؓ دراز قامت اور جسم سے قدرے پتلے تھے۔آپ کا چہرہ پُرنور اور دلکش تھا۔آپ بچپن سے ہی نرم دل اور شریف انسان تھے۔بُت پرستی اور برے کاموں میں آپ کی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

آپؓ کے حسن و جمال، شخصیت اور کردار کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش کے تین شخصوں کا چہرہ سب سے زیادہ روشن اور پیارا ہے اور ان کے اخلاق بھی سب سے اچھے ہیں اور شرم وحیا میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔اگر تم سے بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں اور اگر تم ان سے بات کرو تو نہ جھٹلائیں اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح ہیں (المعجم الکبیر)۔حضرت حسن بن علیؓ بھی رسول اللہ ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ابوعبیدہؓ بن جراح ایسے شخص ہیں جن کے اخلاق کے بارے میں کوئی کلام نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ عمر مبارک قمری سال کے مطابق تریسٹھ (۶۳) سال اور چار دن تھی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ وہ خوش نصیب صحابی ہے جنہوں نے اپنی زندگی کے پچاس قیمتی سال آپ کی صحبت میں گزارے ہیں۔

سیدنا ابوعبیدہؓ جب دنیا میں تشریف لائے اس وقت کفر کے اندھیرے آخری مراحل میں تھے۔ان اندھیروں کو جانے کا حکم مل چکا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ تشریف لا چکے تھے اور کفر کے ایوانوں

میں زلزلہ برپا ہو چکا تھا اور سیدنا ابوعبیدہ ؓ کی پیدائش کے وقت تقریباً بارہ سال بیت چکے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب عریانی اور فحاشی اپنی عروج کو پہنچ چکی تھی اچھائی اور برائی کی تمیز ختم ہو چکی تھی۔

جزیرۃ العرب میں یہ حالات کیوں پیدا ہو گئے تھے؟ بات بات پر لڑائیاں کیوں ہوتی تھیں؟ اس قسم کے بہت سارے سوالات کے جوابات دینے کیلئے ہمیں عرب کے حالات واقعات کا مطالعہ کرنا ہوگا کہ آخر کار کیوں معمولی باتوں پر سالہا سال لڑائیاں ہوتی تھیں۔ ہر بندہ اور قبیلہ اپنے آپ کو کسی بھی طور دوسروں سے کمزور نہیں سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی بیرونی طاقت پورے ملک عرب پر قابض نہ ہو سکی۔ جزیرۃ العرب کے اندر چھوٹی چھوٹی علیٰحدہ ریاستیں اور سرداریاں تھیں۔ سبزہ، پانی اور ضروریات زندگی کی کمی اور نایابی نے اس ملک کے باشندوں کو خانہ بدوش، جفاکش اور مستعد بنا رکھا تھا۔ ضروریات زندگی کی کمی نے ان کی تہذیب وتمدن کو آگے نہیں بڑھنے دیا اور ان کی معاشرت میں کوئی نمایاں اصلاح اور قابل ذکر تغیر واقع نہ ہوا۔ مشاغل کی کمی اور مناظر کی یک رنگی نے ان کی فرصتوں کو بہت وسیع اور فارغ اوقات کو بہت طویل کر دیا تھا۔ ریگستانوں کی کثرت، پیداوار کی کمی اور قیمتی اشیاء کی نایابی نے کسی بیرونی فتح مند قوم اور ملک گیر بادشاہ کو ملک عرب کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ سیاحوں اور تاجروں کے متوجہ کر لینے کا بھی کوئی سامان اس جزیرہ میں نہ تھا لہٰذا غیر قوموں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کی ترقی سے اہل عرب تقریباً بے خبر رہے اور کسی بیرونی ملک اور بیرونی قوم کے تمدن، اخلاق اور معاشرت سے اہل عرب بالکل بھی متاثر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل عرب اپنے جملہ معاملات میں مکمل طور پر خود مختار نظر آتے ہیں۔

ان حالات میں ظاہر ہے ملک عرب کے اندر دو ہی چیزیں خوب ترقی کر سکتی تھی۔ ایک شعر گوئی جس کے لئے وسیع فرصتیں اور کھلے میدانوں میں راتوں کو بیکار پڑے رہنا کافی محرک تھے۔ دوسری حفاظت اور خود مختاری کی مسلسل مشق اور صعوبت کشی کی عادت نے ان کو جنگ وپیکار اور بات بات پر معرکہ آراء ہونے اور زور آزمائی کا شوقین بنا دیا تھا۔ بے کاری اور شاعری نے ان کو جنگی مشق بازی اور ان کے امراء کو شراب خوری کی طرف خوب متوجہ کیا تھا۔ بہادری اور سخاوت نے ان کو اعلیٰ درجے کا مہمان نواز اور قول واقرار کا پکا بنا دیا تھا۔ جوا، تیر اندازی، مشاعرے، تفاخر اور مسابقت وغیرہ ان کے دل بہلانے کے مشاغل تھے۔

اہل عرب کو اپنے نسب کے سلسلے یاد اور محفوظ رکھنے کا بہت شوق تھا۔ آباؤ اجداد کے ناموں اور کاموں کو وہ فخریہ بیان کرتے تھے اور اسی ذریعہ سے لڑائیوں میں جوش اور بہادری دکھانے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ ملک عرب کی آب وہوا کا اثر تھا یا نسب دانی کے شوق کا نتیجہ کہ اہل عرب کی قوت حافظہ نہایت تیز تھی۔ کئی سو اشعار کے قصیدے ایک مرتبہ سن کر یاد کر لینا اور نہایت فصاحت کے ساتھ سنا دینا ان کیلئے معمولی بات تھی۔

اسلام سے پہلے اہل عرب کے دین و مذہب کی یہ حالت تھی کہ بعض قبائل نہ خالق کے قائل تھے اور نہ یوم جزا کے۔ بعض خالق کو مانتے تھے لیکن سزا و جزا اور قیامت کے منکر تھے۔ عرب کی اکثریت بت پرستی اور ستارہ پرستی میں مبتلا تھی بعض میں آتش پرستی بھی رائج تھی۔ خانہ کعبہ کو بت پرستی کا مرکز بنا رکھا تھا اور تین سو ساٹھ بت خانہ کعبہ میں رکھ دیئے تھے۔ شام کی طرف سے آئے ہوئے کچھ یہودی بھی مدینہ اور اس کے گردونواح میں آباد ہو گئے تھے۔ جو حضرت موسیٰؑ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی یہاں آباد ہو گئے تھے۔ ان یہودیوں میں بنو قریظہ، بنونظیر اور بنی قینقاع مشہور قبائل تھے۔ کچھ عیسائی بھی ملک عرب میں آباد تھے۔

رسول اللہ ﷺ سے چار سو سال قبل عمرو بن لُحی حجاز کا بادشاہ تھا۔ اس نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کی چھت پر ہبل نامی بت رکھا اور مقامِ زمزم پر اساف اور نائلہ دو بت رکھے اور لوگوں کو ان کے پوجنے کی ترغیب دی۔ اس طرح عرب میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ مؤرخین کا قول ہے کہ بعض اہل عرب توحید کے قائل تھے اور اللہ کو ایک مانتے تھے بتوں کی پرستش وہ یوں کرتے تھے کہ یہ بارگاہ الٰہی میں ہمارے سفارشی ہیں۔

عرب جاہلیت میں ستارہ پرستی بھی خوب رائج تھی۔ قبیلہ حمیر سورج کو، کنانہ چاند کو، تمیم دبران کو، لخم اور جذام مشتری کو، طے سہیل کو، قیس شعر العبور کو اور بنی اسد عطارد کو پوجتے تھے۔ اکثر قبیلے بت اور ستاروں کو مشترک طور پر پوجتے تھے۔ ستاروں کے طلوع اور غروب پر بڑے بڑے کاموں کا انحصار رکھتے تھے۔ قرآن پاک کی سورۃ نوح سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانے میں بھی عراق و عرب میں یغوث، یعوق، نسر، وَدّ اور سواع وغیرہ کی پرستش ہوتی تھی جو سب ستاروں کے نام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ستارہ پرستی ملک عرب میں قدیم ایام سے رائج تھی۔ عرب کے ستارہ پرستوں میں چاند

کے پرستار سب سے زیادہ تھے اور چاند سب سے محبوب معبود سمجھا جاتا تھا۔

ملک عرب میں کاہن لوگ بڑی کثرت سے ہوتے تھے۔ کاہن وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اسرار کو جاننے اور غیب کی خبروں پر اطلاع رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ جو آئندہ حالات کی خبر دیتے، اس کو عرّاف کہتے تھے۔ غیب دانوں کی ایک قسم ناظر کہلاتی تھی جو آئینہ یا پانی سے لبریز طشت پر نظر ڈال کر غیب کی باتیں بتاتے یا حیوانات کی ہڈیاں اور جگر وغیرہ اعضاء کو دیکھ کر خبر بتاتے تھے۔ ان سب کے علاوہ تعویز اور گنڈے والے بھی تھے مگر ان کا رتبہ کاہن کے بعد آتا تھا۔

اسکے علاوہ عرب کے لوگ تفاول وتشاؤم یعنی نیک فالی اور بدفالی کے بھی بہت قائل تھے۔ کچّے کو منحوس اور موجبِ فراق سمجھتے تھے۔ عربی زبان میں کچّے کو غُراب کہتے ہیں اسلئے مسافرت کو غربت اور مسافر کو غریب کہتے تھے۔ یعنی کوے کے اثر اور نحوست سے انسان جدائی اور مسافرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُلو کو بھی منحوس سمجھتے تھے ان کے نزدیک اُلو کے بولنے سے موت اور ویرانی ہوتی تھی۔ چھینک کو بھی موجب بدفالی سمجھتے تھے۔ بعض لوگ ساحر تھے جن کا پیشہ جادوگری کا تھا اور شیطان کو اپنا دوست بنانے کے لئے بڑی بڑی ریاضتوں میں مصروف رہتے تھے۔

ان تمام عادتوں کے علاوہ جو سب سے خطرناک عادت تھی، وہ قتال وجدال تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اُن میں جنگ چھڑ جاتی تھی۔ ایک دفعہ جب لڑائی شروع ہو جاتی تو پھر کئی کئی پشتوں اور صدیوں تک برابر جاری رہتی۔ ان لڑائیوں میں کوئی بھی لڑائی ایسی نہیں ملتی جو کسی معقول اور اہم سبب کی بناء پر شروع ہوئی ہو۔ عرب کی مشہور لڑائیاں بعاث، کلاب، فترت، نخلہ، قرن اور سوبان وغیرہ ہیں۔ ان لڑائیوں سے کسی قبیلہ یا ملک کو کبھی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ ہمیشہ تباہی اور بربادی اور نقصانِ جان و مال برداشت کرنا پڑا۔ گھوڑوں اور ہتھیاروں کی نگہداشت کا ان کو بہت زیادہ خیال تھا۔ شمشیر زنی، تیراندازی، شہسواری اور نیزہ بازی میں جس شخص کو کمال حاصل ہوتا اس کی بڑی عزت کی جاتی اور اس کا نام فوراً دور دور تک مشہور ہو جاتا۔ بعض قبائل کو فنونِ حرب اور اسلحہ جنگ کے استعمال میں شہرت حاصل تھی۔ خاص خاص تلواروں، نیزوں، کمانوں اور گھوڑوں وغیرہ کے خاص خاص نام تھے جو پورے ملک میں جانے اور پہنچانے جاتے تھے۔ مثلاً حارث بن ابی شمر غسانی کی تلوار کا نام خذوم تھا۔ عبدالمطلب بن ہاشم کی تلوار کا نام عطشان اور مالک بن زبیر کی تلوار کا نام ذوالنون تھا۔ یہ سب باتیں اس امر کی دلیل

ہیں کہ عرب کے لوگ قتل وقتال کے بے حد شوقین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ گھوڑے اور تلوار کے نام عربی زبان میں ہزار تک بتائے جاتے ہیں۔ گھر پر کھانے پینے کو کچھ ملتا یا نہ ملتا مگر اعلیٰ قسم کی تلواریں اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ شوق چند قبیلوں میں نہیں بلکہ پورے عرب میں تھا۔

چونکہ عربوں کی اکثریت خانہ بدوشوں کی تھی اسلئے ان کے ہاں پردے کا کوئی مطلق رواج نہیں تھا۔ ان کی عورتیں آزادانہ مردوں کے سامنے آتی تھیں۔ مشاغل اور ضروریات زندگی کی کمی، آزاد مزاجی، شاعری ومفاخرت، نیز ملک کی گرم آب وہوا نے عرب میں عشق بازی جیسے مرض کو جنم دیا تھا۔ عرب کے اندر وہ آدمی کمینہ اور ذلیل سمجھا جاتا تھا جس کو کسی عورت سے پیار اور عشق نہ ہوا ہو۔ عرب کے کچھ قبائل عشق بازی کی وجہ سے مشہور تھے مثلاً بنی عذرہ کے عشق کی یہاں تک شہرت تھی کہ۔۔۔ اعشق من بنی عذرہ۔۔۔ کی مثال پورے عرب میں مشہور ہے۔ یعنی فلاں شخص بنی عذرہ سے بھی زیادہ عاشق مزاج ہے۔ ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا کہ تو کس قوم سے ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں ایک ایسی قوم سے ہوں کہ جب وہ عاشق ہوتے ہیں تو ضرور مرجاتے ہیں۔ اس کلام کو ایک لڑکی سن رہی تھی، وہ کہنے لگی۔۔۔ عذری ورب الکعبہ۔۔۔ رب کعبہ کی قسم تو ضرور عذری ہے۔

جزیرۃ العرب میں ایسا کوئی شخص نہیں تھا جو شاعری کا سلیقہ نہ جانتا ہو۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے، جوان سب کے سب تھوڑی بہت شاعری ضرور کرتے تھے گویا وہ لوگ ماں کے پیٹ سے شاعری اور فصاحت لے کر پیدا ہوئے تھے۔ سوچنے، غور کرنے اور مضمون تلاش کرنے کی ان کو ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ان کو اپنی فصاحت اور قادر الکلامی پر اس قدر غرور تھا کہ وہ ساری دنیا کو اپنے سوا عجم یعنی گونگے سمجھتے تھے۔ مگر قرآن کریم نے ان کی فصاحت اور غرور کی ایسی کمر توڑ دی کہ اپنی فصاحت اور قادر الکلامی کے باوجود قرآن پاک کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کلام کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادوگر اپنے عروج تک پہنچ چکے تھے۔ ہر چھوٹا بڑا جادوگر تھا۔ ان کے جادو کا کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو جو معجزہ دیا وہ بظاہر جادو جیسا ہی تھا۔ اسی معجزے کے سامنے سارے جادوگر سربسجود ہو گئے تھے۔ صالح علیہ السلام کے دور میں لوگ مویشیوں کے شوقین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دیا کہ پتھر

سے اونٹنی نکال کر پورے شہر کو دودھ دیتی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے دور میں لوگ علم طب اور حکمت کی عروج کو پہنچ چکے تھے اور صرف دو چیزوں کے سامنے عاجز ہو گئے تھے۔ ایک برص اور دوسری موت۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو جو معجزہ دیا وہ مردوں کو زندہ کرنے اور مرض برص کو ٹھیک کرنے کا تھا۔ الغرض جب امام الانبیاء ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو لوگ شعر و شاعری اور فصاحت و بلاغت میں عروج تک پہنچ چکے تھے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا معجزہ دیا اور چیلنج کیا کہ پوری سورۃ نہیں بلکہ صرف ایک آیت بنا کر لاؤ لیکن وہ اس سے بھی قاصر رہ گئے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں سالانہ میلوں اور حج کے موقع پر جس شخص کا قصیدہ مجلس مشاعرہ میں سب سے زیادہ بہتر قرار دیا جاتا وہ فوراً سب سے زیادہ عزت و عظمت کا وارث بن جاتا تھا۔ شاعروں کی عزت ان کے نزدیک بہادر سپہ سالاروں اور بادشاہوں کے مساوی بلکہ ان سے زیادہ ہوتی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ قبیلوں کو آپس میں لڑانا، ان کو غیر معمولی بہادر ظاہر کرنا، لڑائی کو جاری رکھنا اور رُکوانا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ بہترین قصائد خانہ کعبہ پر لکھ کر لٹکا دیئے جاتے۔ چنانچہ ایسے سات قصیدے جو سبع معلقات کے نام سے مشہور ہیں، امراؤالقیس بن حجر کندی، زہیر بن ابی سلمیٰ مزنی، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم اور عنترہ عبسی مُصنّفہ تھے۔

جزیرۃ العرب کے اندر دو قسم کے لوگ آباد تھے ایک وہ جو شہروں اور بستیوں میں آباد تھے، دوسرے وہ جو خانہ بدوش تھے اور تعداد میں زیادہ تھے۔ شہری لوگوں میں اگرچہ حقوق ہمسایہ کی رعایت، امانت داری، دیانت وغیرہ کی صفات تھیں مگر تجارت میں مکر و دغا، دھوکہ بازی وغیرہ عیوب ان میں بھی موجود تھے۔ خانہ بدوش یا بدوی راہزنی اور ڈاکہ ڈالنے کے بے حد شوقین تھے۔ مسافروں کو لوٹ لینے اور زبردستی کسی کا مال چھین لینے کی سب کو عادت تھی۔ اگر کسی شخص کو تنہا سفر میں پاتے تو اس کا مال چھین لیتے اور اس کو غلام بنا کر بیچ ڈالتے۔ راستوں میں جو کنویں بنے ہوتے تھے ان کو گھاس وغیرہ سے چھپا دیتے کہ مسافر کو پانی نہ مل سکے اور پیاس سے مر جائے تو بلا زحمت اس کا مال ہاتھ آئے۔ چوری میں بھی خوب مشّاق تھے بعض تو چوری میں اتنے مشہور تھے کہ ان کے نام بطور ضرب المثل مشہور ہوئے ان چوروں کو ذوبان العرب (عرب کے بھیڑئے) بھی کہا جاتا تھا۔

تکبر جیسی رذیل خصلت بھی عرب میں انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ جذیمہ ابرش کے تکبر کی یہ حالت

تھی کہ کسی کو اپنا وزیر اور ہم نشین نہیں بنایا۔ وہ کہتا تھا کہ فرقدین ستارے میرے ہم نشین ہیں۔ بنی مخزوم بھی تکبر کے لئے کافی شہرت رکھتے تھے۔ اسی طرح بہت سارے قبائل اس رذیل خصلت میں ممتاز اور مشہور تھے اور کوئی بھی قبیلہ اس عیب سے خالی نہ تھا۔ اسی تکبر کا نتیجہ تھا کہ انبیاء کے وعظ و نصیحت سننے اور احکامِ الٰہی کی فرمان برداری کرنے کو بھی عیب جانتے تھے۔

ملک عرب میں تکبر کے ساتھ ساتھ کینہ اور دشمنی بھی بہت زیادہ پائی جاتی تھی۔ اگر کسی قاتل یا دشمن پر اس کی زندگی میں دسترس حاصل نہ ہوسکتی تو اس کے بیٹوں، پوتوں اور رشتہ داروں سے بدلہ لیتے تھے اور جب تک انتقام نہ لیتے، چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ اگرچہ سببِ عداوت یاد نہ رہے لیکن عداوت پھر بھی یاد رہتی تھی۔ اکثر ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ فلاں شخص سے میری دشمنی کس بات پر ہے۔ بہت سے شخصوں کو صرف اس لئے قتل کرتے تھے کہ ہم کو ان سے دشمنی ہے اور ان کا قتل کرنا ضروری ہے اگرچہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ دشمنی کیوں ہے؟

ملک عرب میں اگر کوئی شخص مرجاتا تو اس کے عزیز و اقارب ماتم کرتے تھے، اپنے چہرے پیٹتے تھے، بال نوچتے اور چیخ وپکار کرتے تھے۔ عورتیں کھلے بال، سر پر خاک ڈالے جنازے کے پیچھے پیچھے چلتی تھیں۔ نوحہ کرنے والی عورتوں کو بلایا جاتا تھا جو خوب زور وشور سے نوحہ کرتی تھیں۔ دفن سے فارغ ہوکر دسترخوان بچھایا جاتا اور ان نوحہ کرنے والیوں کو کھانا کھلایا جاتا۔

ان تمام برائیوں کے علاوہ عرب کے لوگ توہم پرست بھی تھے وہ جنوں، دیوں اور پریوں کے بھی قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ پریاں انسانی مردوں پر عاشق ہو جاتیں ہیں اور جن انسانی عورتوں سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ جنوں کو وہ غیر مرئی مخلوق سمجھتے تھے مگر ساتھ ہی یقین رکھتے تھے کہ مادیات سے ملکر اولاد پیدا ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ جرہم انسان اور فرشتے کے تناسل سے پیدا ہوا تھا۔ یہی عقیدہ ان کا شہر سبا کی ملکہ بلقیس کے بارے میں بھی تھا۔ عمر بن بربوع کے بارے میں عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ آدمی اور غول بیابانی کے تناسل سے پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح بتوں کے سامنے یا بت خانوں کی ڈیوڑھی پر تین تیر رکھے ہوتے۔ ایک پر ''لا'' دوسرے پر ''نعم'' لکھا ہوتا۔ یہ تیر ایک ترکش میں ہوتے جب کوئی خاص کام درپیش ہوتا تو ترکش میں سے ایک تیر نکالتے۔ اگر ''لا'' والا تیر نکل آتا تو اس کام سے باز رہتے، ''نعم'' والا نکلتا تو اجازت سمجھتے۔ خالی تیر نکلتا تو پھر دوبارہ تیر

نکالتے یہاں تک کہ لا یا نعم میں سے کوئی نکل آتا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو مقتول کی کھوپڑی میں سے ایک پرندہ جس کا نام ہامہ ہے، نکلتا ہے اور جب تک انتقام نہ لے لیا جائے، برابر چیختا پھرتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ، مجھے پانی پلاؤ۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر کسی عورت کے بچے مرجایا کرتے ہوں اور وہ عورت کسی شریف آدمی کی لاش کو اپنے پاؤں سے خوب کچل ڈالے تو پھر اس کے بچے جینے لگتے ہیں۔ ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ جن خرگوش سے ڈرتا ہے اس لئے جنوں سے محفوظ رہنے کے لئے خرگوش کی ہڈی بطور تعویذ بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے۔

اس قسم کے غلط عقائد کے ساتھ ساتھ ملک عرب میں قمار بازی کا بھی بہت شوق تھا۔ زیادہ تر ازلام کے ذریعے جوا کھیلا جاتا تھا۔ ازلام جوا کھیلنے کے خاص تیر ہوتے تھے جن پر پَر نہیں لگے ہوتے تھے۔ ان کی تعداد دس ہوتی تھی۔ ہر ایک تیر کا جدا جدا نام ہوتا تھا۔ بالترتیب ان کے نام یہ تھے:
(۱) غذ (۲) توام (۳) رقیب (۴) نافس (۵) حلس (۶) مبل (۷) معلیٰ (۸) فسیح (۹) ملیح (۱۰) دغد

ان میں سے ہر ایک تیر کا ایک خاص حصہ ہوتا تھا۔ مثلاً غذ کا ایک حصہ، توام کے دو، رقیب کے تین، اسی طرح ایک ایک بڑھتا جاتا یہاں تک کہ معلیٰ کے سات حصے ہوتے تھے۔ اسی طرح آخری تین تیروں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ دس مال دار لوگ موٹی موٹی بکریوں کو خرید لیتے تھے اور ان کو ذبح کر کے اٹھائیس حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ تمام تیروں کو ایک ترکش میں ڈال کر ایک شخص کے ہاتھ میں دے دیتے۔ وہ ایک ایک تیر نکال کر ہر ایک کو ایک ایک پکڑا دیتا۔ جو تیر جس شخص کے پاس آجاتا اسی کے موافق اس کو حصہ مل جاتا۔ آخری تین تیر جن کے ہاتھ میں آتے وہ تینوں محروم رہتے۔ یہ جوا خانہ کعبہ کے اندر ہبل کے سامنے کھیلا جاتا تھا۔ ایک طریقہ قمار بازی کا یہ تھا کہ تھوڑی سی ریت جمع کر کے کوئی چیز اس میں چھپا دیتے۔ اس کے بعد اس ریت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے اور دریافت کرتے کہ بتاؤ وہ چیز کون سے ڈھیر میں ہے۔ جو شخص ٹھیک بتا دیتا وہ جیت جاتا اور جو غلط بتاتا وہ ہار جاتا۔

جوا، قمار بازی اور تکبر کے علاوہ جو سب سے بری عادت تھی وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفنانا یعنی دختر کشی کی عادت تھی۔ بنی تمیم اور قریش میں دختر کشی کی رسم سب سے زیادہ تھی۔ اس رسم پر وہ لوگ فخر کرتے تھے اور اِس کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتے تھے۔ بعض گھرانوں میں یہ سنگدلی یہاں تک بڑھی

ہوئی تھی کہ لڑکی اگر بڑی بھی ہو جاتی خوب میٹھی میٹھی باتیں کرتی اور اس کی عمر پانچ چھ سال کی ہو جاتی پھر بھی اس کو اچھے کپڑے پہنا کر سنگ دل باپ خود لے کر بستی سے باہر لے جاتا اور اس کو ایک گہرے گڑھے میں ڈال کر زمین ہموار کر کے واپس آجاتا۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے جس کا نام قیس بن عاصم تھا اسی طرح اپنی دس لڑکیاں زندہ دفن کی تھیں۔ دختر کشی کی یہ قبیح رسم عرب کے تقریباً تمام قبائل میں رائج تھی البتہ بعض میں زیادہ تھی تو بعض میں قدرے کم۔

☆☆☆

اب تک اہل عرب کی نسبت جو کچھ بیان ہوا ہے یہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کے زمانے کے حالات ہیں۔ قارئین کرام خود غور فرمائیں کہ جن لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور جو اسلام کے اول مخاطبین ہیں وہ لوگ کس قدر پستی اور ذلت وخواری میں تھے۔ پھر آئندہ تیئس سال کے قلیل عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیمات اور اسلام کے اثر سے عرب کے انقلاب کا حال پڑھ کر صحیح معنوں میں اندازہ ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت اور دین اسلام کی نورانیت ہی وہ طاقت ہے جس نے کفر وشرک اور گناہوں کی تاریکی کو یکسر مٹا دیا اور وہ انقلاب برپا کر دیا جو ایک عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اسی انقلاب کے نتیجے میں انہی لوگوں میں سے عشرہ مبشرہ، امین الامت، اسد اللہ اور سیف اللہ بنے۔ اور آسمان کے ملائک بھی ان پر رشک کرنے لگے۔

اہل عرب کے لئے ہر کام آسان تھا لیکن اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنا بہت مشکل تھا کیونکہ وہ اپنے باپ دادا کے دین پر بہت فخر کرتے تھے۔ لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے سچائی کی خاطر اپنے باپ دادا کے دین کو خیر باد کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور نہ صرف اسلام کی اشاعت کی بلکہ اسی دین کی خاطر اپنے باپ کا سر بھی قلم کیا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ عظیم شخصیت کون تھے؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نامور صحابی اور اسلامی تاریخ کے ایک عظیم جرنیل سیدنا ابو عبیدہ عامر بن عبد اللہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ جو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔

☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا حکم پاتے ہی تبلیغ کا کام شروع کر دیا لوگوں کو شرک سے باز رکھنے اور توحید الٰہی کی طرف بلانے کا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر سے شروع کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سب سے

پہلے ایمان لائیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب، جو ابھی آپ ﷺ کے زیر کفالت دس سال کے بچے تھے اور حضرت زید بن حارثہؓ، جو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، بھی پہلے ہی دن ایمان لے آئے۔ یہ سب آپ ﷺ کے گھر کے لوگ تھے۔ حضرت ابوبکر بن ابی قحافہؓ بھی جو آپ ﷺ کے دوست تھے، پہلے ہی دن ایمان لے آئے۔ کیونکہ یہ لوگ آپ ﷺ کے اخلاق وعادات سے بخوبی واقف تھے ان کا سب سے پہلے ایمان لانا آپ ﷺ صداقت وراست بازی کی ایک زبردست دلیل ہے۔ جس دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کیا اسی دن سے اسلام کی تبلیغ میں سرگرم ہو گئے۔ ان کی کوشش سے اگلے ہی دن حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ مسلمان ہوئے۔ ان کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت عثمان بن مظعونؓ سیدنا ابوبکرؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ خدمت میں حاضر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ ابوبکر صدیقؓ کے مسلمان ہونے کا دوسرا دن اور عیسوی سال ۶۱۱ء تھا۔ یہ تمام حضرات ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بغیر کسی دلیل اور حجت کے اپنے باپ دادا کے دین کو خیر آباد کہہ کر مسلمان ہو گئے اور سابقین اولین میں شمار ہونے لگے۔

سیدنا ابوعبیدہؓ قریش کے قبیلہ بنوالحارث کے پہلے جبکہ باقی تمام لوگوں میں اسلام لانے میں آٹھویں نمبر پر ہیں۔ بعض علماء اور مورخین کے نزدیک آپ گیارہویں صحابی ہیں۔ آپ مکہ کے معزز اور سر برآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ اسلام لاتے وقت آپؓ کی عمر مبارک ۲۸ برس تھی یعنی اس وقت آپ کی جوانی عروج پر تھی۔ آپؓ کی شخصیت ہر اعتبار سے متاثر کن تھی۔ نہایت ہی ذہین، خاکسار اور عابد وزاہد ہونے میں اپنی مثال آپ تھے۔

سیدنا ابوعبیدہؓ کے ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات موجود ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کی ایک زوجہ تھی جن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام یزید اور دوسرے کا نام عمیر تھا۔ ان دونوں کی والدہ ہند بنت جابر بن وہب بن ضباب بن حجیر بن عبد تھا۔ بعض دوسرے مؤرخین نے ورجا نامی بیوی بھی لکھا ہے جس سے آپ کے بیٹے عبیدہ پیدا ہوئے تھے۔ بہر حال آپ کے سارے بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ آپ کی بیٹیوں کا ذکر کہیں موجود نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

آپ ؓ کا حلیہ مبارک دراز قامت، دبلے پتلے، چہرہ مبارک نورانی اور کم گوشت والا تھا ۔ چوڑے اور ابھرے ہوئے سینے والے، سامنے کے دو دانت رسول اللہ ﷺ خدمت میں قربان کر چکے تھے ۔ داڑھی مبارک گھنی نہ تھی۔ سر کے بالوں اور داڑھی کو مہندی لگایا کرتے تھے ۔

☆☆☆

سیدنا ابوعبیدہ بن جراح ؓ مسلمان ہوتے ہی دین اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ آپ چونکہ مکہ کے ذی اثر لوگوں میں سے تھے لہٰذا آپ ؓ نے اپنا اسلام اپنے قبیلے اور دیگر لوگوں سے مخفی نہ رکھا اور کھلے عام لوگوں پر ظاہر کیا۔ آپ کا اسلام لانا آپ کے والد عبداللہ بن جراح کو سخت ناگوار گزرا اور آپ کو اپنے دین سے منحرف کرنے کے لئے طرح طرح کی دھمکیاں دینے لگا اور ملامت کرنے لگا لیکن آپ اپنے دین پر ایک چٹان کی طرح ڈٹے رہے اور دین اسلام کی مسلسل اشاعت میں مصروف رہے حتیٰ کہ آپ ؓ کے والد عبداللہ بن جراح نے آپ کے ساتھ قطع تعلق کر لیا اور کلام بھی چھوڑ دیا۔

تین سال تک تبلیغ کا کام خفیہ اور انفرادی رہا۔ محمد غزالیؒ لکھتے ہیں کہ یہ خبریں قریش تک پہنچ چکی تھیں، لیکن قریش نے ابھی تک انہیں کوئی اہمیت نہیں دی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کھلے عام ان کے بتوں اور دیوتاؤں کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی اس لئے قریش نے آپ کو اسی طرح کا کوئی دینی آدمی سمجھا جو الوہیت اور حقوق الوہیت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں البتہ قریش نے آپ ﷺ کے اثر ورسوخ کے بڑھنے سے اندیشہ ضرور محسوس کیا تھا۔ ابھی تک قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ پر اجتماعی مظالم بھی شروع نہیں کئے تھے۔ تین سال بعد وحی الٰہی نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کو مکلف کیا گیا کہ اپنی قوم کو کھلم کھلا دین اسلام کی دعوت دیں، ان کے باطل سے ٹکرائیں اور ان کے بتوں کی حقیقت واشگاف کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ کوہ صفاء پر چڑھے اور قبائل قریش کو نام لے لے کر پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا بیشک ہم نے آپ سے سوائے صدق اور سچائی کے کچھ نہیں دیکھا تب آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب نے کہا تف ہے تجھ پر کیا ہم کو اس لئے جمع کیا تھا۔ اس پر ۔۔۔ تبت یدا ابی لهب و تب ۔۔۔ پوری سورت نازل ہوئی۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ علی الاعلان کفر وشرک کی ممانعت اور بتوں اور بت پرستوں کی مذمت اور مشرکین مکہ کے شدید عداوت اور مخالفت کے باوٗجود، آپ کی اور آپ کے صحابہ کرام کی استقامت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام کے لئے فقط تصدیق قلبی یا اقرارلسانی کافی نہیں بلکہ کفر و شرک سے بیزاری اوران کی مذمت اور ممانعت بھی لازمی اور ضروری ہے۔ آپ ﷺ مثالیں دے دے کر سمجھاتے کہ یہ بت جس کو تم لوگ پوجتے ہو کس قدر عاجز اور ناکارہ ہیں اور دلائل سے واضح فرماتے کہ تم لوگ کس قدر کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو۔

مکہ ایک ایسی آواز سن کر جس میں بت پرستوں کو گمراہ کہا گیا تھا غیض وغضب سے پھٹ پڑا اور شدید غم وغصہ سے پیچ وتاب کھانے لگا، گویا بجلی کا ایک کڑک تھا جس نے ایک پرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسی لئے قریش اس انقلاب کی جڑ کاٹنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ اس کو بر وقت ہمیشہ کے لئے دفنایا جائے۔ کفر و اسلام کی یہ علانیہ کشمکش نبوت کے چوتھے سال کے ساتھ ہی خوب زور وشور سے شروع ہوگئی تھی۔

اسی دوران رسول اللہ ﷺ نو مسلم صحابہ کی بھرپور دین اشاعت سے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوگئی جس میں مرد، عورت، جوان، بوڑھے اور بچے سب شامل تھے۔ مشرکین کے خوف سے مسلمان مکہ سے باہر کوہ صفاء کے دامن میں حضرت ارقم بن ابی الارقم مخزومی رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ وہاں نماز اور دیگر عبادات ادا کیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی دار ارقم میں لوگوں کو اسلام سکھاتے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دار ارقم میں پناہ گزیں ہوئے تاکہ رسول اللہ ﷺ صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکیں۔ البتہ رسول اللہ ﷺ تبلیغ کا کام مشرکین کے رُوبرُو کھلم کھلا انجام دیتے تھے۔

☆☆☆

تین سال یعنی نبوت کے چھٹے سال تک رسول اللہ ﷺ قیام گاہ اور اسلامی دارالصدر یہی دارِارقم رہا۔ ان تین سالوں میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کا مرتبہ بھی اول المسلمین کے برابر سمجھا جاتا ہے یعنی ایک قسم کے وہ حضرات جو دار ارقم کے قیام سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوران کے دوست حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور باقی چند اول المسلمین آتے ہیں دوسرا گروہ وہ جو

دارارقم کے قیام کے دوران مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ دونوں گروہ اول المسلمین کہلاتے ہیں۔ دارِارقم میں مسلمان ہونے والوں کی فہرست میں حضرت عمر فاروقؓ آخری شخص ہیں۔ ان کے اسلام نے مسلمانوں کو بہت تقویت دی اور وہ دارِارقم سے نکل آئے۔

ان کھٹن حالات میں اسلام قبول کرنا مصائب و آلام کا دروازہ کھولنے کے مترادف تھا۔ کفار مکہ کے مظالم سے کوئی بندہ بری الذّمہ نہیں تھا۔ چاہے وہ غلام ہو یا قبیلے کا سردار، اسلام کے دائرے میں داخل ہوتے ہی یہ خبر آگ کی طرح پھیل جاتی کہ فلاں قبیلے کا فلاں بندہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر ہر بوڑھا، جوان نومسلم حضرات کو اذیتیں دینا فخر سمجھتا تھا۔ دُور دُور سے آ کر ان مسلمانوں کو ستاتے اور طعنے دیتے تھے کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین کیوں چھوڑا ہے۔ لیکن اس کے باوًجود ابوعبیدہؓ اور آپ کے ساتھی اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ کیونکہ اسلام میں داخل ہو کر وہ ایسے پختہ ہو چکے تھے کہ چاہے اُن کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا، تب بھی وہ دین اسلام کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ مشرکین نے ہر چند کوشش کی کہ ان نومسلموں کو اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹائیں لیکن اس بات کو ماننا تو در کنار، ابوعبیدہؓ اور آپ کے ساتھی اس کو سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔

ایک طرف اگر مشرکین مکہ کا مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی سر توڑ کوشش تو دوسری طرف حضرت ابوعبیدہؓ اور آپ کے ساتھی ابوبکر، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، ابوطلحہ، عبدالاسد بن ہلال، عثمان بن مظعون، قدامہ بن مظعون، سعید بن زید، سعد بن ابی وقاص کے بھائی عمیر بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود اور جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ عنہم اجمعین کی دن رات اسلام کی اشاعت کے لئے بر سرِ پیکار ہونا قابل دید تھا۔ یہ حضرات اسلام کے ابتدائی جانباز تھے اور زیادہ تر رسول اللہ ﷺ صحبت میں رہ کر زبان اقدس سے نکلنے والی ہر بات کو دل میں محفوظ کر کے اس پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا عزم رکھتے تھے۔ اس عزم کے سامنے مشرکین مکہ کی ساری کوششیں ناکام ہو جاتیں۔

☆☆☆

اسلام قبول کرنے والوں میں سے کچھ لوگ غلام تھے اور بعض لوگ قبیلہ اور طاقت نہ رکھنے کے سبب کمزور تھے۔ اِن لوگوں کو مرتد بنانے کے لئے مشرکین مکہ نے تکالیف اور اذیتیں دینے میں

کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی البتہ جولوگ کسی خاص قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے یا خود اثر ورسوخ والے تھے جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ تو ان کو زیادہ دباؤ کا سامنا نہ رہا البتہ اپنے قبیلے اور برادری کی طرف سے رکاوٹوں کے شکار ضرور رہے۔لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ بنو ہاشم کے چشم و چراغ حضرت محمد مصطفی ﷺ جب وہ لوگ تکالیف دیتے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ کوئی بھی مسلمان اُن کے مظالم سے محفوظ نہیں تھا۔البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض مسلمان زیادہ ستائے گئے اور بعض کچھ کم۔ جولوگ کسی خاص قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ان کو عام لوگوں کا ایذا پہنچانا اس لئے خطرناک تھا کہ کہیں ان کے قبیلہ والے ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے تو معاملہ سنگین حد تک جا سکتا ہے۔ لہٰذا ایسے حضرات کے رشتہ داروں کو آمادہ کیا گیا کہ خود اپنے مسلمان ہوجانے والے رشتہ داروں کو سزا دے کر ان کو مرتد بنا دیں۔ دوسری طرف مشرکین مکہ نے مسلمانوں کا تمسخر اڑانے اور ان کو برا بھلا کہنے کے لئے خصوصی طور پر تیاری کی۔ بعض گندی زبان کے لوگوں نے یہ ذمہ داری لے لی اور وہ مسلمانوں کا مذاق شعروشاعری میں اڑاتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو لوگوں کی نظروں میں اتنا گرانا چاہیے کہ لوگ خود بخود اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کریں اور مسلمانوں کی محفل میں بیٹھنا بھی ایک عار سمجھیں اور دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے کی جرات نہ رہے۔

مکہ مکرمہ میں اب دو قسم کے لوگ سامنے آ گئے ایک مسلمان اور دوسرے غیر مسلم۔ حتیٰ کہ رشتہ بھی صرف ایک ہی بچ گیا۔ مسلمان یا غیر مسلم۔ باپ اگر غیر مسلم تھا اور بیٹا مسلمان تو باپ نے بیٹا ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح اگر باپ مسلم تھا اور بیٹا غیر مسلمان تو بیٹے نے باپ ماننے سے انکار کر دیا اور یہ لعن طعن کرتا کہ میرا باپ یا بیٹا مسلمان ہو کر بے دین ہو گیا ہے اور اپنے باپ دادا کا صدیوں پرانا دین چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا ابوعبیدہؓ کے باپ نے اپنے بیٹے کے ساتھ قطع تعلق کر کے بات چیت ترک کر دی تھی۔

مکہ میں یہ منظر بہت ہی عجیب تھا کسی کا والد کافر تو بیٹا پکا مسلمان اور کسی کا والد پکا مسلمان تو بیٹا کافر۔ گھر گھر اختلاف پیدا ہو گیا تھا گویا سارے رشتے ختم ہو گئے تھے اور صرف اسلام اور غیر اسلام کا رشتہ رہ گیا تھا۔

جب مشرکین مکہ کا ظلم اپنے انجام کو پہنچ گیا اور مسلمانوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو قریش نے

عتبہ بن ربیعہ کو پیغام دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ عتبہ بن ربیعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور بڑی نرمی سے کہنے لگا اے محمد! تم شریف انسان ہو، تمہارا خاندان بھی شریف اور معزز ہے مگر تم نے قوم کے اندر فتنہ ڈال رکھا ہے۔ بتاؤ تمہارا مقصد کیا ہے اگر تم کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم تمہارے واسطے اس قدر مال جمع کرتے ہیں کہ تم سب سے زیادہ مالدار بن جاؤ گے اور اگر حکومت اور سرداری کے خواہش مند ہو تو ہم سب تم کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور تمہاری حکومت تسلیم کرنے کو تیار ہیں اور اگر شادی کرنی منظور ہے تو ہم سب سے اعلیٰ گھرانے کی سب سے حسین لڑکی سے تمہاری شادی کرا دیتے ہیں اور اگر ان سب چیزوں کی خواہش ہے تو یہ سب تمہارے لئے فراہم کر دیتے ہیں۔ تم اپنا دلی منشاء صاف صاف بیان کرو، ہم تمہاری خواہشات پورا کرنے کو تیار ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ کی تقریر ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں سورہ حٰم سجدہ تلاوت فرمائی جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے۔۔۔ **فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقة مثل صاعقة عادو ثمود**۔۔۔ یہ آیت کریمہ سن کر عتبہ کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا ایسا نہ کہو، ایسا نہ کہو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور سجدہ سے سر مبارک اٹھایا تو فرمانے لگے کہ میرا جواب سن لیا؟ عتبہ بن ربیعہ وہاں سے اٹھا اور قریش کے پاس آ کر کہا میری رائے یہ ہے کہ اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور تم بالکل غیر جانبدار ہو جاؤ۔ اگر یہ ملک عرب پر غالب آ گیا تو یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی کامیابی تمہاری کامیابی اور اگر یہ تباہ ہو گیا تو تم سستے چھوٹ جاؤ گے۔

یہ سن کر قریش نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے تم پر بھی اپنا جادو کر دیا ہے۔ اب تم بھی اس کے طرف دار نظر آتے ہو تمہارے اوپر بھی اثر ہو گیا۔ یہ سن کر عتبہ نے کہا کہ جو تمہارا جی چاہے کہو، میں نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔

☆☆☆

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ظلم و ستم کا مذکورہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال شروع ہوا تھا جو دن بدن اور ماہ بماہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال تک اپنے شباب کو پہنچ گیا حتیٰ کہ مسلمانوں کے لئے مکہ میں جینا مشکل ہو گیا۔ ان ہی سنگین اور تاریک حالات میں سورۃ زُمر کا نزول ہوا

اور اس میں ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ معلوم تھا کہ اصحمہ نجاشی شاہ حبش ایک عادل بادشاہ ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ جو لوگ فتنوں سے بچ کر اپنے دین کی حفاظت کے لئے مکہ چھوڑنا چاہتے ہیں وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔ درحقیقت رسول اللہ ﷺ طرف سے یہ ایک اجازت نامہ تھا کہ جن لوگوں کے لئے مکہ میں جینا مشکل ہے وہ حبشہ ہجرت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں گیارہ مرد اور چار عورتیں (کل پندرہ افراد) حبشہ کی ہجرت اول کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کے امیر تھے اور آپ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

یہ حضرات رات کی تاریکی میں چپکے سے نکل کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے اور حبشہ پہنچ کر چین کا سانس لیا۔ ہجرت کرنے والوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان (۲) حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ (۳) حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
(۴) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ (۵) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (۶) حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ
(۷) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (۸) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ (۹) حضرت ابوسیرہ بن ابی ارہم رضی اللہ عنہ (۱۰) حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ (۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۱۲) حضرت رُقیہ بنت محمد ﷺ
(۱۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (۱۴) حضرت سیلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا (۱۵) لیلیٰ بنت حثمہ رضی اللہ عنہا

دوسری طرف مکہ میں دو قسم کے مسلمان رہ گئے۔ ایک تو وہ حضرات تھے جن کے پاس سامان سفر ہی نہیں تھا اور نہایت ہی کمزور اور بے بس تھے۔ دوسری طرف وہ ذی اثر اور معزز حضرات تھے جو اپنے قبیلے اور اثر و رسوخ کی وجہ سے قریش کے مظالم سے کسی حد تک محفوظ تھے اور آپ ﷺ سے دور رِہنا نہیں چاہتے تھے۔ انہی حضرات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات شامل تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اگرچہ قبیلہ بنو اُمیہ کے مالدار اور معزز لوگوں میں سے تھے لیکن قبیلہ بنو اُمیہ کا بنو ہاشم کے ساتھ پرانی دشمنی اور بُغض آپ رضی اللہ عنہ پر مظالم کا سبب بنی اور آپ کے قبیلے نے مکہ میں ان کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔

اسی طرح حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ بنو حارث کے سب سے پہلے مسلمان تھے اسلئے تمام قبیلے والوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن جراح کو بہت لعن طعن کیا کہ دیکھو تمہارا بیٹا اپنا دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر چکا ہے اور تم مزے سے زندگی گزار رہے ہو، لہٰذا ان ظالموں نے اپنے سگے باپ کو بھی اپنے بیٹے کا دشمن بنا دیا اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پر ظلم کے پہاڑ ڈھا دیئے۔ اپنے گھر پر ہوتے تو والد کے ظلم و ستم اور لعن طعن سے تنگ آجاتے اور باہر نکلتے تو اپنے قبیلے والوں کی باتوں سے تنگ آجاتے البتہ آپ رضی اللہ عنہ جسمانی تکالیف اور اذیت سے تقریباً محفوظ رہے تھے۔ دوسری وجہ جو خاص طور پر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شروع سے جنگی امور کے ایک ماہر اور مایہ ناز قسم کے شمشیر زن اور ایک عظیم سپاہی تھے۔ دین اسلام کے مطالعے اور علم کے ساتھ ساتھ وہ میدان جنگ کے ایک عظیم سپہ سالار بھی تھے اسلئے ان کی ننگی تلوار کے سامنے آکر ان کو جسمانی تکالیف سے دوچار کرنا خود اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا کیونکہ آپ کی تلوار کی ایک طرف موت اور دوسری طرف حیات تھی، تب کسی کی ہمت نہیں تھی کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان کو جسمانی سزا دیتے بالکل اسی طرح کی حالت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اسلام لانے کی بعد تھی۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ آپ کے سامنے آئے اور جسمانی اذیت پہنچائے۔ ان تمام حالات کے باوجود حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر بار کو خیرباد کہہ کر زیادہ تر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دارارقم میں گزارنے لگے اور یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آنے والی مصیبتوں اور غموں میں برابر کے شریک رہے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ اور مسلسل محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے قبیلے سے ابوسیرہ بن ابی ارہم رضی اللہ عنہ اور سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کو بھی دائرۂ اسلام میں داخل کر دیا اور یہی دو حضرات ہجرتِ حبشہ اول میں بھی شریک تھے۔ ابوسیرہ بن ابی ارہم رضی اللہ عنہ کا اپنا نام حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ تھا۔ یہی وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں کافی شبہات ہیں۔ بعض مورخین نے ابوسیرہ بن ابی ارہم رضی اللہ عنہ اور حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ کو الگ الگ صحابی رضی اللہ عنہ لکھا ہے اس لیے انہوں نے مہاجرین حبشہ کی تعداد سولہ لکھی ہے۔

اسی سال رمضان شریف میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار حرم تشریف لے گئے وہاں قریش کا بہت بڑا مجمع تھا جن میں بڑے بڑے سردار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باآواز سورۃ نجم کی تلاوت شروع کر دی تو کفار پر غنودگی طاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ

کے آخر میں دل ہلا دینے والی آیات تلاوت فرما کر اللہ کا یہ حکم سنایا:

فاسجُدُوا للہ واعبدوا

''اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔''

اور اس کے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو اہل قریش میں کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور سب کے سب بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ کلام الٰہی کے جلال نے ان کی لگام موڑ دی اور وہ ٹھیک وہی کام کر بیٹھے، جسے مٹانے اور ختم کرنے کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا تو انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لئے یہ جھوٹ گھڑا کہ یہ سجدہ انہوں نے اپنے بتوں اور دیوتاؤں کی عزت و تکریم میں کیا تھا۔

بہر حال مشرکین مکہ کے اس سجدہ کرنے کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو بھی معلوم ہوئی لیکن اپنی اصل روپ سے ہٹ کر، یعنی انہیں یہ معلوم ہوا کہ قریش سارے کے سارے مسلمان ہو گئے ہیں۔ لہٰذا مہاجرین نے ماہ شوال میں مکہ واپسی کی راہ لی لیکن جب مکہ کے قریب آئے تو حقیقتِ حال آشکارا ہوئی۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو سیدھے حبشہ واپس لوٹے اور کچھ لوگ قریش کے کسی آدمی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔

اس کے بعد ان مہاجرین پر خصوصاً اور باقی مسلمانوں پر عموماً ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور اہل قبیلہ نے خوب ستایا کیونکہ قریش کو ان کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک کی جو خبر ملی تھی وہ ان پر بہت گراں گزری تھی۔ لہٰذا اس بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صاف ہجرت کا حکم دیا۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے تو اس بار آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا اِرادہ فرمایا اور اپنا سامان سفر درست کیا۔ حبشہ کی ہجرت ثانی میں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے باقی تمام صحابہ شامل تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے منع فرمایا تھا۔

کفار کو جب مسلمانوں کی ہجرت کا پتہ چلا کہ اب تقریباً سارے مسلمان ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو انہوں نے راستہ روکنے کی بہت کوششیں کیں کیونکہ اُن کو شبہ تھا کہ اگر مسلمان حبشہ چلے گئے تو وہ ہمارے مظالم سے محفوظ ہو کر اپنے دین کی اشاعت کریں گے۔ اِسی وجہ

سے انہوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان بخیر و عافیت ملک حبشہ پہنچ گئے۔ اس قافلہ میں مسلمانوں کے ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتیں تھیں۔ (طبقات ابن سعد)

اس ہجرت سے مسلمانوں کو کافی سکون ملا اور بہت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے مگر قریش مسلمانوں کو آرام سے کہاں بیٹھنے دیتے تھے اس لیے اُنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مختلف قسم کے حیلے اور منصوبے تیار کرنا شروع کر دیئے۔

مشرکین مکہ نے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا و تحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے پناہ گزین مسلمانوں کو وہاں سے نکال دے۔ اس وفد کے ارکان عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے۔ یہ دونوں حبشہ پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضری سے قبل درباریوں سے ملے اور فرداً فرداً ہر ایک کو تحفہ دے کر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کیا ہے جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ ہم ان کو پکڑنے آئے ہیں اس لیے آپ کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور میں عرض گزار ہوں تو برائے مہربانی آپ ہماری تائید فرمائیں اور ان کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں باریاب ہو کر ہدایا پیش کیے اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر ایک نیا مذہب اختیار کیا ہے جو ہمارے اور آپ دونوں کے مذہب کے خلاف ہے۔ اس لیے ہم عرض گزار ہیں کہ ان تمام لوگوں کو ہمارے حوالہ کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔ درباری تو پہلے سے تحائف لے کر راضی ہو چکے تھے اس لیے اُنہوں نے پرزور طریقے سے تائید کی کہ بے شک یہ لوگ ان لڑکوں کی نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہیں اس لیے ان لوگوں کو ان کے حوالہ کر دینا مناسب ہے۔

نجاشی اپنے درباریوں اور وفد والوں کی باتیں سن کر بہت برہم ہو گیا اور کہا کہ جب تک میں خود ان لوگوں کو بلا کر تحقیقات نہ کر لوں گا، اُس وقت تک میں اپنے مہمانوں اور پناہ گزینوں کو ہرگز حوالہ نہیں کر سکتا البتہ اگر وہ تمہارے بیان کے موافق ہو تو مجھے حوالہ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہیں لے جا سکتے ہو اور وہ جب تک ہماری پناہ میں رہیں گے

وہ ہمارے مہمان ہیں ان کو مکمل آزادی ہو گی۔

چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ چونکہ یہ واقعہ مسلمانوں کے لیے بالکل نیا تھا اس لیے وہ کافی پریشان ہو گئے اور سوچنے لگے کہ کیا جواب دینا چاہیے مگر آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ جو کچھ ہے صحیح صحیح بیان کر دیں گے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔

جب یہ لوگ حاضر ہو گئے تو نجاشی نے پوچھا : ''تمہارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کیا ہے اور اس مذہب میں کیا ہے، جو ہم سب کے مذہب سے اعلیٰ اور نرالا ہے''۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر تقریر کی اور فرمایا : بادشاہ سلامت! ہم جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے مردار خور تھے، فواحش میں مبتلا تھے، پڑوسیوں کے حقوق سے ناواقف تھے رشتہ داری کا پتہ تک نہیں تھا، قطع رحمی کرتے تھے، اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے، ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمایا جس کا صدق، امانت اور نسب و نسل ہم جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے آباء و اجداد کے دیوتاؤں کی عبادت چھوڑ دیں، اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، حرام باتوں اور خونریزی سے محفوظ رہنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا، فواحش اور جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور خدائے واحد کی عبادت کرنے اور اس میں کسی کو شریک نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم نے ان کی باتوں کو مانا اور سر جھکا کر تسلیم کیا ہے اور ان پر ایمان لا چکے ہیں۔ اب جب ہم نے شرک چھوڑ دیا اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام مانا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی کہ ہم اپنے خدا کی عبادت چھوڑ کر دوبارہ بتوں کی عبادت شروع کر دیں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

نجاشی نے کہا خدا کا کلام یاد ہے؟ تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں! یاد ہے۔ نجاشی نے سننے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کے ابتدائی آیات تلاوت کیں جس کو سن کر نجاشی اور اُس کے درباری اس قدر متاثر ہوئے کہ رو رو کر ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور نجاشی نے کہا کہ یہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا مذہب ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔

نجاشی نے پھر عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالے نہیں کیے جاسکتے۔ جب یہ دونوں ناکام ہوگئے تو مشرکین نے دوسری تدبیر سوچی اور وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں اور مسلمان اللہ کا بندہ کہتے ہیں۔ ان کے اس عقیدے کا اثر نجاشی پر پڑے گا۔ غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اگر آپ کو ہماری باتوں پر یقین نہیں ہے تو آپ ان کو بلا کر ان سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اپنا عقیدہ دریافت کریں۔

نجاشی نے عمرو بن العاص کے کہنے پر مسلمانوں کو اگلے دن پھر دربار میں بلایا اور سوال کیا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کی رو سے وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول تھے لیکن اُن کی والدہ حضرت مریمؑ کو کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا تھا یعنی وہ کنواری تھی لیکن خدا نے ان کے بطن سے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کیا تھا۔ جنہیں دوسرے انبیاء کے ساتھ مانے بغیر خدا کے حکم کے مطابق کوئی مسلمان درحقیقت مسلمان نہیں ہوسکتا۔ نجاشی نے جواب سن کر زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اُٹھایا اور کہا جو تم کہتے ہو حضرت عیسیٰؑ اس تنگے سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں تھے اور کہا کہ مجھے یقین ہے کہ تمہاری طرف خدا نے جو نبی بھیجا ہے، یہ وہی خدا کا آخری نبی ہیں جس کا ذکر انجیل مقدس میں آیا ہے، لہٰذا تم لوگ جب تک چاہو، یہاں امن وامان اور آرام سے رہو۔ اس طرح پورے دربار میں خاموشی طاری ہوگئی اور قریش کی سفارت ناکام رہی۔ (سیرت ابن ہشام، البدایہ والنہایہ)

☆☆☆

ہجرت حبشہ ثانی کے بعد مکہ کی فضا ظلم وستم کے ان سیاہ بادلوں سے بھری پڑی تھی کہ اچانک ایک بجلی چمکی اور مسلمانوں کا راستہ روشن ہوگیا، یعنی حضرت حمزہؓ مسلمان ہوگئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ نبوت کے چھٹے سال ماہ ذی الحجہ کا ہے۔ حضرت حمزہؓ چونکہ قریش کے سب سے طاقتور اور مضبوط جوان تھے اس لئے ان کے اسلام سے مسلمانوں کو بہت بڑی عزت وقوت ملی۔

ظلم وطغیان کے ان سیاہ بادلوں کی فضاء میں ایک اور برق تابان کا جلوہ نمودار ہوا جس کی چمک پہلے سی بھی زیادہ خیرہ کن تھی، یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے صرف تین دن بعد کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان لانے کے لئے دُعا کی تھی۔ اُن کے ایمان لانے سے مسلمان دارارقم سے باہر نکل پڑے اور کھلے عام مسجد حرام میں نماز پڑھنے لگے اور اسی وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑ گیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے مسلمانوں کی حالت سنبھل گئی۔ اب قریش مسلمانوں پر بلا جھجک ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے اور جسمانی تکالیف سے بھی چھٹکارا مل گیا۔ ان حالات کے پیش نظر قریش نے نبوت کے ساتویں سال ماہ محرم میں ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب سے مکمل طور پر بائیکاٹ کیا جائے اور جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حوالے نہ کریں، ان سے شادی بیاہ، میل ملاقات، سلام کلام سب ترک کیا جائے۔ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے اور کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس نہ پہنچنے دی جائے۔ چنانچہ ایک عہدنامہ مرتب ہوا اور تمام رؤساء قریش نے اس پر قسمیں کھائیں۔ یہ عہدنامہ خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا اور مقاطعہ شروع ہوا۔

اس بائیکاٹ کی وجہ سے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب، سوائے ابولہب کے تین سال کے لئے شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ غلے اور سامان خورد ونوش کی آمد بند ہو گئی اور انہیں درختوں کے پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔

دوسری طرف مہاجرین حبشہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حبشہ میں اگرچہ نہایت چین وسکون کے ساتھ رہنے لگے تھے لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم کے شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے حالات سے لمحہ بہ لمحہ خبردار ہوتے رہے اور انہی خبروں نے انہیں بے چین کیا ہوا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے ۸۳ افراد کا یہ چھوٹا سا مہاجر قافلہ قریش کے آگے بے بس تھا اور صرف دُعاؤں کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

شعب ابی طالب کی سختیوں اور بڑھاپے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غمخوار چچا ابو طالب کی صحت کو جھنجھوڑ دیا تھا لہٰذا نبوت کے دسویں سال ماہ رجب میں ابوطالب اَسّی سال کی عمر میں انتقال کر

گئے۔ جناب ابوطالب کی وفات کے دو ماہ بعد یا صرف تین دن بعد علی الاختلاف الاقوال اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رض بھی رحلت فرما گئیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۶۵ برس تھیں۔

جناب ابوطالب کی وفات کے ساتھ ہی قریش کی مظالم کی انتہا نہ رہی حتیٰ کہ اب رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی مکہ میں رہنا محال ہو گیا لہٰذا ان حالات کے پیش نظر اس سال کا نام عام الحزن یعنی غموں کا سال پڑ گیا۔

اسی سال حضرت ابوبکر صدیق رض نے بھی قریش کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی ہجرت کا ارادہ فرمایا اور سخت پریشانی کی حالت میں مکہ سے نکل پڑے۔ راستے میں برک الغماد کے پاس قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ نے قریش مکہ سے آپ کی ضمانت لے کر واپس کر دیا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رض مکہ میں واپس آئے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا جناب ابوطالب کی وفات کے ساتھ ہی قریش کی مظالم کی انتہا نہ رہی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ مکہ سے مایوس ہو کر دین اسلام کی تبلیغ کے لئے طائف کی طرف نکل پڑے۔ سفر طائف کا واقعہ سنہ۔ ۱۰ نبوی ماہ شوال میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ طائف پہنچ کر وہاں کے سرداروں سے ملے۔ یہ بڑے مغرور و متکبر تھے۔ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو کافی برا بھلا کہا۔ جب رسول اللہ ﷺ سرداروں سے مایوس ہوئے تو اہل طائف کے لوگوں کو انفرادی طور پر دعوت دی لیکن طائف کے ان سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ ان اوباش لڑکوں نے سردار دو جہاں رسول اللہ ﷺ پتھروں کی بارش برسائی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ طائف سے باہر نکل آئے۔ ان اوباش لڑکوں نے شہر سے باہر تین میل تک رسول اللہ ﷺ پیچھا کیا اور پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پنڈلیوں سے بھی خون بہنے لگا حالانکہ پنڈلیوں کی نرم ہونے کی وجہ سے جلدی خون نہیں بہتا۔

سفر طائف کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک دلخراش واقعہ ہے جسے میں نے یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ داستان ابوعبیدہ میں اس کا ذکر کرنا شاید موجب تطویل ہو مگر اسے ذکر کئے بغیر بھی یہ داستان مکمل نہیں ہوتی۔ سفر طائف کے مصائب جناب رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام رض پر کفار کے مظالم کی آخری کڑی ہے۔ اس کے بعد باوجود پوری کوشش کے کفار مسلمانوں پر اجتماعی

ظلم وزیادتی نہ کرسکے۔

الغرض رسول اللہ ﷺ طائف میں زخموں سے چُور مطعم بن عدی کی ضمانت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ایک صاحب عقل کے لئے قریش کے مظالم کے بارے میں اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ قریش کے سب سے معزز خاندان بنو ہاشم کے سب سے معزز فرد اپنے ہی شہر میں ضمانت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے۔

☆☆☆

اگلے تین سال میں رسول اللہ ﷺ مسلسل دعوت وتبلیغ کی محنت سے مدینہ کے قبیلہ اوس اور خزرج کے چند نامور حضرات مسلمان ہوگئے۔ان لوگوں سے رسول اللہ ﷺ ملاقات حج کے موقع پر ہوگئی تھی۔نبوت کے تیرہویں سال حج کے موسم میں ان لوگوں کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ باقاعدہ مدینہ ہجرت کرنے کی دعوت دی۔رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات سے ایک بیعت لی جو تاریخ میں بیعت عَقَبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

بیعت عَقَبہ ثانیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف عام ہجرت کا اعلان کردیا۔مسلمانوں کی طرف سے جس شخص نے سب سے پہلے مکہ سے مدینہ ہجرت کی وہ ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد تھے۔وہ حبشہ سے واپس مکہ آئے تھے اور پھر بیعت عقبہ ثانیہ سے بھی پہلے مدینہ چلے گئے تھے۔ان کے بعد جملہ اہل اسلام یکے بعد دیگرے مکہ اور حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے چلے گئے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی ہجرتِ مدینہ میں مؤرخین کا اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ مکہ واپس آگئے تھے اور مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور بعض نے لکھا ہے کہ حبشہ سے سیدھا مدینہ کی طرف چلے گئے تھے۔وہاں قبا میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے پاس قیام کیا تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کی تو وہ بھی ان کے ساتھ ٹھہر گئے اور رسول اللہ ﷺ انتظار قبا میں کیا۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن ابی بکر بن حارث بن زرارہ بن مصعب بن عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اور عبدالعزیز بن محمد نے عبیداللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح ہجرت کے وقت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم کے پاس قبا میں

ٹھہرے تھے۔حضرت سالمؓ اُس زمانے میں حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام تھے۔(البدایہ والنہایہ)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن بشار، منذر اور شعبہ نے ابن اسحٰقؒ کے حوالے سے بیان کیا کہ براء بن عازبؓ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے قبل مصعب بن عمیرؓ اور ابن مکتومؓ نے ہجرت کی تھی اور اس کے بعد بلالؓ، سعیدؓ اور عمار بن یاسرؓ مکہ سے روانہ ہوئے، پھر حضرت عمرؓ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ہجرت کی۔

اوپر کی روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے مکہ سے ہجرت کی اور قباء پہنچ گئے تو حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح پہلے سے حضرت سالمؓ کے گھر میں قیام پذیر تھے۔یعنی حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح ہجرت کے حوالے سے بھی سابقین الاولین میں سے ہیں اور اسلام لانے کے حوالے سے بھی۔

☆☆☆

سنہ ۱۴ نبوی کے آغاز میں مکہ میں صرف رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور چند مجبور لوگ جنہیں زبردستی روکا گیا تھا، رہ گئے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ الٰہی کے منتظر تھے۔دوسری طرف جب قریش نے دیکھ لیا کہ مسلمان بخیر وعافیت مکہ سے نکل گئے تو ان میں بڑا کہرام مچا اور ۲۶ صفر سنہ۔۱۴ نبوی کو بمطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء جمعرات کے دن پہلے پہر کو مکہ کی پارلیمنٹ دارالندوۃ میں تاریخ کا سب سے شر انگیز اجتماع منعقد ہوا۔اس میں قریش کے تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی اور سارے بالآخر رسول اللہ ﷺ کے قتل پر متفق ہوئے۔ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ قریش کے ناپاک عزائم سے آگاہ کرتے ہوئے ہجرت کا حکم دیا۔

رسول اللہ ﷺ رات ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف نکل پڑے اور کفار کے سارے عزائم اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دیئے۔رسول اللہ ﷺ مدینہ کی مخالف سمت یمن کی طرف پانچ میل تک چل پڑے اور غار ثور میں تین راتیں گزاریں۔غار ثور کے قیام کے بعد بحر احمر کے ساحل کا راستہ لے کر مدینہ کی طرف چل پڑے اسی طرح مختلف مقامات سے گزر کر آخر کار قباء میں پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ جب قبا پہنچے تو کلثوم بن الہدم کے گھر میں ٹھہرے تھے اور یہ پیر کا دن ۸ ربیع الاول

سنہ ۔ ۱۴ نبوی تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے قبا میں باختلاف روایت کل چار دن یعنی پیر سے جمعرات تک ، یا دس سے زیادہ دن یا ۲۴ دن تک قیام فرمایا اور اسی دوران آپ ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی ۔ مسجد کی تعمیر میں وہاں موجود تمام صحابہ نے شرکت کی ۔ جس میں حضرت ابو بکرؓ ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ۔

قباء میں قیام کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے اور مدینے کی طرف چل پڑے صحابہ آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں ہمراہ تھے ۔ ہر مسلمان آپ ﷺ اپنے پاس رکنے کا کہتا مگر آپ ﷺ سے کلمہ خیر فرماتے اور ان کے لیے دعا کرتے جاتے اور فرماتے کہ اونٹنی کو منجانب اللہ حکم دیا گیا ہے لہٰذا اس کی راہ چھوڑ دو ۔ حتیٰ کی اونٹنی قبیلہ بنو نجار ۔ ۔ ۔ جو آپ ﷺ کے ماموں کا قبیلہ تھا ۔ ۔ ۔ جا کر رکی اور آپ ﷺ نے بنو نجار میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا ۔

ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے متصل زمین دو یتیم بچوں کی تھی جن کے نام سہل اور سہیل تھے ۔ انہوں نے بخوشی یہ زمین رسول اللہ ﷺ ہبہ کرنا چاہی لیکن آپ ﷺ نے اس کی قیمت ادا فرمائی اور وہاں مسجد نبوی تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا ۔ مسجد کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ نے بذات خود حصہ لیا ۔ ساتھ ہی مہاجرین اور انصار نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ جب تک لوگ ان میں نمازیں پڑھتے رہیں گے وہ حضرات جنہوں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا تھا ان کو برابر ثواب ملتا رہے گا جن میں حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح بھی شامل ہیں ۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصار کو حضرت انسؓ بن مالک کے گھر جمع ہونے کا حکم دیا ۔ پھر آپ ﷺ نے مہاجرین کو وہاں بلایا ۔ مہاجرین کی تعداد اُس وقت ۴۵ تھی ۔ تب آپ ﷺ نے خطاب فرمایا اور مختصر الفاظ میں انصار سے فرمایا کہ آج سے مہاجر تمہارے بھائی ہیں ۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجرین میں مواخات قائم کی ۔

سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو رسمی طور پر اپنا بھائی بنایا ۔ اس کے بعد حضرت حمزہؓ اور زیدؓ بن حارثہ کو بھائی بھائی بنایا ۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ اور خارجہؓ بن زید خزاجی ، پھر حضرت عمرؓ بن خطاب اور عتبانؓ بن مالک اور اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ بن

جراح اور سعدؓ بن معاذ کو بھائی بھائی بنا دیا۔اس کے بعد عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت زبیرؓ بن عوام، عثمانؓ بن عفان، طلحہؓ، سعیدؓ بن زید، مصعبؓ بن عمیر اور ابوحذیفہؓ کے بھائی مقرر کردیئے۔

مواخات کی اس ترتیب سے حضرت ابوعبیدہؓ کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عشرہ مبشرہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اولین مہاجرین میں بلایا اور قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذؓ کے ساتھ آپ کا بھائی چارہ قائم کیا۔ابن اسحٰقؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوطلحہ کو ابوعبیدہؓ کا بھائی قرار دیا تھا۔

ہجرت مدینہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی دوسری ہجرت تھی۔پہلی بار مکہ سے حبشہ جبکہ دوسری بار حبشہ سے مدینہ ہجرت کی۔ہجرت مدینہ کے وقت حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی عمر ۳۹ سال کے لگ بھگ تھی اور آپؓ کے خاندان سے کل چھ افراد نے اسلام قبول کیا تھا جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت سہیل بن بیضاءؓ، حضرت معمرؓ بن ابی سرح، حضرت عیاضؓ بن زبیر، حضرت عمروؓ بن حارث، عثمانؓ بن عبد غنم اور حضرت ابوسیرہؓ یعنی حاطبؓ بن عمرو۔

طبقات ابن سعد میں حضرت معمرؓ بن ابی سرح کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت معمرؓ بن ابی سرح کی دو بیویاں تھیں ایک بیوی حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی بہن تھی۔حضرت معمرؓ بن ابی سرح حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے قریبی رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ بہنوئی بھی تھے۔

☆☆☆

مہاجرین کا مقام کتنا بلند ہے؟ آیئے ہم قرآن کی رو سے دیکھتے ہیں کہ مہاجرین کون تھے اور ان کا مقام اللہ کے ہاں کتنا بلند ہے۔انسان کے لیے تھوڑے عرصے تک مصائب برداشت کرنا زیادہ دشوار نہیں چند دنوں کے لیے وہ مالی نقصان بھی اُٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتیں بھی برداشت کرسکتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر جان بھی دے سکتا ہے مگر جیتے جی ہمیشہ کے لیے اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کو چھوڑ کر جلاوطنی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا۔مہاجرینؓ کا سب سے بڑا اِیثار، سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا اشرف یہی ہے کہ وہ صرف اللہ اور رسول اللہ ﷺ خوشنودی کے لیے اپنے وطن، اپنے اہل وعیال اور مال ودولت سب کچھ چھوڑ کر بے خانماں ہوئے۔یہی وہ جذبہ ہے جس کی نظیر اقوام عالم کی تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے تو وہ تہی دست

تھے۔ کھانے پینے کا سامان نہ تھا، نہ بدن ڈھانکنے کو کپڑا، نہ سر چھپانے کو چھت، نہ کاروبار، نہ کوئی آسرا، الغرض ہر قسم کے مادی دولت سے محروم تھے لیکن ان کے دل ایمان، اللہ اور رسول اللہ ﷺ محبت اور ولولہ مذہب کی دولت سے معمور تھے اور یہی وہ صفات تھیں جن کی وجہ سے وہ لوگ دنیاوی زیب وزینت سے بے نیاز تھے اور رسول اللہ ﷺ خوشنودی اور رضامندی کو ہر چیز سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔

مدینہ طیبہ میں چند دن گزار کر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے دردوسُوز سے بھرپور چند اشعار کہے تھے جن کا ترجمہ ہے:

"کاش میں جانتا کہ کوئی رات وادی مکہ میں گذار سکوں گا اور میرے گرد ازخر اور جلیل (گھاس) ہوگی۔ اور کیا کسی دن مجنہ کے چشمے پر وارد ہوسکوں گا اور مجھے شامہ اور طفیل (پہاڑ) دکھلائی دیں گے۔"

ان اشعار سے ایک صاحب عقل بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ جب ملک حبشہ کا ایک غلام مکہ کی یاد میں اس قدر غمگین تھا تو جن کا آبائی وطن مکہ تھا اُن کا کیا حال ہوگا۔ لیکن انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفات قرآن پاک میں خود بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ سورۂ الحشر میں مہاجرین کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ: "(مالِ غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا حق بھی ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد و دولت سے محروم کر دیئے گئے اور خدا کے فضل اور رضامندی کے طلبگار ہیں اور اُس کے رسول ﷺ مدد کرتے ہیں، یہی ہیں راست باز لوگ۔" (الحشر:۸)

ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ان کی تعریف کی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ کیوں نکالے گئے ہیں اور ان کا قصور کیا تھا:

ترجمہ: "وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں نہ پٹواتا تو کلیسے اور

گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے گرا دیئے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا، بیشک اللہ قوت والا اور غالب ہے۔ یہ لوگ (مہاجرین) اگر ہم ان کو حکومت دے کر زمین پر قادر کریں تو یہ نمازیں پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کام کے لیے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے اور انجام خدا ہی کے لیے ہے۔'' (الحج: ۴۱،۴۰)

ان قربانیوں کے صلہ میں انہیں دنیا و آخرت کی سب سے بیش قیمت نعمت حاصل تھی اور وہ نعمت تھی رضائے الٰہی اور اس کی رحمت۔ درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ خدا کے نزدیک سب سے بلند تر لوگ تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں، ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائشیں ہیں اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (التوبہ: ۲۰۔۲۲)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی ایک شان یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی راہ میں لٹاتے ہیں، ایک اور آیت میں نہ صرف مہاجرین کے لیے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے بھی ایسے انعامات کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

ترجمہ: ''اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا، اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہیں اور ان کے لیے ایسے باغات تیار کرائے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔'' (التوبہ: ۱۰۰)

ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ رحمت الٰہی سے ناامید نہیں ہوتے اس لیے مہاجرین ہمیشہ اس کی رحمت کے اُمیدوار رہتے تھے۔

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (البقرہ: ۲۱۸)

اللہ ان کی اس اُمید رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہوں کو در گزر کرے گا اور ان کی خطائیں ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دے گا۔

ترجمہ : ''پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے اور میرے راستے میں تکلیفیں پہنچائیں گئیں اور لڑے اور مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو مٹا دیں گے اور ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔''
(آل عمران: ۱۹۵)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ اللہ ان کی ہجرت کا صلہ دنیا میں بھی عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی اُن کو سرفراز فرمائے گا۔

ترجمہ: ''اور جن مسلمانوں نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی، ان کو ہم دنیا میں بھی ضرور اچھی جگہ بٹھائیں گے اور آخرت کا اجر اس سے بھی بڑا ہے۔ کاش وہ لوگ جانتے۔'' (النحل: ۴۱)

مہاجرین نے راہ خدا میں تمام مصیبتیں اور تکلیفیں اُٹھائیں ہر طرح کی جسمانی اور رُوحانی تکالیف برداشت کیں مگر آبرو پر شکن تک نہ آئی اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس استقامت اور صبر کا صلہ دنیا و آخرت میں دیا ہے۔

ترجمہ: ''پھر اللہ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا اور صبر کیا بے شک تمہارا رَب بخشنے والا مہربان ہے۔''
(النحل: ۱۱۰)

اسی طرح ایک اور موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو انعام و اکرام سے نوازا ہے۔

ترجمہ: ''جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر شہید ہو گئے یا مر گئے۔ ان کو اللہ ضرور اچھا رزق دے گا، بے شک خدا ہی روزی دینے والوں میں بہتر روزی دینے والا ہے، وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جن سے وہ لوگ خوش ہو جائیں گے۔'' (الحج: ۸۴)

تنگدستی اور مصیبت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جاتی ہیں اور احباب کنارہ کش ہو جاتے ہیں عین اُسی وقت مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا، اللہ نے اس کے عوض ان

پر اپنا فضل وکرم کیا۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور ان مہاجرین وانصار پر اپنا فضل وکرم کیا جنہوں نے عسرت کی گھڑیوں میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔'' (التوبہ:۱۱۷)

اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے فضل وکرم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صاحب مقدور مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی ہدایت بھی فرمائی اور اس کو موجب مغفرت قرار دیا۔

ترجمہ: ''تمہارے صاحب مقدور لوگ قرابت والوں اور محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھالیں بلکہ چاہیے کہ ان کی خطاؤں کو معاف کردیں اور ان سے درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (النور:۲۲)

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور کسوٹی ہے اس سے مؤمنین اور منافقین میں امتیاز ہوتا ہے یعنی اللہ نے ہجرت کو اسلام اور نفاق کے بیچ ایک امتیازی نشان مقرر کیا۔

ترجمہ: ''جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ میں ہجرت نہ کرجائیں اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔'' (النساء:۸۹)

مسلمانوں میں صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہیں جنہوں نے راہ خدا میں گھر بار چھوڑا اور اس کی راہ میں جان ومال سے جہاد کیا یا جنہوں نے مہاجرین کی مدد کی، اللہ نے صرف مہاجرین کی تعریف نہیں کی بلکہ ان لوگوں کو بھی مسلمانوں کا دوست قرار دیا ہے جنہوں نے مہاجرین کی مدد کی۔

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنی جان ومال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''(الانفال:۷۲)

وراثت کے لیے تنہا ایمان کافی نہیں ہے بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے ورنہ وارث مورث کی وراثت نہیں پا سکتا۔

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی وراثت سے

کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں۔'' (الانفال: ۷۲)

ایمان کی پختگی کا دارومدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے۔

ترجمہ: ''جولوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں اور ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔'' (الانفال: ۷۴)

مذکورہ بالا آیات کو سامنے رکھ کر ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مہاجرین کون تھے اور اللہ کے ہاں ان کی قدر و قیمت کیا تھی۔

☆☆☆

آئیے اب احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں ہجرت کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ احادیث میں بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر مہاجرین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔''

ہجرت حفاظت دین کی خاطر کی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا، یہ مؤمنین کے لیے اس وقت تھی جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے۔

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے اور وہی لوگ ہجرت کر سکتے ہیں جو اپنے دین و اعتقاد میں نہایت مضبوط ہوں۔

ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر ہجرت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، ہجرت بہت ہی سخت (چیز) ہے۔

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، پس جس نے دنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے

لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت ان چیزوں کے لیے ہی ہوگی اور جس نے اللہ اور رسول ﷺ کے لیے ہجرت کی، اس کی ہجرت اللہ اور رسول ﷺ خوشنودی کے لئے ہوگی۔

چونکہ مہاجرین رضی اللہ عنہم اپنے وطن کو خالصۃ لوجہ اللہ چھوڑ کر آئے تھے اس لیے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے، اور وہاں آکر بیمار پڑ گئے۔ حالت نازک ہوئی تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ میں ہی انتقال نہ ہو جائے۔

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تاباں ہوں گے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ طلوعِ آفتاب کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن میری اُمت کے کچھ لوگ (قبروں سے) اس طرح اُٹھیں گے کہ ان (کے چہروں) کا نور سورج کی روشنی جیسا ہوگا۔ ہم لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: فقراء مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور تمنائیں سینوں میں لیے ہوئے دُنیا سے اٹھتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے مختلف قطعوں سے اُٹھائیں جائیں گے"۔

مہاجرین کے لیے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میری اُمت کے اُس گروہ کو جانتے ہو جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے؟ وہ فقراء مہاجرین ہوں گے، قیامت کے روز جنت کے دروازوں پر آکر باب جنت کھلوانا چاہیں گے۔ دربان سوال کریں گے کہ تمہارا حساب ختم ہو چکا ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ میں ہماری تلواریں ہمارے کندھوں کی زینت بنی رہیں اور اسی حالت میں ہم نے جان دے دی۔ اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور عام لوگوں کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے۔

مہاجرین کسی بھی حال میں اسلام کی خدمت سے روگردانی نہیں کرتے تھے۔ فاقوں پر

فاقے ہوتے مگر ان کی جان فروشی میں فرق نہ آتا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر علی الصباح کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے، چنانچہ اس موقع پر ایک دن صبح سویرے رسول اللہ ﷺ نکلے تو یہ منظر دیکھا۔

رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار سردی کے موسم میں صبح کے وقت خندق کھود رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی خادم نہیں ہے جو اس کام کو سرانجام دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر یہ دُعا فرمائی۔ خدایا! اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما۔ (بخاری جلد ۳ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق)

مہاجرین کی سب سے بڑھ کر ایک فضیلت یہ بھی تھی کہ ان میں کوئی منافق نہ تھا بلکہ نفاق انصار کے قبیلوں میں ظاہر ہوا، جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا اور اس میں اوس وخزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہو گئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہو گئے تو قرب وجوار کے بعض منافقین بھی خوف اور جان بچانے کی غرض سے بظاہر اسلام لے آئے حالانکہ وہ دل سے اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ملتا ہے مکی سورتوں میں نہیں ہے کیونکہ جو لوگ ہجرت سے قبل مکہ میں اسلام لائے تھے، ان میں کوئی بھی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ ایمان لائے تھے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے تھے اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ کو ان کے اہل وعیال اور ان کے مال ودولت سے زیادہ محبوب تھا۔ (منہاج السنۃ۔ علامہ ابن تیمیہؒ)

☆☆☆

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث کو پڑھ کر ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مہاجرین کا مقام کیا تھا اور یہاں سے ہم بہ آسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کتنے جلیل القدر صحابی ہیں جو نہ صرف اسلام کے حوالے سے سابقین اولین میں سے ہیں بلکہ ہجرت کے حوالے سے بھی سابقین اولین میں سے ہیں۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ساری آیات اور احادیث مبارکہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے حق میں بیان کی گئی ہیں۔ جنہوں نے ہجرت کی، اپنے مال اور اہل وعیال کو

چھوڑا، پھر جہاد کیا اور ہمیشہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحبت میں رہے۔ سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کے شریک رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کو ہر چیز پر فوقیت دی۔ تب ہی تو دنیا میں جنت کے مستحق بنے۔

یہاں ہم یہ بھی ذکر کرتے چلیں کہ مہاجرین میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جن کے اہل وعیال موجود تھے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ میں آباد ہو گئے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کیا اور دوسرا وہ جن کا کوئی نہیں تھا یا غیر شادی شدہ تھے یا ان کے اہل وعیال غیر مسلم تھے بہر حال جو مہاجرین اکیلے تھے وہ خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحبت میں رہے۔

وہ مہاجرین جن کے اہل وعیال نہیں تھے اور اکیلے ہجرت کر کے آئے تھے ان کے لیے مسجد نبوی میں ایک چبوترا سا بنایا گیا اور وہاں پر آباد ہو گئے یعنی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد خاص بن گئے۔ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث مبارکہ سنتے اور قرآن کا جو حصہ نازل ہوتا تھا وہ یاد کر لیتے تھے۔ ان لوگوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔

صفہ عربی زبان میں سائبان یا چبوترے کو کہا جاتا ہے یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کی ایک جانب بنایا گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے اکثر تو مشاغل دینیہ کے ساتھ ساتھ اپنے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور ان جیسے صحابہؓ کی ایک محدود تعداد (جن میں احادیث کے سب سے بڑی راوی حضرت ابوہریرہؓ بھی شامل تھے) نے اپنی زندگی صرف عبادات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحبت کی نذر کی تھی، ان لوگوں کے بیوی بچے نہیں تھے تاہم ان میں سے جو شخص شادی کر لیتا یا اپنا گھر بسا لیتا تو اس حلقہ مخصوص سے نکل جاتا تھا البتہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات طیبہ میں اس جماعت سے وابستہ رہے۔

یہ حضرات دن کے اوقات میں بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہو کر احادیث سنتے اور یاد کرتے اور رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ ان کے پاس جسم ڈھانپنے کے لئے دو چادریں تک نہیں ہوتی تھیں۔ ایک ہی کپڑے کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک آجاتی۔ اکثر انصار کھجور کے خوشے لا کر مسجد نبوی میں لٹکا دیتے۔ یہی صحابہ اس میں سے کھا لیتے تھے۔ بار ہا ایسا بھی ہوا کہ دو دو دن تک کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آ کر نماز میں شریک ہوتے لیکن بھوک کی شدت سے نماز میں ہی گر جاتے اور بے ہوش ہو جاتے۔

عبادات میں اس قدر منہمک ہوتے تھے کہ اُن پر دیوانوں جیسا گمان ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت خیال رکھتے تھے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیتے اور اگر دعوت کا کھانا ہوتا تو ان کو بلا لیتے اور ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرما لیتے تھے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مہاجرین اور انصار کے ساتھ بھیج دیا کہ وہ لوگ اپنی استطاعت کے مطابق ان کو کھانا کھلائیں۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ نہایت فیاض اور دولتمند صحابی تھے وہ کبھی کبھار اسّی تک اصحابہ صفہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور کھانا کھلاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس اہل صُفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ ان کے بدن پر چادریں نہیں ہوتی تھیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ میں ایک ایک شخص کو تلاش کر کے بیدار کرنے لگا یہاں تک کہ سب کو جمع کیا۔ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ایک پیالہ رکھا جس میں جو سے تیار شدہ ایک خوراک تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک رکھا اور فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ ہم لوگوں نے اس میں سے جتنا چاہا کھایا۔ سیر ہونے کے بعد جب ہم فارغ ہوئے تو کھانا ویسا ہی رہا سوائے اس کے کہ اس میں انگلیوں کے نشان رہ گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے ایک غلام کی فرمائش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری بیٹی میں نہیں چاہتا کہ اصحاب صفہ بھوکے سوئیں اور میں تمھیں کچھ دے دوں۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اصحاب صفہ کی کتنی محبت تھی۔ اصحاب صفہ کی تعداد کے بارے میں مختلف آراء ہیں بعض نے ۹۸ لکھا ہے تو بعض نے ۱۱۳ شمار کئے ہیں۔ بعض مؤرخین نے اصحاب صفہ کی کل تعداد ۴۰۰ تک لکھی ہے لیکن یہ اصحاب صُفہّ کی مجموعی تعداد ہے اس لئے کہ بیک وقت اصحاب صُفہ کی تعداد نہ تو اتنی زیادہ تھی اور نہ ہی اس چھوٹے سے چبوترے میں اتنے زیادہ افراد سما سکتے تھے۔

سیدنا ابوعبیدہؓ بن جراح نے رسول اللہ ﷺ رحلت تک تقریباً پوری زندگی اصحاب صفہ کے ساتھ گزاری۔ صحبت رسول کی وجہ سے آپؓ کو رسول اللہ ﷺ سے کافی کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ دن کے وقت احادیث اور قرآن کریم کا جتنا حصہ سنتے اس کو یاد کر لیتے تھے اور پھر رات کو نوافل میں اُس کی تلاوت کرتے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہؓ نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ رسول اللہ ﷺ صحبت میں گزارا، چاہے وہ سفر ہو یا حضر، حالت جنگ ہو یا زمانہ امن، ہر حال میں وہ رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ رہے۔

الغرض سابقین اولین کے ساتھ ساتھ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح اہل صفہ کے فضائل میں بھی شریک ہیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے اصحاب صفہ میں رہ کر بہت کچھ سیکھا اور تقریباً ہر حدیث رسول اللہ ﷺ سے بذات خود سنی کیونکہ ان کا کام ہی قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کو سیکھنا اور یاد کرنا تھا۔ اس لیے جہاں بھی کسی حافظ یا عالم کی ضرورت پڑتی تو رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ میں سے کسی ایک کو بھیج دیتے کیونکہ وہ سب کے سب حافظ، قاری اور عالم دین تھے۔

حضرت حذیفہؓ بن یمان سے روایت ہے کہ ایک بار اہل نجران بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایک ایسا آدمی بھیج دیجئے جو امین (امانتدار) ہو تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ضرور تمہارے پاس ایک امین بھیجوں گا، جو سچا امین ہوگا، جو سچا امین ہوگا، جو سچا امین ہوگا۔ اس کو تین مرتبہ دہرایا۔ اصحاب رسول اس امین بندے کے منتظر رہے تو لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو بھیجا۔ (طبقات ابن سعد)

یہی روایت ایک دوسری جگہ قدرے تفصیل کے ساتھ درج ہے کہ اہل نجران کے چند عیسائی رسول اللہ ﷺ خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ ہمارے ساتھ ایک ایسے آدمی کو بھیج دیجیئے جو ہمارے قبیلے کو اسلام سکھائے اور جو بہت زیادہ امین ہو، تاکہ لوگوں سے جزیہ بھی وصول کرلے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ظہر کے وقت آئیے میں آپ کے ساتھ ایک ایسے آدمی کو بھیج دوں گا جو قرآن کا عالم اور سب سے زیادہ امین ہوگا۔ حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں یہ سن کر میں بہت تعجب کا شکار ہوا کہ یہ خوش قسمت اور امین بندہ کون ہوگا۔ لہٰذا میں صلوٰۃ ظہر کے لئے بہت جلدی آ گیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بالکل قریب بیٹھ گیا کہ شاید وہ خوش

قسمت میں ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پہلے اپنے دائیں طرف دیکھا اور پھر بائیں طرف دیکھا۔ حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی گردن اونچی کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ شاید امین الامت کا لقب مجھے مل جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو عبیدہ کہاں ہے؟ سیدنا ابوعبیدہؓ نے لبیک کہتے ہوئے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ حاضر ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ابوعبیدہؓ! آپ ان لوگوں کے ساتھ جائیں اور انہیں صراط مستقیم کی طرف دعوت دیں اور ان سے جزیہ جمع کر لیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امین الامت کا خطاب دیتے ہوئے فرمایا:

"ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراحؓ ہیں۔"

(صحیح بخاری)

حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ اُس دن سے مجھے ابوعبیدہؓ کی فضیلت معلوم ہوئی جو کہ ابوعبیدہ کے لئے ایک بڑی اعزاز کی بات تھی۔

☆☆☆

امین الامت ابوعبیدہؓ بن جراح نے اپنی زندگی تو رسول اللہ ﷺ کے لیے وقف کر رکھی تھی لیکن یہ محبت یک طرفہ نہ تھی بلکہ حضرت ابوعبیدہؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے محبوب ترین لوگوں میں شامل تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن شقیق سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ ارشاد فرمایا حضرت ابوبکر صدیقؓ، پھر حضرت عمرؓ اور اس کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح۔ میں نے پوچھا، پھر کون؟ تو آپؓ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش ہی رہی۔ (سنن ابن ماجہ)

امین الامت ابوعبیدہؓ کے لئے کتنی بڑی سعادت کی بات ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد تیسرے نمبر پر رسول اللہ ﷺ کے محبوب ترین صحابی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ بھی حضرت ابوعبیدہؓ سے بے حد پیار اور عزت سے پیش آتے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بذات خود بھی حضرت ابوعبیدہؓ کا بہت خیال رکھتے تھے اور

پسند فرماتے تھے اور ان کی بہت قدر کرتے تھے۔

آپ کے حسن اخلاق کے بارے میں حضرت مبارک بن فضالہ حضرت حسنؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح ایسے شخص ہیں جن کے اخلاق کے بارے میں کوئی کلام نہیں۔ (المستدرک، معرفۃ الصحابہ)

یعقوب بن سفیان بحوالہ حسن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہؓ کے اعلی اخلاق کے بارے میں فرمایا: میں اگر چاہوں تو اپنے ہر ساتھی کی کوئی اخلاقی گرفت کرسکتا ہوں لیکن ابوعبیدہ بن جراح اس سے مستثنیٰ ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری امت میں سب سے زیادہ شفیق اور مہربان ابوبکر صدیقؓ، دینی معاملات میں سب سے زیادہ سخت عمرؓ، حیا کے معاملے میں سب سے زیادہ عثمانؓ، کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری اُبی بن کعبؓ، علم الفرائض کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت زیدؓ بن ثابت، حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم حضرت معاذؓ بن جبل ہیں اور سن لو! ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمت کے امین حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح ہیں۔ (سنن ترمذی، کتاب المناقب)

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صحابہؓ امین تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ صرف حضرت ابوعبیدہؓ کے بارے میں فرما کر ان کی شخصیت کو ممتاز کر دیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابوعبیدہؓ کے اخلاق کے بارے میں کوئی کلام نہیں یعنی وہ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ کے اخلاق میں خدا ترسی، اتباع سنت، تقویٰ، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں۔ خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ اکثر خدا کی ہیبت وجلال کو یاد کر کے چشم پرنم ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا، دیکھا تو زار وقطار رو رہے تھے اس نے متعجب ہو کر پوچھا، ابوعبیدہؓ! ''خیریت تو ہے، یہ رونا کیسے؟'' کہنے لگے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی آئندہ فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا: اے ابوعبیدہؓ! اگر اس وقت تمہاری عمر وفا کرے تو

تمہارے لیے صرف تین خادم کافی ہوں گے، ایک خاص تمہاری ذات کے لیے، ایک تمہارے اہل وعیال کے لیے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لیے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں ایک تمہارے لیے، ایک غلام کے لیے اور ایک اسباب وسامان کے لیے، لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ آہ! میں رسول اللہ ﷺ کیا منہ دِکھاؤں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو مجھے اسی حالت میں ملے جس حال میں میں اُسے چھوڑ جاؤں گا۔ (مسند جلد ا صفحہ ۱۹۶)

یہ تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی عاجزی، تواضع اور منکسر المزاجی تھی کہ وہ اپنے حال پر رو رہے تھے حالانکہ وہ ذرا بھر بھی تبدیل نہیں ہوئے تھے جس حال میں رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا تھا اسی حال میں رہے تھے۔ وہی سادگی، وہی انکساری، وہی عاجزی تھی۔ آپ کی عاجزی اور انکساری کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملکِ شام تشریف لائے تو آپ نے دریافت کیا: میرا بھائی کہاں ہے؟ لوگوں نے پوچھا: کون؟ تو آپ نے فرمایا ابوعبیدہ بن جراح۔ لوگوں نے عرض کی، وہ ابھی تھوڑی ہی دیر میں پہنچ جائیں گے۔ جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کے پاس حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہی عرب کی سادگی تھی۔ بدن پر سادہ کپڑے اور سواری اونٹنی کی، جس کی نکیل بھی معمولی رسی کی تھی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بہت خوش ہوئے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ذرہ بھر بھی نہیں بدلے ہیں پھر جب آپ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی دیکھی۔ گھر میں تلوار، تیروں کا ترکش اور اونٹ کے گجاوے کے سوا کوئی سامانِ راحت نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابوعبیدہ! کاش تم ضروری سامان تو اپنے پاس رکھ لیتے۔ لیکن جواب میں اس بے نیاز صحابی رسول ﷺ نے جواب دیا، امیر المؤمنین! ہمارے لیے بس یہی کافی ہے۔ اس کے بعد امیر المؤمنین نے کھانے کے متعلق پوچھا کہ مجھے کچھ روٹی کھلاؤ۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے پیش کیے۔ یہ مناظر دیکھ کر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہو گئے اور روتے ہوئے ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: ”دنیا کے اس دھوکے نے سب کو بدل ڈالا، سوائے ابوعبیدہ کے۔“

☆☆☆

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی فتوحاتِ شام کے تفصیلی واقعات آگے بیان ہوں گے البتہ یہ چند واقعات

جس کا تعلق آپ کے اخلاق اور کردار سے تھا ضروری سمجھا کہ یہاں بیان کئے جائیں تا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی کی سیرت کا پتہ چلے کہ وہ جب اصحاب صفہ میں تھے تو کیسی زندگی گزار رہے تھے اور جب ان کی سپہ سالاری میں مسلمانوں نے سلطنت روم جیسی سپر پاور کو شکست دی تب کیسی زندگی گزار رہے تھے۔

امین الامت رضی کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہوں نے باوجود سپہ سالار اعظم ہونے کے جاہ وحشم سے کوئی سروکار نہیں رکھا جب بھی کوئی سفیر یا قاصد آتا تو اُس کو سپہ سالار (ابوعبیدہ رضی) کی شناخت میں دِقت پیش آتی تھی۔ ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہاں سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بالآخر اس نے گھبرا کر پوچھا۔ آپ لوگوں کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی بن جراح کی طرف اشارہ کیا کہ یہی ہمارے سردار ہیں۔ وہ قاصد پہلے سے بھی زیادہ حیران ہوا جب دیکھا کہ ایک نہایت معمولی وضع قطع کا ایک عرب فرش خاک پر بیٹھا تیروں کو الٹ پلٹ کر ہتھیاروں کا معائنہ کر رہا ہے۔ رومی سفیر نے بڑی تعجب کے ساتھ پوچھا کیا مسلمانوں کے سالار آپ ہیں؟ آپ رضی نے جواب دیا۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ رومی سفیر نے کہا اگر آپ قالین پر تشریف فرما ہوتے تو اچھا نہ ہوتا؟ آپ نے خود کو کیوں ان نعمتوں سے محروم رکھا ہوا ہے؟ حضرت ابوعبیدہ رضی نے جواب دیا" دراصل میری ضرورت کا سامان زیادہ سے زیادہ تلوار، گھوڑا اور دیگر چند ہتھیار ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ مجھے کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو میں اپنے مسلمان بھائیوں سے قرض لے لیتا ہوں۔ اسی طرح اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ مجھ سے لے لیتے ہیں۔ جہاں تک قالین کی بات ہے تو میں اس پر کیسے بیٹھ سکتا ہوں جبکہ میرے دیگر بھائی زمین پر بیٹھتے ہیں۔ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ زمین پر بیٹھتے ہیں، زمین پر چلتے ہیں، اسی پر بیٹھ کر کھا پی لیتے ہیں، اسی پر سو جاتے ہیں اور ان باتوں کے سبب اللہ تعالیٰ ہمارے درجات بلند کرتے ہیں۔ (الریاض النظرۃ۔ جلد ۲)

☆☆☆

امین الامت رضی کی زندگی انتہائی سادہ گزری تھی لیکن اس کے باوجود اکثر اس بات پر روتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ حالت نہیں رہی، جس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ

کر رحلت کر گئے تھے۔ حالانکہ دُنیا کی محبت حضرت ابوعبیدہؓ کے قریب بھی نہیں آئی تھی جتنا مال و دولت ہاتھ آتا،عین اسی وقت فقراء میں تقسیم کر دیتے اور خود اپنے لیے کچھ بھی بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ کھانے میں بھی معمولی خوراک پر گزارہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے اور قاصد کو بتایا کہ غور سے دیکھنا کہ ابوعبیدہؓ ان پیسوں کا کیا کرتے ہیں؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ابوعبیدہؓ اس رقم میں سے اپنے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑے گا،رقم ملتے ہی اُنہوں نے فقراء میں تقسیم کرنی شروع کر دی اور اپنے لیے ایک حبّہ تک نہیں رکھا۔ جب قاصد نے یہ خبر حضرت عمر فاروقؓ کو سنائی تو بے حد خوش ہو گئے اور فرمایا الحمدللہ! کہ اسلام میں ایسے آدمی بھی موجود ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :ابوبکرؓ اچھے آدمی ہیں،عمرؓ اچھے آدمی ہیں،ابوعبیدہؓ بن جراح اچھے آدمی ہیں،اُسید بن حضیرؓ ، ثابتؓ بن قیس بن شماس، معاذؓ بن جبل اور معاذؓ بن عمرو بن جموحؓ یہ سارے بھی اچھے ہیں۔

اس حدیث مبارک کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوعبیدہؓ سے بہت محبت کرتے تھے حتیٰ کہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے بعد تیسرا نمبر حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو دیا اور شاید اسی لئے اماں عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ محبوب حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، پھر حضرت عمرؓ تھے اور پھر حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح تھے۔ یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جو حضرت عبداللہؓ بن شقیق نے نقل کی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہؓ اکابرین صحابہ میں سے تھے،عشرہ مبشرہ میں سے تھے، اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور امین الامت کے لقب کے حامل تھے۔

حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ابوبکر جنتی ہیں،عمر جنتی ہیں،عثمان جنتی ہیں،علی،طلحہ،زبیر،عبدالرحمن بن عوف،سعد بن ابی وقاص،ابوعبیدہ بن جراح اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم یہ سب جنتی ہیں۔ (سنن ترمذی)

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے لیے یہ بشارت دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے کیونکہ جس چیز کی

طلب تھی اس کی خوشخبری رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں سنادی۔ یہ ان کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے کہ دنیا میں جنت کی خوشخبری مل گئی۔ آپ کی فضیلت پر یہ ایک حدیث ہی کافی ہے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جنتی ہیں۔

عشرہ مبشرہ میں ہونے کے باوجود خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ قیامت کی ہولناکیاں، میدان حشر کی وحشتیں اور اعمال کا حساب، یہ تمام امورِ آخرت انہیں کسی وقت چین نہ لینے دیتے اور جب آپ رضی اللہ عنہ پر خوفِ خدا کا غلبہ ہوتا، دُنیا کی آزمائشی زندگی اور اس کے فتنوں کو دیکھتے تو بے ساختہ پکار اُٹھتے : کاش! میں کوئی مینڈھا ہوتا جسے گھر والے ذبح کرتے اور پکا کر اس کا گوشت کھا لیتے اور شوربا پی لیتے۔

خوف خدا کے بارے اسی طرح ایک دوسری روایت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے : ''کوئی گورا ہو یا کالا، آزاد ہو یا غلام، عجمی ہو یا عربی جس کے متعلق مجھے معلوم ہو کہ وہ تقویٰ و پرہیزگاری میں مجھ سے بڑھ کر ہے تو میں یہ پسند کرتا کہ میں اس کی کھال کا کوئی حصہ ہوتا۔'' (الذہد للامام احمد بن حنبل)

اتنا اعلیٰ اخلاق اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہونے کے باوجود آپ کی یہ تمنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے دل میں خوف خدا بہت زیادہ تھا اور یہ سب اس لئے کہ آپ تقویٰ و پرہیزگاری کے پیکر تھے۔

☆☆☆

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح ایک بہت بڑے عالم دین تھے تب ہی تو رسول اللہ ﷺ نے نجران کی طرف ان کو بھیجا کیونکہ جب کہیں سے لوگ آتے تھے کسی قاری یا عالم کی ضرورت ہوتی تھی تو رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ میں سے کسی کو بھیج دیتے تھے۔ آپ ایک عالم دین ہونے کے باوجود علم کی باتوں میں بہت محتاط رہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے باوجود بھی آپ سے صرف چند احادیث منقول ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبیؑ دجال سے ڈرانے والا نہیں آیا پس میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں''۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی نشانیاں بیان فرمائیں اور فرمایا : ''شاید مجھے دیکھنے والے اور میرا کلام سننے والے دجال کو پالیں''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ کیا ہمارے دلوں کی کیفیت اُس وقت وہی ہوگی جیسی اب ہے؟ فرمایا: ''اس سے بہتر ہوگی''۔

(مسند البزار، مسند ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح۔ الحدیث ۱۲۸۰۔ ج ۴۔ ص ۱۰۷)

(۲) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''روزہ ایسی ڈھال ہے جسے کوئی نہیں پھاڑ سکتا۔''

(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصیام الحدیث ۸۳۱۴ ج ۴ ص ۴۵۰)

(۳) رسول اللہ ﷺ کا آخری کلام یہ تھا۔''یہود کو حجاز سے اور اہل نجران کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور جان لو کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے بدترین لوگ ہیں۔''

(مسند امام احمد بن حنبلؒ، حدیث ابی عبیدہؓ بن جراح، حدیث ۱۶۹۱، ج ا ص ۴۱۴)

(۴) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن کا دل چڑیا کی طرح ہے کبھی اِدھر کبھی اُدھر ہوتا رہتا ہے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد، حدیث ۵ ج ۸ ص ۱۷۴)

(۵) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''روزِ جمعہ سب سے افضل نماز صبح کی نماز ہے یقینا جو اسے پالے بروزِ قیامت بخش دیا جائے گا''۔

(مسند البزاء، مسند ابی عبیدہؓ بن جراح۔ الحدیث ۱۲۷۹۔ ج ۴ ص ۱۰۶)

(۶) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اپنے بعد نہ کسی مومن سے خوف ہے اور نہ کافر سے کیونکہ مومن کو اس کا ایمان برائی سے روکے رکھے گا اور کافر کو اللہ اس کے کفر کے سبب ذلیل فرمائے گا البتہ مجھے تم پر منافق کا ڈر ہے جو زبان کا عالم ہو، دل کا جاہل ہو، زبان سے وہ کہے جسے تم اچھا سمجھتے ہو اور کام وہ کرے جسے تم بُرا سمجھتے ہو۔

(مسند الربیع، الاخبار المقاطیع عن جابر بن زید ج ا ص ۳۶۲)

(۷) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کل بروز قیامت اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والے دو بندوں کے لیے کرسیاں رکھی جائیں گی جن پر ان کو بٹھایا جائے گا یہاں تک کہ (لوگوں کا) حساب کتاب مکمل ہو جائے''۔

(الجامع الصغیر الحدیث ۷۸۶۸ ص ۴۸۱)

(۸) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو کسی مریض کی عیادت کرے، اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے یا راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز دور کرے تو اسے دس گنا اجر ملے گا''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ حدیث ۳ ج ۸ ص ۱۷۳)

(۹) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تمھارے دین کی ابتداء نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد خلافت ورحمت ہوگی اور پھر بادشاہی اور جبر کا زمانہ آئے گا۔
(مسند ابوعبیدہ بن الجراح، تاریخ الخلفاء ص ۲۶)

☆☆☆

تمام صحابہ کرامؓ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امین الامت کا لقب دیا تھا لیکن عمر فاروقؓ اور بھی زیادہ خیال رکھتے تھے اور آپ کی عادات واطوار سے انتہا درجہ متأثر تھے۔

ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ہم نشینوں سے فرمایا کہ آپ لوگوں کی دلی تمنا کیا ہے؟ تو ہر ایک نے اپنی آرزو اور تمنا بیان کی، کسی نے عرض کیا: کہ کاش میرے پاس سونے سے بھرا ہوا ایک کمرہ ہوتا اور میں وہ سارا راہ خدا میں لُٹا دیتا۔ کسی نے کہا کاش میرے پاس ہیرے اور جواہرات سے بھرا ہوا ایک کمرا ہوتا اور میں وہ سارا راہ خدا میں خرچ کر دیتا۔ تو آخر میں حضرت عمر فاروقؓ فرمانے لگے کہ میری آرزو یہ ہے کہ کاش ایک مکان ہوتا جو ابوعبیدہؓ بن جراح جیسے لوگوں سے بھرا ہوتا۔ (الریاض النضرۃ۔ جلد ۲)

امیر المؤمنین کے اس تمنا سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کتنے عظیم الشان صحابی تھے کہ وہ ہستی جو خود عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ اُن کی تمنا یہ ہے کہ میرے پاس حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح جیسے بندوں کی کثرت ہو۔ کیونکہ مال خرچ کرنے کا فائدہ زیادہ سے زیادہ چند افراد تک محدود رہے گا اور بالآخر ختم ہو جائیگا لیکن سیدنا ابوعبیدہ جیسے ذہین اور دلیر افراد سے پوری امت مسلمہ کو فائدہ پہنچے گا اور اسلام کی ترویج واشاعت کا سبب بنے گا۔

☆☆☆

امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب کی رحلت کا وقت جب قریب آ گیا تو مسند خلافت کے لئے انتخاب مشکل ہو گیا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر میں ابوعبیدہؓ بن جراح کو زندہ پاتا تو انہیں خلیفہ بناتا۔ اگر میرا رب مجھ سے ابوعبیدہؓ کی خلافت کے بارے پوچھتا تو میں کہتا کہ میں نے

تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابوعبیدہ اس امت کے امین ہیں۔

حضرت عمر فاروق رض کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضرت ابوعبیدہ رض بن جراح پر حد درجہ اعتماد تھا کہ بلا کسی مشورہ اور مجلس شوریٰ کے حضرت ابوعبیدہ رض بن جراح کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کرتے کیونکہ وہ آپ رض کی صفات اور اخلاق سے خوب واقف تھے۔

حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے پوچھا گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود خلیفہ بناتے تو کسے بناتے؟ فرمایا: ''میرے والد گرامی ابوبکر صدیق رض کو۔'' پھر پوچھا ان کے بعد؟ فرمایا: ''حضرت عمر رض کو۔'' پوچھا گیا ان کے بعد کسے بناتے؟ تو فرمایا: ''ابوعبیدہ بن جراح کو۔'' (صحیح مسلم۔فضائل صحابہ)

☆☆☆

شام کی امارت جب ابوعبیدہ رض کے حوالے ہوئی تو میدان جنگ میں معاذ رض بن جبل نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ اگر خالد رض بن ولید ہوتے تو جنگ میں بوڑھا نہ ہوتا، یہ سن کر معاذ رض بن جبل نے فرمایا کہ تیرا باپ نہ ہو، کرامت بھی حضرت ابوعبیدہ رض بن جراح کے پاس جانے کے لیے بے قرار رہتی ہے ۔واللہ وہ روئے زمین کے سب سے بہتر شخص ہیں۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۲ حصہ سوم ص ۲۹۰)

حضرت معاذ رض بن جبل کے حضرت ابوعبیدہ رض بن جراح کے بارے میں یہ الفاظ کہ واللہ! وہ روئے زمین کے سب سے بہتر شخص ہیں اور جس شخص نے تھوڑا سا شکوہ کیا ان کے بارے میں حضرت معاذ رض بن جبل کی بددعا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رض میں سے کوئی بھی حضرت ابوعبیدہ رض بن جراح کے خلاف بات سننے کو تیار نہیں تھا حالانکہ یہ اس شخص کی اپنی رائے تھی کہ اگر خالد رض بن ولید ہوتے تو بوڑھوں کو آرام دیتے۔ صرف جوان اور طاقتور صحابہ جنگ میں حصہ لیتے لیکن معاذ رض بن جبل نے اس کی بات کی تردید کی اور بتلا دیا کہ ابوعبیدہ رض کے ہر کام میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔

☆☆☆

امین الامت حضرت ابوعبیدہ رض بن جراح کے مذکورہ فضائل سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کتنی اعلیٰ شخصیت کے مالک تھے۔ گوں ناگوں صفات کے حامل سیدنا ابوعبیدہ رض امانت، نرم دلی، علم دین، بہادری، معاملہ فہمی اور تقویٰ و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ دیکھنے میں سادہ لوح

اور خوش اخلاق ابو عبیدہ جب تیر و ترکش سنبھال لیتے اور ہاتھ میں تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑتے تو ان کے اوسان خطا ہو جاتے اور یوں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک ۔۔۔ رُھبان باللیل و فرسان بالنھار ۔۔۔ یعنی رات کے عبادت گزار اور دن کے شہسوار، کا ایک عملی نمونہ دیکھنے کو ملتا۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ مرد درویش جو صفّہ کے چبوترے میں بھوکا اور پیاسا رہ کر قرآن و حدیث سیکھ رہا ہے، ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ سلطنت روم کے حکمران بھی ان کی ننگی تلوار کے سامنے بے بس ہو کر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوں گے اور ان کا نام دشمن کے لئے خوف و دہشت کا علامت تصور کیا جائے گا۔ مہاجرین کے علاوہ کسی انصاری تک کو پتہ نہیں تھا کہ اہل صفہ کا یہ درویش میدان جنگ کا بھیدی ہے اور ان کی تدابیر میدان جنگ کا نقشہ بدل دیا کرتی ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ تلوار چلانا اپنا ایک مشغلہ سمجھتے تھے لیکن اسلام نے ابھی تک اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ دشمنان اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائی جائے ۔ باوجود شمشیر زنی، تیغ زنی اور شہسواری میں اعلیٰ کمال رکھنے کے، اسلام قبول کرتے ہی آپ کی تلوار نیام میں گئی تھی۔

☆☆☆

۲ صفر سنہ۔ ۲ ہجری تاریخ اسلام کا وہ سُنہرا دن تھا جس کا مسلمانوں کو شدت سے انتظار تھا۔ آخر کار مسلمانوں کو کافروں کے خلاف تلوار اُٹھانے کی اجازت دی گئی اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ترجمہ: ''جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں بھی اب جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔'' (الحج : ۳۹)

حضرت امام محمد بن شہاب زہریؒ کا قول ہے کہ جہاد کی اجازت کے بارے میں یہی آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی مگر تفسیر ابن جریرؒ میں ہے کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اُتری ہے وہ یہ ہے:

ترجمہ: ''لڑو خدا کی راہ میں ان سے، جو تم سے لڑتے ہیں۔'' (البقرۃ: ۱۹۰)

بہر حال مسلمانوں کو کفار سے لڑنے کی اجازت تو مل گئی مگر مشروط اجازت کہ اگر کافر تم سے لڑیں تو تم بھی لڑو یعنی مسلمانوں کو پہل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی لیکن مدینہ کے یہود اور مشرکین مکہ نے جب مسلمانوں کے خلاف گھیرا تنگ کرنے کی کوششیں شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو

کافروں سے لڑنے کی کھلی اجازت دے دی۔

جہاد کی اجازت ملتے ہی مسلمانوں نے جنگی تیاریاں شروع کیں اور پھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی باقی زندگی میدان جنگ میں یا جنگ کی تیاریوں میں بسر ہوئی۔ حضرت ابوعبیدہؓ کی زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ماہ صفر سنہ۔ ۲ ہجری سے لے کر سنہ۔ ۱۱ ہجری یعنی ۶۲۳ء تک ہر لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ رہے اور کوئی ایسا غزوہ نہیں جس میں آپؓ نے شرکت نہ کی ہو۔

جن لڑائیوں میں رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت کی ہو اُن کو غزوات کہا جاتا ہے اور جن لڑائیوں میں آپ ﷺ شریک نہیں ہوئے ان کو سرایا کہا جاتا ہے۔

غزوات کی کل تعداد ستائیس ہیں۔ بعض مورخین نے چوبیس، پچیس اور چھبیس بھی لکھا ہے۔ بہر حال جتنی بھی ہوں، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ سیدنا ابوعبیدہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔

☆☆☆

صفر سنہ۔ ۲ ہجری بمطابق اگست ۶۲۳ء پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ جہاد کے ارادے سے مدینہ سے باہر نکل گئے اس غزوہ کا نام غزوۂ ابواء یا غزوۂ ودّان تھا۔ اس مہم میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ستّر مہاجرین کا ایک دستہ تھا جس میں سیدنا ابوعبیدہؓ بھی شریک تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس عسکری دستے کا جھنڈا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کے پاس تھا۔

مہم کا مقصد قریش مکہ کے ایک قافلے کا راستہ روکنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ودان تک پہنچے لیکن قافلہ نکل چکا تھا اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے بنو ضمرۃ کے سردار عمرو بن مخشی الضمری سے حلیفانہ معاہدہ کرلیا۔ اسلامی لشکر نے پندرہ دن مدینہ سے باہر گزارے۔ یہ وادی مدینہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے اور مکہ المکرمہ سے اسّی میل کے فاصلے پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مقام ابواء تک کفار مکہ کا پیچھا کیا لیکن وہ فرار ہو چکے تھے۔ ابواء وہ جگہ ہے جہاں آپ ﷺ والدہ ماجدہ حضرت آمنہ مدفون ہیں اس لئے اس غزوہ کو غزوہ ابواء یا غزوۂ ودّان کہتے ہیں۔

☆☆☆

ربیع الاول سنہ ۔ ۲ ہجری بمطابق ستمبر ۶۲۳ء میں رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار رہنے کا حکم صادر فرمایا، یہ سنتے ہی ابو عبیدہؓ نے لبیک کہا اور مجاہدین کی صف میں شامل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سعدؓ بن معاذ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جھنڈا دیا اس جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔

اس مہم میں رسول اللہ ﷺ ۲۰۰ صحابہ لے کر قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے لیے نکلے تھے جس میں امیہ بن خلف سمیت قریش کے ۱۰۰ آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ مسلمانوں کا لشکر مدینہ سے نکل کر وادی بُواط میں پہنچا۔ یہ جگہ ایک پہاڑی سلسلہ میں علاقہ رضویٰ اور شام کے راستے کے متصل ذی حشب کے قریب ہے، بُواط مدینہ منورہ سے تقریباً ۴۸ میل دور ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں بھی جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس غزوہ کو غزوہ بواط کہتے ہیں۔

ابن اسحقؒ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر دشمنان اسلام کی طرف سے کوئی اقدام نہیں ہوا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ بواط سے واپس مدینہ آ گئے۔ مسلمانوں کا مقصد چونکہ قریش مکہ کو مدینہ سے روکنا تھا اور کفار نے وہاں کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے جنگ چھڑ جاتی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس غزوہ میں جتنے بھی مجاہدین شریک ہوئے تھے وہ سب کے سب مہاجر تھے۔

اگرچہ اس غزوہ میں لڑائی تو نہیں ہوئی تاہم اتنا ضرور ہوا کہ مخالفین جان گئے کہ جن بے سروسامان مہاجرین کو ہم نے مکہ سے بے دخل کیا تھا وہ نہ تو اپنے دشمن سے غافل ہیں اور نہ ہی خوف زدہ ہیں۔ وہ دشمن کی چالوں کو بھی سمجھتے ہیں اور تلوار چلانا بھی جانتے ہیں۔

☆☆☆

بُواط سے واپسی کے بعد اُسی مہینہ میں ایک شخص کرز بن جابر فہری نے ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر چھاپا مارا تھا اور لوٹ مار کر کے کچھ مویشی بھی لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب خبر ہوئی تو اُنہوں نے زیدؓ بن حارثہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے اپنے ساتھ ۷۰ صحابہ لے کر جھنڈا حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا۔ اسلامی لشکر نے مقام سفوان تک تعاقب کیا لیکن قریش اس قدر تیزی سے بھاگے تھے کہ ہاتھ نہیں آئے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کی یہ مسلسل تیسری مہم تھی لیکن اس بار بھی لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ وادی سفوان بدر کے

قریب ہے اس لیے اس غزوہ کو غزوہ سفوان یا غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

غزوہ سفوان سے واپسی پر حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور دیگر صحابہ کرام مدینہ پہنچ کر جنگی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازی، شمشیر زنی اور شہسواری کی باقاعدہ مشقین ہوتی تھی۔ کیونکہ حالات کچھ یوں پیدا ہو گئے تھے کی کسی بھی وقت ایک خونریز جھڑپ چھڑ سکتی تھی۔ان میں سے بعض مشقین مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں ہوتی تھی اور رسول اللہ ﷺ شرکت فرماتے تھے۔

☆☆☆

مدینہ میں تقریباً دو ماہ کے قیام کے بعد آخر کار مسلمانوں کو بھی کافروں پر پہل کرنے کا موقع مل گیا پہلے تین غزوات میں مسلمان دفائی جہاد کی نیت سے نکلے تھے۔ اس بار رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کا ایک لشکر لے کر مشرکین مکہ کے ایک قافلے کو شام جانے سے روکنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں ڈیڑھ سو یا دو سو صحابہ شامل تھے۔ یہ جمادی الثانی کا مہینہ سنہ۔ ۲ ہجری نومبر ۶۲۳ء تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد المخزومی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب لشکر کے علمبردار تھے۔ اس غزوہ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کسی کو حکم نہیں دیا محض ایک اعلان کیا کہ جو حضرات جانا چاہتے ہیں وہ تیاری کر لیں لیکن یہ اعلان حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور ان کے رفقاء کے لیے ایک فرض حکم سے کم نہیں تھا اور فوراً جہاد کی نیت سے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کے پا س کل تیس اونٹ تھے جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

امین الامتؓ کی یہ مسلسل چوتھی مہم تھی جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ رہے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ مدینہ سے باہر کافی دور تک جانا پڑا اور آخر کار آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ذی العُشیر ہ پہنچے جو مدینہ سے تقریباً ۱۰۸ میل دور تھا۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے یہاں جمادی الاولیٰ کا پورا مہینہ اور جمادی الثانی کی کچھ ابتدائی راتیں گزاری تھیں۔ یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ وہ قافلہ یہاں سے چند روز قبل جا چکا ہے۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ نے بنی مدلج اور ان کے حلیفوں سے جو بنی ضمرہ میں تھے صلح فرمائی پھر مدینہ لوٹے اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ لیکن یہی قافلہ جب شام چلا گیا اور واپسی پر مسلمانوں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو اسلام کی ابتدائی لڑائی غزوہ بدر کی تاریخ رقم ہوئی یہ مہم غزوہ ذی العُشیر ہ کے نام سے مشہور ہے۔

☆☆☆

حضرت ابوعبیدہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ مدینہ آ کر پھر سے جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے اور تقریباً تین ماہ تک مسلسل جنگی تیاری کی۔ اب حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح تلوار نیام سے نکال چکے تھے اور زیادہ تر وقت شمشیر زنی میں صرف کرتے تھے جوان کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور یہی وقت کا تقاضا بھی تھا کیونکہ قریش بھی مسلسل مسلمانوں کے خلاف شر انگیزیوں اور جنگی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے۔ مدینہ میں تین ماہ قیام کے بعد رسول اللہ ﷺ اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا وہ قافلہ جو شام گیا تھا وہ واپس آ رہا ہے، یہ خبر مسلمانوں کے لیے بہت عجیب تھی کیونکہ اسی سال ماہ شعبان میں تحویل قبلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا اور چند ہی روز پہلے ماہ شعبان میں روزے بھی فرض ہو گئے تھے۔ اب یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ پہلی بار روزے فرض ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ خبر ملی کہ شام کا جو قافلہ ابوسفیان کی سربراہی میں واپس آ رہا ہے، اہل مکہ کی مال و دولت سے مالا مال ہے جبکہ اس کی حفاظت کے لئے صرف چالیس آدمی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کو مرعوب کرنے اور کرز بن جابر کی جارحیت کا جواب دینے کے لیے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت روانہ کی اور ان کو ہدایت کی کہ مکہ والوں کے قافلے کو روک لیں تا کہ اہل مکہ جان لیں کہ مسلمانوں سے بگاڑے رکھنا ان کے لئے کس قدر نقصان دہ ہے۔ جس کے نتیجے میں ملک شام سے ان کی تجارت مکمل طور پر منقطع ہو سکتی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ ایک عظیم حکمت عملی تھی کہ دشمن پر اپنا رعب جمایا جائے تا کہ وہ خود مسلمانوں سے مصلحت کے لیے تیار ہو جائے۔ اس بار بھی رسول اللہ ﷺ نے کسی کو حکم نہیں دیا محض ایک اعلان کیا کہ جو حضرات جانا چاہتے ہیں وہ تیاری کر لیں لہٰذا محض ۳۱۳ صحابہ تیار ہو کر نکل پڑے۔ جن کا ارادہ جنگ کا نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد مال غنیمت، دشمن کو دھمکانا اور رُعب ڈالنا تھا۔ اس لیے ان کی روانگی میں جنگی احتیاطیں بھی ملحوظ نہیں رکھی گئیں۔ چنانچہ پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے۔ جیسے ہی یہ لشکر مدینہ سے نکلا ، ابوسفیان کو اسلامی لشکر کی پیش قدمی کی خبر ہو گئی۔ ابوسفیان ایک ماہر جنگجو اور تجربہ کار شخص تھا وہ اپنے قافلے کو بحفاظت مسلمانوں کی پہنچ سے دور لے گیا اور اپنا غلام مکہ بھیج کر مشرکین مکہ کو مطلع کر دیا کہ مسلمان ہمارا قافلہ روکنے کے لیے مدینہ سے نکل چکے ہیں۔

اس خبر کے پہنچتے ہی مکہ میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔ اس قافلے میں چونکہ تقریباً تمام رؤسائے

قریش کا مال تھا اس لیے تمام رؤساء قریش اور سرداروں نے بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ بنوعدی کے علاوہ قریش کے تمام قبائل میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ خصوصاً رؤساء میں سے صرف ابولہب پیچھے رہ گیا تھا اور اپنی جگہ اپنے ایک قرضدار کو بھیجا تھا۔ قریش کا یہ لشکر نہایت شان وشوکت اور غرور وتکبر کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف اس انداز سے روانہ ہوا کہ اپنی تلواروں کو لہراتے ہوئے اس بات پر غضبناک ہو رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے ساتھیوں نے اہل مکہ کے قافلے پر آنکھ اٹھانے کی جرأت کیسے کی؟ بہرحال جب یہ لوگ مقام جحفہ پہنچے تو ابوسفیان نے ابوجہل کے پاس خبر بھیجی کہ میں خیریت سے پہنچ چکا ہوں آپ واپس آجائیں۔ لیکن ابوجہل کسی بھی طرح واپس جانے کو تیار نہیں تھا گویا کہ موت اُس کو بلا رہی تھی۔ مشرکین مکہ کے وہ لوگ جو کسی حد تک صلح پسند اور سمجھدار تھے مثلاً ابوالبختری، نوفل، عباس اور عتبہ جیسے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ واپس جانا چاہیے کیونکہ ہمارا مقصد اپنے قافلے کو مسلمانوں کی گرفت سے بچانا تھا اب چونکہ قافلہ خیریت سے پہنچ چکا ہے تو مدینہ جا کر لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

مشرکین مکہ میں سے ابوجہل اور ابوجہل جیسے اور شرپسند ایک ہی بات پر ڈٹے ہوئے تھے کہ ہم ضرور لڑیں گے اور ان مٹھی بھر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے دم لیں گے۔ عتبہ، نوفل اور ابوالبختری نے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن ابوجہل کسی طرح نہ مانا اور انہیں طعنے دے کر لڑائی پر آمادہ کرلیا۔ یہ لشکر بڑے دھوم دھام کے ساتھ راستے میں شعروشاعری اور مستیاں کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

مشرکین مکہ کا یہ دستہ جو ہر قسم کی سہولیات سے آراستہ تھا مدینہ کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہا تھا ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ مستی اور موج میلہ ۱۷ رمضان المبارک جمعۃ المبارک کی صبح تک ہے۔ واپسی پر یہ قافلہ سرداروں کے بغیر افراتفری کی صورت میں بھاگ کر آئے گا۔ اُن کے ذہنوں میں بس ایک ہی بات تھی کہ جانا ہے اور مسلمانوں کو نیست ونابود کر کے واپس آنا ہے۔

کچھ لوگوں کو شاید یہ عجیب سا لگے کہ وہ اپنوں کے ساتھ لڑنے جا رہے تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا غمخوار چچا مجبوراً لڑائی کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے سگے بھائی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور اپنے سگے بھتیجے کے خلاف لڑنا تھا۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے بھی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بن

عتبہ کے خلاف لڑ رہا تھا۔ اسی طرح عبداللہ بن جراح نے اپنے سگے بیٹے ابوعبیدہ بن جراح رض کے خلاف لڑ نا تھا۔ دین اسلام کی دشمنی نے اپنے بیٹے کو سب سے بڑا دشمن بنایا ہوا تھا۔ سہیل ابن عمرو نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ بن سہیل رض کے خلاف لڑنا تھا۔ اسی طرح عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق نے اپنے والد محترم کے خلاف تلوار اُٹھائی تھی۔ الغرض سب ایک دوسرے کے ساتھ کسی نہ کسی رشتے میں جڑے ہوئے تھے لیکن عرب کے لوگ چونکہ بہت ضدی تھے اس لیے وہ قصد کر چکے تھے کہ جو بھی ہو آج اس بات کا فیصلہ ہو گا کہ جزیرۃ العرب میں یا تو مسلمان ہو نگے یا ہم ہو نگے اور اس بات پر بہت غرور کرتے تھے کہ (نعوذ باللہ) آج کے دن اسلام کا نام مٹا دیں گے اور مسلمانوں کی گردنیں کاٹ کر لائیں گے۔

مسلمانوں کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی لیکن یہ مکمل جنگی دستہ نہیں تھا اس لیے ان کے پاس آلاتِ حرب نہ ہونے کے برابر تھے۔ پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین اور چار چار بندے سوار ہوا کرتے تھے۔ بعض بہت کم عمر لڑکے بھی تھے۔ تلواریں تقریباً آٹھ لوگوں کے پاس تھیں، باقی کے پاس ڈنڈے تھے۔ آخر کار ۱۶ رمضان المبارک بروز جمعرات کو مسلمانوں کا یہ دستہ مقام بدر پہنچ گیا۔ یہاں پر ایک کنواں تھا جس کے مالک کا نام بدر تھا اسی وجہ سے اس وادی کا نام بدر رکھا گیا تھا۔

اسلامی لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے ہی خبر دی تھی کہ قریش کے دو گروہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہماری لڑائی ضرور ہوگی تو صحابہ کی تمنا یہی تھی کہ ہمارا مقابلہ ابوسفیان کے قافلے سے ہو کیونکہ مسلمانوں کا دستہ اس قافلے کو روکنے کے لیے نکلا تھا۔ دوسری بات یہ کہ اس قافلہ سے ٹکرانا مسلمانوں کے لیے آسان تھا۔ اس قافلے میں صرف چالیس آدمی تھے اور مالِ غنیمت بے انتہا تھی۔ اس کے برعکس دوسری طرف ابوجہل کا قافلہ تھا۔ جس میں ایک ہزار آدمی، وہ بھی مکہ کے ماہر جنگجو، جن کے مقابلے کے لیے میدان جنگ میں اترنا کسی کی بس کی بات نہیں تھی اور مال غنیمت بھی کچھ خاص نہیں تھا۔ اس لیے مسلمانوں کی کوشش یہی تھی کہ ہمارا مقابلہ ابوسفیان کے لشکر سے ہو جائے۔ اگر دیکھا جائے تو مجاہدین کی سوچ صحیح بھی تھی کیونکہ آٹھ تلواروں سے ایک ہزار جنگجوؤں کو شکست دینا انسانی سوچ کے منافی ہے۔ بہر حال جب اسلامی لشکر بدر پہنچ گیا اور دیکھا تو حالات بالکل اُلٹ تھے کیونکہ یہاں ایک لشکر جرار پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ صرف تعداد کی کثرت نہیں بلکہ یہ لشکر آلات حرب وضرب اور سواروں

سے لیس تھا اور یہ کہ پہلے پہنچنے کا فائدہ بھی ہوا تھا۔ مٹی والی زمین پر وہ قبضہ کر چکے تھے۔

مشرکین مکہ کو جب مسلمانوں کے آنے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے ایک جاسوس عمیر بن وہب کو بھیجا کہ مسلمانوں کی تعداد معلوم کر کے آئے، عمیر نے جا کر کہا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو سے زیادہ نہیں ہے اور ان میں صرف دو سوار ہیں۔ یہ سن کر عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ اتنے تھوڑے آدمیوں سے ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بخدا اپنے ہی کنبے اور قبیلے کے لوگوں کو مارنا کوئی بہادری نہیں ہے۔ اس لئے واپس چلے جاؤ اور محمد (ﷺ) سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔ یہ سن کر ابو جہل آگ بگولا ہو گیا اور کہا : خدا کی قسم، محمد (ﷺ) اور اس کی ساتھیوں کو دیکھ کر عتبہ کا سینہ سوج آیا ہے۔ جب تک اللہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے، ہم ہرگز نہیں جائیں گے۔ عتبہ جو کچھ کہہ رہا ہے محض اس لئے بول رہا ہے کہ ان کا اپنا بیٹا (ابو حذیفہ) بھی انہی کے درمیان ہے۔ عتبہ ابو جہل کے طعنے سن کر لڑائی پر آمادہ ہوا اور بولا : اے بزدلی کا مظاہرہ کرنے والے! کل آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ کس کا سینہ سُوج آیا ہے میرا یا تمھارا۔

ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عتبہ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ ابو حذیفہ عتبہ کا نہایت محبوب اور لاڈلا بیٹا تھا اور باوجود مسلمان ہونے کے عتبہ انہیں بہت چاہتا تھا۔

آخر کار سترہ رمضان المبارک کی رات گزر گئی اور جمعۃ المبارک کا سورج ایک نئے انداز کے ساتھ طلوع ہوا جو اس بات کی ضمانت دے رہا تھا کہ آج کے دن باطل کا غرور ٹوٹ جائے گا اور حق کی حکمرانی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسلامی لشکر کی صفوں کو ترتیب دیا اور انہیں لڑائی کے بارے ضروری احکامات دیئے۔

جب فریقین کی صف بندی ہوگئی تو مشرکین مکہ کی طرف سے قریش کے تین بہترین شہسوار نکلے جو سب کے سب ایک ہی خاندان کے تھے۔ ان کے نام یہ تھے۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔ یہ تینوں میدان میں آگے بڑھے اور دعوت مبارزت دی۔ اسلامی لشکر سے تین انصار عوف رضی اللہ عنہ بن حارث، معوذ رضی اللہ عنہ بن حارث اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نکلے۔ عتبہ کو جب پتہ چلا کہ یہ تینوں انصاری ہیں تو کہنے لگا ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے پاس ہمارے قوم کے ہمسروں کو بھیجو۔ رسول

اللہ ﷺ نے فوراً اپنے خاندان کے تین آدمی بھیج دیئے۔ حمزہ بن عبدالمطلب ؓ، عبیدہ بن حارث ؓ اور علی بن ابوطالب ؓ۔

حمزہ ؓ بن عبدالمطلب عتبہ کے مدمقابل ہوئے۔ عبیدہ ؓ بن حارث شیبہ کے جبکہ علی المرتضیٰ ولید بن عتبہ کے مدمقابل ہوئے۔ ان کا میدان میں اترنا مسلمانوں کے لیے ایک سخت آزمائش کا وقت تھا کیونکہ یہ تینوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی رشتہ دار تھے۔ ایک چچا جبکہ دو چچا زاد بھائی تھے۔ لیکن سب سے بڑی آزمائش ابوحذیفہ ؓ کے لیے تھی۔ کیونکہ ایک طرف اہل بیت کے نایاب ستارے اور دوسری طرف سگا باپ، سگا چچا اور بھائی تھا۔ حضرت امیر حمزہ ؓ نے نکلتے ہی عتبہ کا کام تمام کر دیا اور زمین پر گرا دیا۔ دوسری طرف حضرت علی ؓ نے ولید کا سر کاٹ دیا البتہ شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ ؓ بن حارث شدید زخمی ہو گئے۔ لیکن حضرت علی ؓ اور امیر حمزہ ؓ نے مل کر شیبہ کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہ ؓ بن حارث کو کندھوں پر اٹھا کر مسلمانوں کے پاس لائے۔ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر اور اَحد، اَحد کے نعرے بلند کئے۔

قریش نے اپنے تین بہترین شہسواروں اور سالاروں کو یوں قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو غیظ وغضب سے بے قابو ہو کر یک بارگی کے ساتھ حملہ آور ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جوابی حملے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس زرہ پہنے ہوئے میدان جنگ میں چکر لگاتے رہے اور یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ : ''عنقریب یہ جتھہ شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔''

بدر کا میدان ایک ایسا منظر پیش کر رہا تھا جو شاید ہی تاریخ میں کبھی وقوع پذیر ہوئی ہو۔ ایک ہی کنبے اور قبیلے کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف میدان جنگ میں اترے ہوئے تھے۔ وہ قریش جو بہت دور کے رشتوں پر ایک دوسرے کی حمیت میں تلوار اٹھاتے آج وہی قریش اپنے قریبی رشتوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔ میدان جنگ میں کوئی اپنوں کو ڈھونڈ رہا تھا تو کوئی اپنوں سے شرم کے مارے منہ موڑ رہا تھا۔

بدر کے میدان میں سیدنا ابوعبیدہ ؓ بن جراح بھی اپنی شمشیر زنی اور تیغ زنی کے جوہر دکھا رہے تھے اور مشرکین مکہ کی صفوں میں گھس گئے تھے۔ جو بھی ان کے سامنے آتا کٹ کر گر جاتا۔ ان کی شمشیر زنی

کی مہارت تھی یا اپنا رعب کہ قریش ان کا سامنا کرنے سے کترانے لگے۔ اس کے باوجود قریش میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کا پیچھا کر رہا تھا۔ جب وہ بالکل سامنے آیا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بڑی حسرت سے ان کی طرف دیکھا اور منہ موڑ کر اپنا راستہ بدل لیا اور مشرکین کی صفوں میں گھس کر قتال میں مصروف ہو گئے۔ ان کے لڑنے کا انداز ایسا تھا گویا وہ اپنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے اوپر قریش کی پندرہ سالہ اذیتوں کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس بار بھی جب ہر کوئی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو راستہ دے رہا تھا، وہی شخص دوبارہ سامنے آ گیا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا راستہ روک لیا۔ اس بار بھی اس مردِ مجاہد نے اپنی تلوار پر قابو پا کر اپنا رُخ موڑ لیا اور دشمنانِ اسلام پر حملہ آور ہو گئے۔

بدر کے میدان میں زندگی اور موت کی لڑائی شروع تھی۔ یہ کفر اور اسلام کی لڑائی تھی۔ آج یہ فیصلہ ہونا تھا کہ روئے زمین پر اسلام رہے گا یا کفر، لات وعزیٰ کے پجاری رہیں گے یا اَحد وصمد کے پکارنے والے۔ یہ اسلام اور کفر کی لڑائی تھی جس نے باقی سارے رشتے دفنا دیئے تھے۔ لڑائی اپنے شباب پر تھی اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار سے دشمنان اسلام کا قلع قمع کر رہے تھے کہ اچانک وہی شخص آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر راستے کی دیوار بن گیا۔ گویا یہ بدبخت اپنی موت کو دعوت دے رہا تھا۔ اس بار ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے وقت ضائع کئے بغیر ایک ایسا وار رسید کیا کہ اس کا سر کاٹ دیا اور آناً فاناً زمین پر ڈھیر کر دیا۔ یہ بدبخت انسان کوئی اور نہیں تھا بلکہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا اپنا باپ عبداللہ بن جراح تھا۔ وہی باپ جس کے سامنے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح نے کبھی سر اُٹھا کر بات نہیں کی تھی۔ آنکھوں میں آنکھیں ملا کر دیکھا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ان کے سامنے آنے سے بھی شرماتے تھے۔ اپنے باپ کے بہت تابعدار اور فرمان بردار بیٹے تھے۔ یہاں پر ایک اور بات جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی وہ یہ کہ جب آپ بدر کے میدان میں اپنے والد سے ملے تھے یہ ملاقات پورے نو سال بعد ہوئی تھی (سات سال ہجرت حبشہ کے اور دو سال ہجرت مدینہ کے)۔ اس عرصے میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح نے اپنے والد کا چہرہ تک نہیں دیکھا تھا اور جب آمنا سامنا ہوا تو بجائے گلے ملنے، دعا سلام اور حال احوال پوچھنے کے عبداللہ بن جراح اپنے بیٹے کے قتل کا تہیہ کر چکا تھا۔ لہٰذا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مجبوراً اپنے باپ کو قتل کر کے ایک نئی تاریخ رقم کر دی کہ اسلام وہ مذہب ہے جس میں رشتوں کی قدر و قیمت مذہب کے بعد آتی ہے۔ اور جو رشتہ اسلام نے مقرر کیا ہے وہ یہ کہ صرف مسلمان ہی مسلمان کا بھائی

ہے۔ایک مسلمان کا غیر مسلم کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔سیدنا ابوعبیدہ ؓ بن جراح نے دشمنان اسلام کوایک پیغام دیا کہ ہم مسلمان کسی بھی رشتے کو دین اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے نہیں دیتے۔ ہمیں اسلام کا رشتہ اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنے اہل وعیال سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت ابوعبیدہ ؓ بن جراح نے ایک ایسا عملی مظاہرہ کر دکھایا کہ رہتی دُنیا تک اس کو یاد رکھا جائے گا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ محبت اور اسلام کی سربلندی کے لئے قطعاً کسی کی کوئی پروا نہیں کی کیونکہ وہ۔۔۔الحب للہ اور البغض للہ۔۔۔کی بہترین مثال تھے۔

کہنے کو تو آسان ہے کہ اپنے باپ کا سر قلم کیا لیکن جس دُکھ اور اذیت کا سامنا حضرت ابوعبیدہ ؓ نے اس وقت کیا ہوگا، انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے جس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔جس وقت امین الامت اپنے باپ کو قتل کر رہے تھے عین اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر ؓ کو بھی ایک ایسے ہی امتحان میں مبتلا کیا ہوا تھا۔حضرت عمر ؓ کا مقابلہ اپنے سگے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ سے ہوا تھا اور اس کا سر کاٹ ڈالا تھا۔

لڑائی جب ختم ہوگئی اور مشرکین اپنے پیچھے ۷۰ سرداروں کی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان کے ۷۰ جگر گوشے قیدی بن گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی لاشوں کو ایک گڑھے میں ڈالنے کا حکم دیا۔یہ مرحلہ حضرت ابوعبیدہ ؓ، حضرت ابوحذیفہ ؓ اور دیگر چند صحابہ کے لیے انتہائی دردناک تھا جب وہ اپنے خونی رشتہ داروں کو گڑھے میں گھسیٹ گھسیٹ کر پھینکتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے جہنم کی وعیدیں بھی سنائیں۔اس وقت ابوحذیفہ ؓ بہت زیادہ غمگین نظر آرہے تھے، جسے رسول اللہ ﷺ نے بھانپ لیا اور پوچھا۔ابوحذیفہ ؓ! غالباً اپنے والد کے سلسلے میں تمھارے دل کے اندر کچھ احساسات ہیں؟ یہ سن کر وہ عرض کرنے لگے : ’’نہیں واللہ یا رسول اللہ ﷺ میرے اندر اپنے باپ کے قتل کے بارے میں ذرا بھی لرزش نہیں ہے۔البتہ میرے والد ایک سخی اور سوجھ بوجھ رکھنے والے انسان تھے۔وہ شر کو ناپسند کرتے تھے۔میرا یہی خیال تھا کہ ان خوبیوں کی وجہ سے ایک دن وہ ضرور اسلام میں داخل ہوگا لیکن آج معلوم ہوا کہ ان کی قسمت میں ایمان نہیں لکھا تھا اور کفر پر ان کا خاتمہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا۔‘‘ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ابوحذیفہ ؓ کے حق میں دعائے خیر کی۔

جنگ بدر میں اصحاب رسول ﷺ نے جو کارنامہ سرانجام دیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک کا عملی مظاہرہ تھا:

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل ہیں۔''

غزوہ کے اختتام پر مدینہ میں یہ خبر بڑی تیزی سے پھیل گئی کہ ابوعبیدہؓ نے اپنے مشرک باپ کو قتل کیا ہے تو آپ عرض کرنے لگے واللہ! میرے باپ کو میں نے نہیں بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ یہ حدیث بیان کی:

''تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہوجاؤں۔''

رسول اللہ ﷺ جب یہ خبر ملی تو فرمانے لگے: ''بے شک ابوعبیدہؓ دنیا میں امین اور جنت میں محفوظ و مامون ہیں''

اس کے بعد اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کے حق میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی۔

لَاتَجِدُ قَوماً یُومِنُونَ بِاللهِ وَالیومِ الاٰخِرِ یُوَادُّونَ مَن حَادَّاللهَ وَرَسُولَه وَلَوکَانُوا اٰبَائَ هُم اَو اَبنَائَ هُم اَواِخوَانَهُم اَوعَشِیرَتَهُم۔اولٰئِکَ کَتَبَ فِی قُلُوبِهِمُ الاِیمَانَ۔(المجادله: ۲۲)

ترجمہ: ''تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر، کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا رشتہ دار ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا۔''

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح مطمئن ہو گئے کیونکہ اللہ نے ان کی تعریف کی۔ روزِ قیامت تک قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے جب یہ آیت پڑھیں گے تو ایک مرتبہ ضرور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کا یہ بدر والا واقعہ سامنے آئے گا اور اسی طرح ابوعبیدہؓ کی فضیلت اور قربانی کے بارے میں ضرور ایک مرتبہ سوچیں گے کہ یہی وہ عظیم انسان تھے جس کے بارے میں یہ

آیت اُتری ہے۔

☆☆☆

اگر چہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح پہلے سے عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں لیکن غزوۂ بدر سے ایک اور ثبوت مل گیا کہ اللہ نے آپؓ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے جب فدیہ لینے کا فیصلہ ہوا اور مشرکین مکہ کی طرف سے ایک قیدی کا فدیہ نہیں پہنچا تو حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی گردن اُڑانے کی اجازت طلب کی ۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : غزوہ بدر میں تمہاری شرکت سے اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کا حال معلوم ہو گیا ہے۔لہٰذا اب تم جو چاہو کرو(تمہاری نیت کے پیش نظر) وہ تمہیں بخش دے گا اور جنت تم پر واجب ہو گئی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے سلیمان بن داؤد، ابوبکر بن عیاش اور اعمش نے ابی سفیانؓ اور جابرؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو شخص (بحیثیت مومن) غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ میں شریک ہوا وہ ہر گز دوزخ میں نہیں جائے گا۔(ابن کثیر: جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۲۹)

امام بخاریؒ نے بھی لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں جب جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا : بدر میں اس وقت جو لوگ تمہارے دوش بدوش کفار سے جنگ کر رہے ہیں۔ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ جبرائیلؑ نے جواب دیا یہ افضل ترین مسلمانوں میں سے ہیں۔ پھر یہی سوال جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : میں بھی انہیں سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔تب جبریلؑ نے بتایا کہ فرشتوں میں سے جو فرشتے بدر میں حاضر ہوئے ان کا درجہ ملائکہ میں بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔

ایسی ہی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا اب تم جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا ہوں۔“

اسلام کے اس عظیم معرکے نے مشرکین مکہ کی کمر توڑ ڈالی اور کفار پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا اور وہ جان گئے کہ مسلمان صرف راتوں کو اٹھ اٹھ کر نوافل پڑھنے والے نہیں بلکہ میدان جنگ میں ان کی تلواریں بھی اپنا جوہر دکھاتی ہیں۔اس معرکے میں کل ۱۴ مسلمان شہید ہو گئے تھے۔جن

میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار نے جام شہادت نوش فرمائی تھی۔ ان خوش نصیبوں میں سعدؓ بن ابی وقاص کے سولہ سالہ بھائی عمیرؓ بن ابی وقاص بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ شیبہ کے مقابلے میں زخمی ہونے والے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت عبیدہؓ بن حارث نے بھی جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ بدر کے شہداء کے برابر کوئی شہید نہیں اور بدر کے غازیوں کے برابر کوئی غازی نہیں ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ صلح حدیبیہ کا ہے۔

☆☆☆

غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور دیگر صحابہ پھر بھی آرام سے نہیں بیٹھے کیونکہ جب یہود نے دیکھا کہ میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرما کر انہیں عزت و شوکت سے نوازا تو ان کی عداوت اور حسد بھڑک اُٹھی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو امن معاہدہ کیا تھا اس کی عہد شکنی کی حتیٰ کہ کھلم کھلا بغاوت اور مسلمانوں کی ایذارسانی پر اُتر آئے۔ منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبیّ اور یہود کے درمیان دوستی بڑھ گئی اور مسلمانوں کے خلاف مختلف قسم کے پروپیگنڈے شروع کر دیئے۔ یہودی قبائل میں سب سے زیادہ سرگرم بنو قینقاع تھا یہ لوگ مدینہ کے اندر رہتے تھے۔

زمانہ جاہلیت سے اوس اور خزرج میں باہمی عداوت تھی اسلام نے اس باہمی عداوت کو بھائی چارے میں بدلا جو یہود کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ ایک بار ایک بوڑھا یہودی ۔۔۔شاش بن قیس۔۔۔صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا، جس میں اوس و خزرج کے لوگ بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ اس یہودی نے مسلمانوں کی باہمی محبت دیکھی تو سخت غمگین ہوا کہ بخدا اگر یہ دونوں قبیلے متحد رہے تو مدینہ میں ہمارا رہنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے ایک یہودی شاعران کے مجلس میں بھیج دیا اور جنگ بُعاث (یہ جنگ حال ہی میں اوس و خزرج کے درمیان لڑی گئی تھی) کا ذکر کیا اور اس سلسلے میں دونوں جانب سے جو اشعار کہے گئے تھے، سنا دیئے۔ اس کے نتیجے میں اوس و خزرج میں بدکلامی شروع ہوئی اور ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے۔ حتیٰ کہ ایک نے اپنے مدمقابل سے کہا کہ اگر چاہو تو اس لڑائی کو ہم پھر سے شروع کر سکتے ہیں کہ کون زیادہ بہادر ہے۔ وہی ہوا جو یہودی چاہتے تھے۔ اوس و خزرج اپنے اپنے ہتھیار لے کر حرّہ کی طرف چل پڑے۔ قریب تھا کہ

خونریز لڑائی چھڑ جاتی لیکن رسول اللہ ﷺ نے بروقت میدان جنگ میں پہنچ کر انہیں وعظ و نصیحت کی اور اس شیطانی حرکت پر ملامت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نصیحت سن کر انہیں اپنی اس غلطی کا احساس ہوا چنانچہ وہ رونے لگے اور وہیں ایک دوسرے سے گلے ملے۔

یہ یہودیوں کی شرانگیزی کا ایک نمونہ تھا اور بھی بے شمار اس طرح کی ناقابل برداشت حرکتیں تھیں۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت سمجھایا اور فرمایا کہ تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو قریش کا ہوا۔ یہود نے بجائے نصیحت حاصل کرنے انتہائی سخت زبان استعمال کی اور کہا کہ قریش تدابیر جنگ سے ناواقف تھے۔ اگر ہم سے لڑو گے تو جان جاؤ گے کہ ہم مرد ہیں۔ ہمیں قریش مکہ کی طرح مت سمجھنا۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو قینقاع کا جواب سن کر صبر کیا اور اپنے صحابہ کو بھی صبر کی تلقین فرمائی۔ ایک روز ایک انصاری عورت بنو قینقاع کے کسی سنار کی دکان پر گئی۔ اس سنار یہودی نے مسلمان عورت کے ساتھ بدتمیزی کی اور باقی لوگ قہقہے لگاتے رہے۔ وہاں ایک انصاری موجود تھا۔ اُس نے یہودی کو قتل کر دیا۔ جواباً سارے یہود نے اکٹھے ہو کر اس مسلمان انصاری کو شہید کر دیا۔ وہاں جب دوسرے مسلمان پہنچے تو یہودی مسلح ہو کر حملہ کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ خبر رسول اللہ ﷺ پہنچی تو آپ ﷺ نے فوراً اپنے جانبازوں کا دستہ تیار کیا۔ اس بار بھی حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ خدمت میں پیش کیا اور بنی قینقاع کا صفایا کرنے کے لیے اس جیشِ محمدی ﷺ میں شامل ہو گئے۔ ۱۵ شوال سن ۲ ہجری بمطابق ۱۰ اپریل ۶۲۴ء حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت ابولبابہؓ بن عبدالمنذر انصاری کو خلیفہ مقرر کیا۔ جب قبیلہ بنو قینقاع پہنچ گئے تو وہ یہودی جو بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے، اپنے ۷۰۰ فوجی جن میں ۴۰۰ زرہ پوش تھے، مسلمانوں کا دستہ دیکھ کر قلعہ میں روپوش ہو گئے۔ مسلمانوں نے ۱۵ دن تک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ ۱۵ دن کے محاصرے کے بعد اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سب کے سب گرفتار ہو گئے۔ گرفتاری کے بعد رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی درخواست پر سارے یہودیوں کو زندہ چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے جلاوطن کر دیا گیا۔ جلاوطنی کے بعد یہ لوگ خیبر میں رہنے لگے۔

غزوہ بنو قینقاع کے بعد مسلمانوں کو جو فائدہ سب سے زیادہ ہوا، وہ یہ تھا کہ یہودیوں کا

غرور بھی مشرکین مکہ کی طرح خاک میں مل گیا اور مدینہ سے یہودیوں کا خطرہ بھی تقریباً ٹل گیا کیونکہ یہود کے باقی قبیلے اس طرح سرکش نہیں تھے۔ بنوقینقاع نے صرف اسلامی لشکر کے بارے میں سنا تھا لیکن جب دیکھ لیا کہ یہ وہ عظیم جانباز ہیں جو میدان جنگ میں اپنے باپ دادا، بھائی اور بیٹوں کو بھی معاف نہیں کرتے اور ان کی تلواریں سب کے خلاف ایک جیسی چلتی ہیں تو قلعہ میں چھپ جانے میں عافیت سمجھی۔ کسی کو تلوار چلانے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔

☆☆☆

غزوۂ بنوقینقاع سے فارغ ہو کر امین الامت ابوعبیدہؓ بن جراح نے مدینہ میں ایک ماہ قیام کیا۔ اسی قیام کے دوران آپ مسلسل دیگر صحابہؓ کے ساتھ جہادی مشقین کرتے رہے کیونکہ مسلمانوں کے اندرونی اور بیرونی مسائل دن بدن بڑھتے رہے۔ ہر وقت دشمن کا خطرہ رہتا تھا۔ ایک طرف مشرکین مکہ کے سرغنے ابوسفیان، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ سرگرم تھے، تو دوسری طرف منافقین اور یہود اپنی سازشوں اور شرانگیزی سے باز نہیں آرہے تھے۔ ابوسفیان نے نذر مانی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدر کا بدلہ نہ لے لوں اُس وقت تک سر پر تیل نہیں لگاؤں گا اور نہ غسل کروں گا۔ اس لیے ابوسفیان ۴ ذی الحجہ سن ۲ ہجری کو اپنی قسم پوری کرنے کے لئے دوسو اونٹ سواروں کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف نکلا اور مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر وادی قناۃ کے پاس کوہ نیب کے دامن میں خیمہ زن ہوا۔ ابوسفیان نے بنونضیر کے پاس پناہ لی اور رات کو پچھلے پہر میں وہاں سے نکل کر مدینہ کی طرف چل پڑا۔ ابوسفیان کے دستے نے مدینہ کے اطراف میں عریض نامی جگہ پر حملہ کر دیا اور وہاں مسلمانوں کے کھیتوں اور باغات کو آگ لگا دی۔ اس کے علاوہ وہاں ایک انصاری اور ان کا ایک حلیف پا کر ان دونوں کو قتل کر دیا اور تیزی سے مکہ بھاگ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سنتے ہی ۵ ذی الحجہ سن ۲ ہجری بمطابق ۲۹ مئی ۶۲۴ء کو حضرت بشیرؓ بن عبدالمنذر انصاری کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور دوسو جانباز ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اس بار بھی سیدنا ابوعبیدہؓ بن جراح نے اطلاع سنتے ہی اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اس غرض سے کہ آج واقعہ بدر کی تاریخ دہرانی ہے، مدینہ سے نکل گئے۔ لیکن ابوسفیان اس قدر تیزی سے بھاگا کہ بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو کی بوریاں اور بہت سارا ساز و سامان جو وہ

اپنے ساتھ لایا تھا پھینکتا چلا گیا۔ یہ سارا مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ عربی زبان میں ستو کو سویق کہتے ہیں اس لیے اس لڑائی کا نام غزوہ سویق پڑ گیا۔

سیدنا ابوعبیدہ رضؓ بن جراح کا پچھلے گیارہ ماہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلسل یہ ساتواں فوجی مہم تھا۔ اگرچہ ہر مرتبہ اسلام کی سربلندی کی نیت سے میدان جنگ میں اُترنے کا ارادہ کیئے ہوئے نکلے تھے لیکن لڑائی کی نوبت صرف غزوہ بدر میں آئی تھی۔

☆☆☆

مدینہ سے باہر عراق کے راستے میں ۹۶ میل دور ایک علاقہ تھا جو قرقرۃ الکدر یا قرارۃ الکدر کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں پر مقام معدن میں بنی سلیم کا قبیلہ آباد تھا۔ بنو سلیم نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کی اور مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لیے یہ قبیلہ مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ لیکن قربان جاؤں رسول اللہ ﷺ جنگی تدابیر کے کہ جہاں سے خطرہ کی گھنٹی بجتی فوراً مسلمانوں کو آگاہ کرتے اور معاملہ حل کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر مسئلہ مذاکرات اور امن سے حل ہوسکتا تھا تو مذاکرات کرتے لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو سانپ کا سر کچلنے میں دیر نہیں کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو اس خطرے سے آگاہ کیا اور آگاہی کا مطلب یہ کہ میدان جنگ کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی۔ رسول اللہ ﷺ آواز پر لبیک کہتے ہوئے دو سو جانبازوں کا ایک دستہ تیار ہو گیا جن میں حضرت ابوعبیدہ رضؓ بن جراح بھی شامل تھے۔ ۹۶ میل کا فاصلہ طے کر کے جب وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ لوگ وہاں اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ یہاں سے ایک غلام گرفتار ہوا جن کا نام یسار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بعد میں اس کو آزاد کر دیا۔ مدینہ سے رسول اللہ ﷺ مجاہدین سنہ۔ ۳ ہجری ۱۵ محرم کو نکلے تھے اور پندرہ دن کے بعد اسلامی لشکر بخیریت واپس مدینہ آ گیا۔ یہ مہم غزوہ قرقرۃ الکدر کے نام سے مشہور ہے۔

اگرچہ اس غزوہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی لیکن یہ ان کے لیے بہت تکلیف دہ سفر تھا کیونکہ ۹۶ میل مدینہ سے دُور گئے تھے اور یہ سفر اُنہوں نے گھوڑوں اور اونٹوں پر کیا۔ تو اس بات سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی زندگی اسلام کی خاطر کتنی مشکلات میں بسر ہوئی تھی کہ جب سے جہاد

فرض ہوا اُس دن سے سیدنا ابوعبیدہؓ کی زیادہ تر زندگی میدان جنگ میں گزری۔ اول تو مدینہ میں قیام بہت تھوڑا ہوتا اور جو قیام ہوتا بھی تو وہ جنگی تیاری میں صرف ہوتا کیونکہ وہ لڑائیاں ایسے نہیں جیتی جا سکتی تھی اس کے لیے جذبۂ ایمانی کے ساتھ ساتھ جنگی اُمور میں مہارت کی سخت ضرورت تھی۔ اس لیے مدینہ میں قیام بھی آرام نہیں ہوتا تھا بلکہ جنگی تربیت کا ایک حصہ تھا۔

☆☆☆

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو مدینہ پہنچ کر کچھ آرام کا وقت ملا۔ صفر کا پورا مہینہ اور ربیع الاول کے ابتدائی دِن مدینہ میں قیام کیا لیکن اس دوران بھی وہ نہ میدان جنگ کی تیاری بھولے اور نہ راتوں کو اٹھ کر نوافل میں اللہ کے سامنے رونا بھولے۔ دن کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے کے ساتھ ساتھ شمشیر زنی اور تیغ زنی کی مشقیں کرتے جبکہ رات کو اٹھ اٹھ کر اللہ کے سامنے آہ وزاری کرتے تھے۔ دن کے وقت اگر کوئی آپ کو دیکھتا تو سمجھتا کہ عرب کا سب سے تیز جنگجو اور شہسوار یہی ہے لیکن جب رات کے وقت نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی شہسوار ابوعبیدہؓ ہیں۔

ماہ ربیع الاول سنہ۔ ۳ ہجری میں رسول اللہ ﷺ اطلاع ملی کہ بنی غطفان اور بنی ثعلبہ کی ایک بہت بڑی جمعیت مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ کی طرف آرہی ہے۔ اطلاع ملتے ہی حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح جو پہلے سے مدینہ میں شمشیر زنی میں مصروف تھے اور جنگی تیاری کرر ہے تھے، فوراً حاضر ہوئے اور مسلمانوں کی ساڑھے چار سو مجاہدین کی فوج تیار ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت عثمانؓ بن عفان کو خلیفہ مقرر کر کے مقام ''ذی امر'' کارخ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس جانباز دستے نے مقام ذی امر کے قریب پہنچ کر قیام کیا۔ وہ یہودی اور سرکش غیر مسلم جو مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے جب اسلامی لشکر کی کوچ کا پتہ چلا تو اپنے گھروں کو خالی چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں بدوؤں پر رعب ودبدبہ قائم کرنے اور انہیں مسلمانوں کی طاقت کا احساس دلانے کے لئے تقریباً ایک مہینے تک قیام کیا اور اس کے بعد واپس مدینہ تشریف لائے۔ یہ غزوہ، غزوہ ذی امر کے نام سے مشہور ہے۔

غزوہ ذی امر کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اردگرد کے دشمنان اسلام کو پتہ چلا کہ مسلمان ایک بیدار قوم ہے جو اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ یہودیوں کا ایک بہت بڑا

بہادر جنگجو، جو رسول اللہ ﷺ قتل کرنے کی غرض سے آیا تھا آپ ﷺ کرامات دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

☆☆☆

۶ جمادی الاول سنہ۔ ۳ ہجری بمطابق ۲۵ ا کتوبر ۶۲۴ء کو حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو دوبارہ بنی سلیم کے خلاف لڑنے کے لیے نکلنا پڑا کیونکہ یہی بنی سلیم مدینہ سے باہر مسلمانوں کے خلاف سازش شروع کرنے والے ہی تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن مکتوم کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے رسول اللہ ﷺ سو صحابہؓ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے نکلے تا کہ بنی سلیم کی اس سازش کو نیست و نابود کر دیں۔ مدینہ سے نکل کر ۶۹ میل کے فاصلے پر بحران نامی مقام پر مسلمان پہنچ گئے لیکن بنی سلیم کو اطلاع ملتے ہی وہ بھاگ گئے۔ اس غزوہ میں بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ یہ مہم غزوہ بحران یا غزوہ بنی سلیم کے نام سے مشہور ہے۔

سیدنا ابوعبیدہؓ بن جراح کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اب تک وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلسل گیارہویں غزوے میں شانہ بشانہ رہے چاہے جنگ ہوئی ہو یا نہیں۔ ان جنگی مہمات کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے خلاف لوٹ مار اور چھاپہ مار حملے ختم یا کافی حد تک کم ہو گئے۔ دوسرا فائدہ جو مسلمانوں کو ہو رہا تھا وہ یہ کہ اگر چہ رسول اللہ ﷺ ران کے جانثار حضرت ابوعبیدہؓ اور دیگر صحابہؓ تو مسلسل سفروں میں رہے لیکن باقی مدینے والے لکمل آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اہل مدینہ کی عورتیں اور بچے پر امن رہے اور کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ مدینہ کو میلی آنکھ سے دیکھے۔ یہ بات کسی سعادت سے کم نہیں ہے کہ ابوعبیدہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ابوعبیدہؓ کے رسول اللہ ﷺ ساتھ رہنے کے دو وجوہات تھیں۔ ایک تو رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے دور رہنا پسند نہیں کرتے تھے اور دوسری وجہ عام مسلمانوں کی فکر یعنی اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر دوسروں کو سکون دینا۔

☆☆☆

غزوہ بدر کے بعد قریش نے متفقہ فیصلہ کیا تھا کہ مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا جائے۔ اس معاملے میں سرداران قریش میں سے ابوسفیان، عکرمہ بن

ابوجہل، صفوان بن امیہ اور عبداللہ بن ربیعہ سب سے پر جوش اور پیش پیش تھے۔ ابوسفیان کا وہ قافلہ جو جنگ بدر کا باعث بنا تھا، جس میں ۵۰ ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ شامل تھے، اس قافلے کا مال مالکوں میں تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ سامانِ جنگ کی تیاری میں لگا دیا گیا۔ قریش مکہ نے اردگرد قبیلوں کی طرف شعراء روانہ کئے۔ انہوں نے شعروشاعری کے ذریعے اس لڑائی میں امداد اکٹھا کرنا شروع کردی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ اس دفعہ عورتوں کی ایک کثیر تعداد بھی جمع ہوگئی تھی۔ ان لوگوں کا مدینہ کے یہود کے ساتھ برابر کا رابطہ تھا اس لیے وہ مسلمانوں کی تمام نقل وحرکت سے آگاہ تھے۔ پورا سال تیاری کرنے کے بعد آخر کار تین ہزار جنگجوؤں کا ایک لشکر تیار ہو کر ماہِ شوال سن ۳ ہجری میں مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ ان تین ہزار فوجیوں کے علاوہ مقتولین بدر کی لڑکیاں اور عورتیں بھی ان کے ہمراہ تھیں اس لیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں۔ شعراء بھی ساتھ تھے جو اپنے اشعار سنا کر راستہ بھر بہادروں کے دلوں میں لڑائی کا جوش اور شوق پیدا کرتے رہے۔ قریش میں عورتوں کی سردار ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ تھی جبکہ مردوں کا سردار ابوسفیان تھا۔ سوار دستے کا سالار خالد بن ولید تھا۔

مشرکین مکہ نے کسی کو غیرت دلا کر تو کسی کو لالچ دے کر لڑائی کے لیے تیار کیا تھا۔ مقتولین کے ورثاء کو غیرت دلاتے کہ دیکھو تمہارے اوپر تمہارے بھائی باپ اور بیٹے کا خون قرض ہے اسی طرح کسی کو لالچ دے کر تیار کیا گیا تھا۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام وحشی تھا اس کو بھی ہمراہ لے لیا گیا کیونکہ وہ نیزہ بازی میں بہت ماہر تھا اور اس کا مارا ہوا نیزہ کبھی چُوکتا نہیں تھا۔ جبیر بن مطعم نے کہا کہ اگر تو نے میرے چچا طُعیمہ بن عدی کے بدلے محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا، اس طرح ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے کہا کہ اگر تم نے میرے باپ کے قاتل امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو میں تجھے اپنے تمام زیورات انعام میں دوں گی۔ الغرض تین ہزار کا ایک لشکر جرار تیار ہو کر مکہ سے مدینہ کی طرف چل پڑا۔

کفار مکہ کا یہ لشکر مکہ سے نکلتے ہی رسول اللہ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے اطلاع مل گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر لڑنا بہتر رہے گا یا باہر نکل کر۔ رسول اللہ ﷺ اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر دفاعی جنگ لڑی جائے کیونکہ آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا

کہ کچھ گائیں ذبح کی جارہی ہیں نیز آپ ﷺ تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک ایک محفوظ زرہ میں ڈال دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے گائے کی یہ تعبیر بتلائی کہ کچھ صحابہ شہید کئے جائیں گے۔ تلوار میں شکستگی کی یہ تعبیر بتلائی کہ آپ ﷺ کے گھر کا کوئی آدمی شہید ہوگا اور محفوظ زرہ کی تعبیر یہ بتلائی کہ اس سے مراد شہر مدینہ ہے۔

فضلاءِ صحابہؓ کی ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکلا جائے اور میدان جنگ میں دشمن سے لڑا جائے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک کوئی غذا نہیں چکھوں گا جب تک کہ مدینے سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان مشرکین سے دو بدو نہ لڑوں حالانکہ بعض اکابر صحابہ کرام ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، ابوعبیدہؓ بن جراح اور زبیرؓ بن عوام نے بھی رسول اللہ ﷺ رائے کی تائید کی۔ اسی طرح رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی نے بھی رسول اللہ ﷺ رائے کی تائید کی حالانکہ اس کا مقصد جنگ سے دور رہنے کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری فیصلہ یہ ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں معرکہ آرائی ہو جائے۔

۶ شوال سنہ۔ ۳ ہجری بروز جُمعہ نماز عصر کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر مسلح ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہتھیار زیب تن کئے ہوئے لوگوں کے سامنے تشریف لائے تو جن لوگوں نے باہر لڑنے کی رائے دی تھی وہ بھی کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہمیں آپ ﷺ رائے کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے تھی اگر آپ ﷺ پسند فرماتے ہیں کہ مدینہ کے اندر ہی مدافعت کی جائے تو ایسا ہی کیجئے ہمیں کوئی عذر نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی نبی جب اپنا ہتھیار پہن لے تو مناسب نہیں کہ اُسے اتارے جب تک اللہ اُس کے اور اُس کے دشمن کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے۔“

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت عبد اللہؓ بن مکتوم کو خلیفہ مقرر کر کے ایک ہزار کا فوجی دستہ لے کر مدینہ سے نکلے۔ مدینہ سے دو یا ڈیڑھ میل کے فاصلے پر اُحد کے قریب مقام شوط پر منافقوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ عبد اللہ بن اُبی نے اپنے ساتھ تین سو منافقین کو واپس کر دیا اور کہا کہ جب ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم خواہ مخواہ لڑنے کے لیے کیوں جائیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی تعداد

تقریباً سات سو یا اس سے بھی کم رہ گئی جبکہ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔

اگلے دن صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن جبیر کی کمان میں پچاس ماہر تیز اندازوں کا ایک دستہ ایک گھاٹی پر مقرر کیا اور انہیں نہایت سخت احکامات کے ساتھ وہاں پر رہنے کی تاکید فرمائی۔ میمنہ پر حضرت مُنذر بن عمروؓ جبکہ میسرہ پر حضرت زبیر بن عوامؓ امیر مقرر ہوئے۔ لشکر کے اگلے حصے یعنی مقدمۃ الجیش پر حضرت امیر حمزہؓ کو مقرر کیا گیا اور ان کے ساتھ ایسے ممتاز اور بہادر مسلمان رکھے گئے جو اپنی جانبازی اور دلیری میں مشہور تھے اور جن میں ایک ایک بندہ ہزاروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ انہی جانبازوں میں سے حضرت علیؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ابودجانہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے مردمجاہد بھی موجود تھے۔

فریقین کی صف بندی کے بعد لڑائی کا مرحلہ شروع ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرف سے اعلان جنگ ہوتے ہی اسلامی لشکر کے جانباز مشرکین کی صفوں میں گھس گئے۔ حضرت امیر حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابودجانہؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح ایسے مردانگی سے لڑے کہ کافروں کی صفوں میں گھس گھس کر وار کرنے لگے۔ حضرت ابودجانہؓ مشرکین مکہ کے صفوں کو توڑ کر عورتوں تک پہنچ گئے لیکن ان کے خلاف تلوار اٹھاتے ہوئے شرم مانع ہوئی۔ ایسی گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی تھی کہ ہر طرف خون ہی خون نظر آرہا تھا مشرکین مکہ کے پاؤں کانپنے لگے۔ شکست کے آثار ان کو نظر آنے لگے اور نظر کیوں نہ آتے ایسے عظیم الشان مجاہدین لڑ رہے تھے جو موت کو لبیک کہتے تھے۔ نہ جان کی پرواہ، نہ مال کی پرواہ، بس ایک ہی مقصد تھا کہ دشمنان اسلام کو مٹا دیا جائے۔

جنگ کا پہلا ایندھن مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ بنا۔ جو حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ مشرکین کا پرچم معرکے کا مرکز ثقل بنا ہوا تھا۔ جب کوئی علم بردار قتل ہوتا تو فوراً دوسرا جھنڈا اٹھاتا اسی طرح قریش کے بارہ علمبردار یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ مشرکین مکہ سمجھ گئے کہ جھنڈا اُٹھانا اصل میں خود کو موت کی دعوت دینے کے مترادف ہے اس لیے جھنڈا زمین پر ہی پڑا رہا۔

حضرت امیر حمزہؓ مشرکین مکہ کے قلب میں شیر کی طرح لڑ رہے تھے۔ ان کے سامنے سے بڑے بڑے بہادر اس طرح بکھر جاتے جیسے تیز آندھی میں پتے اُڑ رہے ہوں۔ اسی اثنا میں ایک حبشی

غلام وحشی نے چھپ چھپا کر نیزے کا ایک بزدلانہ وار کیا جو سیدھا آپ کی ناف کے نیچے لگا اور آر پار گزر گیا۔ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بے اختیار گر کر شہید ہو گئے۔ شیر رسول حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت مسلمانوں کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تھا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا۔ حضرات ابوبکر، عمر، علی، ابوعبیدہ، زبیر، طلحہ، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، ابودجانہ، نضر بن انس اور مصعب بن عمیر وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ایسی پامردی اور جانبازی سے لڑے کہ مشرکین کے چھکے چھوٹ گئے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دوپہر تک مشرکین مکہ کے حوصلے خاک میں مل چکے تھے۔ پہلے وہ الٹے پاؤں مڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے رہے لیکن جب دیکھا کہ جانباز بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں تو پشت پھیر کر فرار ہونے میں عافیت سمجھی۔ وہ عورتیں جو دف بجا بجا کر اشعار گا رہی تھیں اور اپنے مردوں کو غیرت دلاتی تھیں، اپنی غیرت بھول کر وہ دف اور اپنا سارا سامان چھوڑ کر بدحواسی کی عالم میں بھاگ گئیں۔

عین اس وقت جب اسلامی لشکر اہل مکہ کے خلاف تاریخ کے اوراق پر ایک اور شاندار فتح ثبت کر رہا تھا، جبل رماۃ پر مقرر کردہ تیر اندازوں کی اکثریت نے ایک خوفناک غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اس دستے کے چالیس تیر انداز اپنا مقام چھوڑ کر میدان جنگ میں آگئے کیونکہ ان کو یقین ہو گیا کہ کفار کو اب شکست ہو گئی ہے۔ خالد بن ولید نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دستے کے ساتھ اسلامی لشکر کی پشت سے حملہ کر دیا اور چند لمحوں میں عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سمیت وہاں موجود دس صحابہ کو شہید کر دیا۔ خالد بن ولید کے اس حملے نے مشرکین مکہ میں ایک نئی روح پھینکی۔ دوسری طرف سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے کی ایک مشرک عورت عمرہ بنت علقمہ نے لپک کر مشرکین کا جھنڈا اُٹھالیا۔ جھنڈے کا اُٹھانا تھا کہ بکھرے ہوئے مشرکین پھر سے اکٹھے ہو گئے اور جم کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان ہر طرف سے کفار کے نرغے میں آگئے۔ اسی دوران ابن قیمیہ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر پر حملہ کر کے شہید کر دیا چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے اس لیے اس نے بلند آواز میں کہا : لات وعزیٰ کی قسم! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا ہے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے۔ ان پر قیامت برپا ہو گئی اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے۔

انتشار اور آزمائش کے اس عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے صحابہ کرام کو بلایا :

اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ بس پھر کیا تھا وہ مقام لڑائی کا مرکز بن گیا۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت علیؓ اور زبیر بن عوامؓ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر مشرکین کی صفوں میں گھس کر انتہائی بے دردی سے لڑ رہے تھے۔ اس نازک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سعد بن ابی وقاصؓ اور طلحہ بن عبیداللہؓ رہ گئے تھے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے تھے لیکن مشرکین کے اس سیلاب کو روکنا ان دو جانثاروں کی بس کی بات نہیں تھی۔ اسی دوران سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر مارا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلو کے بل گر گئے اور آپ کا نچلا دانت مبارک بھی ٹوٹ گیا۔ عبداللہ بن شہاب زہری کے وار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی مبارک زخمی ہوگئی عین اُسی وقت ابن قمیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ کر تلوار سے وار کیا جس سے خود کے دو حلقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں آنکھ مبارک سے نیچے کی ہڈی میں گھس گئے۔

ابن حبان نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اُحد کے دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام گاہ میں چھوڑ کر مشرکین کے صفوں میں گھس گئے تھے کہ اچانک مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال آیا۔ میں پہلا شخص تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پلٹا، دیکھا تو ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرف سے لڑ رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچانے کی بھر پور کوشش کر رہا ہے۔ میں نے کہا، تم پر میرے ماں باپ فدا ہو تم طلحہؓ ہو۔ اتنے میں ایک شہسوار جو اس طرح دوڑ رہے تھے، گویا ایک چڑیا اُڑ رہی ہو، میرے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا۔ اے اللہ! اسے خوش نصیبی عطا فرما۔ دیکھا تو وہ امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ تھے۔ اب ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرف دوڑے، جب پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خُود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھی۔ میں نے انہیں نکالنا چاہا تو ابوعبیدہؓ نے کہا۔ اے ابوبکرؓ! میں اللہ کے لیے تم سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار سے اسے کھینچ لوں۔ تب میں نے انہیں اجازت دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے خود کا ایک حلقہ اپنے دانتوں سے پکڑ کر آہستہ آہستہ نکالنا شروع کیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذیت نہ پہنچے۔ بالآخر آپ نے کڑی کھینچ کر نکالی لیکن آپ پشت کے بل گر پڑے اور ایک نچلا دانت ٹوٹ گیا۔ اب دوسری کڑی میں نے نکالنا چاہی لیکن

ابو عبیدہ رضؓ نے مجھے پھر خدا کا واسطہ دے کر منع فرمایا۔ اس کے بعد دوسری بھی آہستہ آہستہ کھینچی لیکن اُن کا دوسرا نچلا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے آپ رضؓ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ابو عبیدہ رضؓ بن جراح بغیر سامنے کے دانتوں کے لوگوں میں سب سے خوب صورت نظر آتے تھے۔ (طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۲۸۸)

سیدنا ابو عبیدہ رضؓ بن جراح کو الاثرم بھی کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ محبت میں اپنے دو دانت قربان کئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ اکثر حضرت ابو عبیدہ رضؓ کے بارے میں فرماتے، میں نے کبھی بھی بغیر سامنے کے دانتوں کے اپنی زندگی میں ابو عبیدہ رضؓ سے زیادہ خوبصورت اور اچھی شکل والا شخص نہیں دیکھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے اس کارنامے پر بہت فخر کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے یہ دانت رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اطہر سے آہنی کڑیاں نکالتے وقت ٹوٹے تھے اور یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے ابو عبیدہ رضؓ کی قسمت میں لکھی تھی۔

حضرت ابو بکر رضؓ اور ابو عبیدہ رضؓ کے بعد صحابہ کرام کی ایک جماعت یکے بعد دیگرے آن پہنچی۔ جن میں حضرت عمر رضؓ، حضرت ابو دجانہ رضؓ، حضرت علی رضؓ اور حضرت زبیر بن عوام رضؓ وغیرہ شامل تھے۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین کی تعداد اور دباؤ میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کمان سے خود اتنے تیر چلائے تھے کہ اس کا کنارہ ٹوٹ گیا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ کو رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے بے شمار زخم آئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چھوٹے سے دستے کو منظم طریقے سے پیچھے ہٹاتے ہوئے پہاڑ کی گھاٹی میں واقع کیمپ تک پہنچا دیا۔ ابوسفیان اور خالد کے دستوں نے گھاٹی تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے انہیں ناکام بنا دیا۔ اس کے بعد قریش نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور جاتے جاتے شہداء کا مُثلہ کیا ان کے ہاتھ، کان اور ناک وغیرہ کاٹ لئے۔ مشرکین کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شہداء کی تدفین کی۔ آپ ﷺ نے دو دو تین تین شہداء کو ایک ہی قبر میں دفن فرما دیا۔

شہداء کی تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا رخ کیا۔ صحابہ تقریباً سب کے سب زخمی ہو چکے تھے۔ غزوہ اُحد میں مسلمان شہداء کی تعداد ستّر تھی۔ جن میں انصار کی تعداد پینسٹھ تھی، اکتالیس خزرج سے اور چوبیس اوس سے۔ جبکہ ایک یہودی تھا اور صرف چار مہاجر تھے۔ قریش

کے مقتولین کی تعداد بائیس یا سینتیس تھی۔

اُسی روز ہفتہ کے دن ۷ شوال سنہ۔ ۳ ہجری کو رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے۔ صحابہ نے آپ ﷺ خصوصی ہدایات کے پیش نظر ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات ہنگامی حالت میں گزاری اور باوٴجود اس کے کہ جنگ نے انہیں چُور چُور کر رکھا تھا پوری رات مدینہ سے باہر راستوں اور گزرگاہوں پر پہرہ دیتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی پوری شب بیداری میں گزاری اور جنگ سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کرتے رہے۔ لہٰذا صبح ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے پھر سے صحابہؓ کو مدینہ سے باہر ابوسفیان کے لشکر کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ آج صرف وہ لوگ جائیں گے جو کل میدان اُحد میں شریک تھے۔ عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ مسلمانوں کی تعداد کل کی نسبت کم تھی کیونکہ ۷۰ صحابہؓ تو شہید ہو گئے تھے اور کچھ شدید زخمی تھے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ حالت میں روانہ ہوئے تھے کہ چہرہ مبارک اور کندھا شدید زخمی تھا۔ دندان مبارک ٹوٹے ہوئے تھے اور نیچے کا ہونٹ مبارک اندر کی جانب زخمی تھا اور دونوں زخمی ہوئے تھے، لیکن ان تمام حالات کے باوجود مدینہ سے باہر آٹھ میل کے فاصلے پر حمراء الاسد نامی مقام تک پہنچ کر پڑاوٴ ڈالا۔

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جو اندیشہ محسوس کیا تھا کہ مشرکین ضرور مدینہ کی طرف پلٹ کر حملہ کر دیں گے، وہ بالکل صحیح تھا۔ کفار کا لشکر مقام روحاء میں پڑاوٴ ڈالے ہوئے تھا اور مسلمانوں کے خلاف حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ یہی کہتے تھے کہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا ہے وہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر ماتم کر رہے ہوں گے اور ہم اچانک حملہ کر لیں گے جس طرح بدر میں انہوں نے ہمارے بندے جنگی قیدی بنائے تھے اور مال غنیمت لیا تھا ہم بھی اس کا بدلہ لیں گے لیکن مشرکین مکہ ایک بات بھول رہے تھے کہ یہ اسلام کے جانباز ماتم کرنے والے نہیں ہیں۔ انہوں نے باپ کا سر کاٹنے پر ماتم نہیں کیا تو آج کیوں کریں گے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح زخموں سے چُور اور سامنے کے دو دانت ٹوٹے ہوئے تھے لیکن پھر بھی اس دن ایک نوجوان سپاہی کی طرح نظر آ رہے تھے جب بھی وہ رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو اپنے ساری مصائب بھول کر رسول اللہ ﷺ فکر میں مبتلا ہو جاتے۔

مشرکین کا لشکر مدینہ کی طرف رُخ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ راستے میں بنو ہاشم کا ایک

حلیف معبد بن ابی معبد خزاعی جس نے مسلمانوں کو مقام حمراء الاسد پر دیکھا تھا، ایک اعصابی پروپیگنڈا کرتے ہوئے ابوسفیان کو بتا دیا کہ مسلمانوں کا لشکر حمراء الاسد میں پہنچ چکا ہے اور عنقریب بہت جلد تم تک پہنچنے والے ہیں۔ اتنی بڑی جمعیت میں نے کبھی زندگی میں نہیں دیکھی ہے۔ مدینے کے تمام قبائل انتقام کی غرض سے نکل چکے ہیں۔ لہٰذا بھلائی اس میں ہے کہ فوراً مکہ کوچ کر جائیں۔ یہ خبر سن کر لشکر کفار بدحواس ہو کر وہاں سے سیدھا مکہ کی جانب روانہ ہوا اور مکہ پہنچ کر دم لیا۔ مسلمان مجاہدین نے جب دیکھا کہ کفار بھاگ چکے ہیں تو وہاں سے واپس مدینہ آ گئے۔ غزوہ حمراء الاسد کا ذکر اگرچہ ایک مستقل نام سے کیا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ غزوہ اُحد ہی کا ایک جزو تھا۔

☆☆☆

غزوہ اُحد کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پر بہت بُرا اثر پڑا۔ یہود، منافقین اور بدوؤں نے کُھل کر عداوت کا مظاہرہ کیا اور موقع پاتے ہی چھاپہ مار قسم کی کاروائی کرتے رہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اپنا زیادہ تر وقت جنگی تربیت اور مشق میں گزارنے لگے اور پہلے سے زیادہ کوششیں شروع کر دیں کیونکہ ان کے ذمے رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک اور چہرے مبارک کے زخم کا قرض تھا، ساتھ ہی اردگرد کے قبائل کے حالات کا جائزہ بھی لیتے رہے۔

ربیع الاول سنہ ۴ ہجری بمطابق اگست ۶۲۵ء میں رسول اللہ ﷺ کسی مصلحت کی غرض سے قبیلہ بنی نضیر تشریف لے گئے۔ یہ یہود کا ایک طاقتور اور جنگجو قبیلہ تھا جو مدینہ کی اطراف میں رہائش پذیر تھا۔ ان لوگوں نے وہاں رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہود کے ارادے سے باخبر کر دیا اور آپ ﷺ اُٹھ کر مدینہ آ گئے۔ مدینہ پہنچتے ہی رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو یہود کے ارادے سے باخبر کر دیا اور بنی نضیر کی طرف قاصد بھیجا کہ دس دن کے اندر اندر شہر سے نکل جاؤ، ورنہ ہم تمہارے خلاف حملہ آور ہونگے کیونکہ تم لوگوں نے خود معاہدہ توڑ دیا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں کو جب خبر ملی تو انہوں نے اردگرد کے لوگوں سے مشورے شروع کئے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے کہلا بھیجا کہ اپنی جگہ ڈٹ جاؤ، میں اور تمام یہود قبائل تمہارے حلیف ہیں۔ جب ان کو یقین دہانی کرائی گئی تو انہوں نے بڑی بدتمیزی سے جواب دیا کہ آپ جو کر سکتے ہیں کر لیں ہم نہیں نکلیں گے۔

بس اس بات کا انتظار تھا کہ مدینہ میں نعرۂ تکبیر کی صدا بلند ہوئی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بنونضیر کے محاصرے کے لیے نکل گئے۔ وہ قلعہ بند تھے مسلمانوں نے پندرہ دن تک محاصرہ جاری رکھا لیکن کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آیا۔ آخر کار وہ قلعے سے باہر نکل کر معافی مانگنے پر مجبور ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ شہر سے باہر نکل جاؤ اور جتنا ساز وسامان تم لوگ اونٹوں پر لاد سکتے ہو صرف وہ اُٹھا کے لے جاسکتے ہو۔ آخر کار بنونضیر نے مدینہ چھوڑ کر خیبر کا رُخ کیا۔

اس غزوہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بنونضیر کو ملک بدر کر دیا گیا اور یوں مسلمانوں کے خلاف سازش اور چال کرنے والوں کا ایک اور باب بند ہو گیا۔ یہ غزوہ بنی نضیر کے نام سے مشہور ہے۔ بنی نضیر کے جانے سے منافقوں کو بہت رنج ہوا تھا کیونکہ یہ عبداللہ بن اُبی کے خاص حامی تھے۔

☆☆☆

غزوہ احد میں ابوسفیان نے مسلمانوں کو خبردار کیا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر دوبارہ آمنا سامنا ہوگا۔ سال تیزی سے ختم ہونے والا تھا۔ بالآخر وہ وقت آن پہنچا چنانچہ ۲۶ شوال سنہ۔ ۴ ہجری بمطابق ۲۱ مارچ ۶۲۶ء مسلمان جانباز ایک مرتبہ پھر واقعہ بدر کی تاریخ دھرانے کے لئے پرعزم ہو گئے

۔

مدینہ میں منافقین کی طرف سے کچھ افواہیں پھیل گئی تو بعض مسلمان فکرمند ہو گئے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی ایک شخص بھی میرے ہمراہ نہ چلے تو میں تن تنہا حسب وعدہ کفار کے مقابلہ کے لئے بدر کے میدان میں جاؤں گا۔ یہ خبر سن کر چند اکابر صحابہ جن میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سر فہرست تھے، ان کا خون کھول اُٹھا اور مسلح ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیار ہو گئے۔ ان حضرات کا جذبہ ایثار دیکھ کر بہت کم وقت میں پندرہ سو جانبازوں کا ایک لشکر تیار ہو کر میدان بدر کی طرف روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر کے مدینہ ان کے سپرد کیا۔

دوسری طرف ابوسفیان بھی دو ہزار مشرکین کی جمعیت لے کر روانہ ہوا اور مکہ سے باہر وادی مرالظہر ان پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ لیکن اس بار وہ مکہ ہی سے بوجھل اور بددل تھا اور جنگ سے جان چھڑانے کی فکر میں تھا۔ خشک سالی کی وجہ سے ان کے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا صرف ستو ساتھ

لے آئے تھے اس کے سوا سامان میں کچھ نہیں تھا۔ انہیں معلوم ہوا کہ مسلمان جانبازوں کی تعداد پندرہ سو ہے اور بدر کے مقابلے میں ہتھیار بھی کافی ہیں، یہ خبر سن کر مشرکین کے اوسان خطا ہو گئے۔ ابوسفیان نے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم قحط سالی کے ایام میں جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھتے لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں۔ یہ سن کر تمام لشکر واپس مکہ چلا گیا۔ مکہ پہنچ کر عورتوں نے بھی انہیں طعنے دیئے۔

رسول اللہ ﷺ نے حسب وعدہ مقام بدر میں پہنچ کر آٹھ روز تک قیام کیا اور دشمن کے انتظار میں رہے۔ جب یقین ہو گیا کہ دشمنان اسلام واپس مکہ پہنچ گئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے بھی واپس مدینہ جانے کا حکم صادر فرمایا۔ یہ غزوہ بدر موعد، بدر ثانیہ، بدر آخرہ اور بدر صغریٰ کے ناموں سے مشہور ہے۔

جتنے دن حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ مقام بدر پر رہے ہوں گے ذہن میں ایک ہی بات بار بار آئی ہو گی کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں آج سے تین سال پہلے انہوں نے اپنے والد کا سر کاٹ دیا تھا اس مقام کا بار بار معائنہ کیا ہو گا۔ وہ پرانی یادیں آنکھوں کے سامنے بار بار آئی ہونگی اور پھر یہ بھی کہ جب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان تمام مشرکین کو ایک گڑھے میں پھینکا جا رہا تھا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اپنے باپ کی لاش کو دیکھ رہے تھے، اُس دن وہ باپ نہیں بلکہ دشمنِ خدا اور رسول کے حیثیت سے دیکھ رہے تھے۔ یہ پورا خاکہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے ذہن میں آیا ہو گا لیکن چونکہ آپ ایک خاموش طبع انسان تھے اس لئے کسی سے اس کا ذکر تک نہیں کیا اور اسی طرح مقام بدر سے واپس مدینہ چلے گئے۔

☆☆☆

غزوہ بدر صغریٰ سے فارغ ہو کر اگلے مہینے پھر مسلمانوں کو خبر ملی کہ بنی انمار اور بنی ثعلبہ نے لڑائی کے لئے کچھ لوگ مقرر کئے ہیں اور مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف حملے کا حکم صادر فرمایا۔ یہ ارشاد سن کر سیدنا ابوعبیدہ بن جراحؓ سمیت ۴۰۰ یا ۷۰۰ جانباز تیار ہو گئے اور ۱۰ محرم الحرام سنہ ۵ ہجری کو مدینہ سے کوچ کیا۔

یہ سفر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور باقی مسلمانوں کے لئے بہت مشکل تھا کیونکہ یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا زمین نوکدار اور پتھریلی قسم کی تھی۔ گرمی بھی بہت تھی حتیٰ کہ صحابہ کی ایڑیاں اور ٹخنے گرمی کی شدت سے پھٹ گئے تھے۔ اسلامی لشکر جب صحرائے نجد کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ دشمنان اسلام وہاں سے بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے ہیں۔ مسلمانوں نے وہاں قیام کیا اور پہلی

بار صلوٰۃ خوف پڑھی گئی۔

ابوموسیٰ اشعری رضؓ فرماتے ہیں کہ سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر چھ چھ بندے مقرر تھے جو باری باری سواری کرتے تھے۔ پہاڑی زمین میں پیدل چلنے سے ہمارے قدم زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے اس لئے ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر کپڑے کی پٹیاں لپیٹ لی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوے کا نام غزوہ ذات الرقاع (کپڑوں کی پٹیاں والا غزوہ) رکھا گیا۔ اس غزوہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی البتہ مسلمانوں نے یہاں تقریباً ۱۵ دن تک سخت گرمی اور پتھریلے پہاڑوں میں قیام کیا۔ یہ ۱۱ جون ۶۲۶ء کا واقعہ ہے۔ اس غزوہ میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضؓ کی عمر عیسوی سال کے مطابق تقریباً ۴۳ سال تھی۔

☆☆☆

غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر مدینہ کے قرب و جوار میں امن و امان قائم ہو چکا تھا۔ یہ جناب رسول اللہ ﷺ بہترین حکمت عملی تھی کہ جہاں سے بھی عداوت اور بغاوت کی آواز بلند ہوئی، آپ ﷺ نے فوراً اسے دبا دیا۔ اب تک دنیا میں صرف دو قوتیں جانی اور پہچانی جاتی تھی۔ ایک سلطنت روم جبکہ دوسری سلطنت فارس۔ دنیا میں ان دو طاقتوں کا بول بالا تھا اور باقی تقریباً تمام لوگ کسی نہ کسی طرح ان کے زیر اثر تھے۔ سلطنت اسلامیہ ایک تیسری قوت کے طور پر نمودار ہوئی لیکن چونکہ باوجود ایک مضبوط بنیاد کے اس کی عمارت ابھی تک نامکمل تھی اسی وجہ سے سلطنت روم و فارس نے اس قوت کو یکسر نظر انداز کیا البتہ انہوں نے تشویش کا اظہار ضرور کیا۔ ان سب حالات کے پیش نظر ملک شام کی حدود دُومتہ الجندل میں بدوں اور روم کے عیسائی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کررہے تھے اور ساتھ ہی مدینہ سے آنے والے قافلے بھی لوٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ یہ اطلاع بھی ملی کہ دومتہ الجندل میں قیصر روم کے لوگ کثرت سے جمع ہو کر وہاں مسلمانوں کے حلیف قبائل پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ لہٰذا ۲۵ ربیع الاوّل سنہ۔ ۵ ہجری بمطابق ۲۴ اگست ۶۲۶ء کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضؓ سمیت ایک ہزار کا لشکر لے کر دومتہ الجندل کا رُخ کیا۔ مشرکین کو جب یہ اطلاع ملی کہ مسلمانوں کی فوج مدینہ سے نکل چکی ہے تو وہ لوگ اپنے مویشیوں اور چرواہوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں تین دن قیام کیا لیکن لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ قیصر روم کے سپاہی جو دور سے مسلم فوج سے ٹکر لینے کے لئے

آئے تھے وہ بھی بھاگ گئے البتہ ایک آدمی زندہ گرفتار ہوا اس کو رسول اللہ ﷺ خدمت میں پیش کیا گیا آپ ﷺ نے اس کو دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

واقدی کے مطابق دومتہ الجندل تک آنے اور جانے میں ایک مہینہ لگا تھا۔ یہ مقام دمشق سے تقریباً پانچ رات جبکہ مدینہ سے ۱۵ رات کی مسافت پر ہے۔ یہ مسلمان فوج کی پہلی بار قیصر روم کے بدمعاشوں کے خلاف مہم تھی۔ اگرچہ اس بار مسلمان صرف باغیوں کا زور توڑنے آئے تھے لیکن یہ بات رومی کہاں جانتے تھے کہ اس عظیم فوج کے عظیم الشان جانباز جو دیکھنے میں تو بہت معصوم اور عام آدمی لگتے ہیں لیکن میدان جنگ میں تلوار کی دھار سے بھی تیز ہیں، ایک نہ ایک دن قیصر روم کے گھر تک پہنچ جائیں گے اور یہ لڑائی ملک شام کے سرحدوں پر نہیں بلکہ گلیوں کے اندر ہوگی اور قیصر روم کے وہ سپاہی جو شکست اور پسپائی کے نام سے ناواقف تھے، امین الامت ابوعبیدہ بن جراح ؓ ان کو اس لفظ سے آگاہ کردے گا۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے ہزار کلومیٹر دور سفر کر کے واپس آ گئے۔

بہر حال حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کی رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ ننگی تلوار کے ساتھ یہ مسلسل سترہ واں مہم تھا جس میں آپ ؓ کا جسم جہاد کے راستے میں خاک آلود ہوا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتے وقت گرد جسم پر لگنے سے جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے لیکن یہاں تو ایک دو سفر نہیں مسلسل سترہ واں سفر بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہی میں کیا اور خیر عافیت سے مدینہ پہنچ گئے۔

☆☆☆

غزوہ دومتہ الجندل سے واپسی پر حضرت ابوعبیدہ ؓ نے مدینہ میں رجب کا مہینہ قیام کیا اور شعبان کے مہینے میں ایک مرتبہ پھر یہ خبر ملی کہ بنوالمصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اور عرب کے دوسرے قبائل کو بھی ساتھ ملانے میں مصروف عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خبر کی تصدیق کے لئے حضرت بُریدہ بن حصیب ؓ کو روانہ فرمایا۔ حضرت بریدہ نے واپس آ کر خبر دی کہ حارث بن ابی ضرار مسلمانوں کی بیخ کنی پر تلا ہوا ہے۔ باقی قبائل کو بھی ساتھ ملایا ہوا ہے اور کسی طرح بھی لڑائی اور حملہ سے باز نہیں آنا چاہتا۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ جو پہلے سے آپ ﷺ کے حکم

کے منتظر تھے، جنگ کے لئے تیار ہوگئے اور سات سو مجاہدینِ اسلام میدان جنگ کا رخ کرنے لگے۔ اس غزوہ میں پہلی بار منافق لوگ بھی شامل ہوگئے تھے کیونکہ پچھلی کئی لڑائیوں میں مسلمانوں کی جیت دیکھ کر مال غنیمت کے لالچ میں نکلے تھے۔ مسلمانوں کی مخبری کے لئے حارث بن ابی ضرار نے اپنا جاسوس روانہ کیا لیکن وہ مسلمانوں کے ہاتھوں لگ گیا اور اقرار کرنے کے بعد اس کا سر کاٹ دیا گیا۔ یہ خبر سن کر حارث بن ضرار بدحواس ہو گیا اور اس پر ایسی دہشت طاری ہوگئی کہ وہ اور اس کی فوج بھاگ کر منتشر ہوگئی لیکن جب رسول اللہ ﷺ چشمہ مُریسیع تک پہنچے تو بنوالمصطلق کے باشندوں نے لشکر اسلام کا سامنا کیا اور مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن سیدنا ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ان کے دیگر ساتھی ایسی بہادری سے لڑے کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں کے جوابی حملے میں دس کفار مارے گئے اور باقی سب کے سب زندہ گرفتار ہوئے۔ گرفتار افراد کی تعداد سات سو سے زیادہ تھی۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں صحابہ کرامؓ کے ہاتھ آئیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک صحابی شہید ہو گئے تھے۔ بقول ابن اسحٰق ان کو بھی مسلمانوں نے غلطی سے دشمن کا بندہ سمجھ کر شہید کر دیا تھا۔

قیدیوں میں اُم المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث بھی تھی جو بنوالمصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھی جو حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصے میں آئی تھی۔ حارث بن ابی ضرار نے چند روز بعد مدینہ آ کر اپنی بیٹی کو آزاد کرانے کی خواہش ظاہر کی تو رسول اللہ ﷺ نے فدیہ دے کر حضرت جویریہؓ کو آزاد کرا دیا لیکن حضرت جویریہؓ نے اپنے والد کے ساتھ جانے کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند فرمایا اور مرتے دم تک وہ آپ ﷺ کے گھر میں رہیں۔

اس غزوے میں واقعہ اِفک بھی پیش آیا جو مومنین کے لئے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ یعنی عبداللہ بن اُبی اور اس کے چند منافق ساتھیوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی گئی تھی۔

اس غزوہ میں حضرت ابوعبیدہؓ بن جراحؓ اور مجاہدین تقریباً ستائیس دن تک مدینہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔ اس قسم کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی زندگی کتنی مصروف گزری تھی۔ یہاں صرف ان واقعات کا ذکر موجود ہے جن میں ابوعبیدہؓ کی شمولیت تمام مورخین سے ثابت ہے۔ اسکے علاوہ باقی جو سرائے ہوئے ہیں ان میں ابوعبیدہؓ کی شمولیت کے

بارے میں زیادہ تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی لہٰذا اس طرح کے مشکوک واقعات حذف کر دیئے گئے ہیں۔

☆☆☆

جیسا کہ پہلے گزر چکا ان فوجی مہمات کے پیش نظر جزیرۃ العرب میں امن وامان اور آشتی و سلامتی کا دوردورہ ہو گیا تھا۔ مگر یہود جو اپنے غدر وخیانت اور مکر وفریب کی وجہ سے ملک بدر کئے گئے تھے اور خیبر میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، انتقام کی آگ میں جھلس رہے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کی تیاری شروع کر دی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنونضیر کے بیس سردار اور رؤساء مکہ میں جا کر قریش کے پاس حاضر ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لئے سب کو دعوت دی۔ ان قبیلوں کے سردار خانہ کعبہ میں جا کر قسمیں کھانے لگے کہ جب تک زندہ ہیں مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے اور ان کے خلاف اپنی ہر قسم کی کوششیں جاری رکھیں گے۔ اس کے بعد یہود کا یہی وفد بنوغطفان اور دیگر عرب قبائل کے پاس گیا اور قریش ہی کی طرح انہیں آمادہ جنگ کیا۔

اس کے بعد ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ہر قبیلہ اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ قریش، بنوکنانہ اور تہامہ کا سالار ابوسفیان تھا۔ بنونضیر کا سردار حُیّ بن اخطب اور غطفان کا سردار عُیینہ بن حصن تھا۔ تمام فوج کا سالار اعلیٰ ابوسفیان تھا۔ کفار کا ایک لشکر جرّار تیار ہو کر مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کے لئے مکہ سے نکل پڑا۔ لشکر کی تعداد ۱۰ ہزار یا ۱۲ ہزار بتائی جاتی ہے۔ اس بار مشرکین نے یہ کام بہت احتیاط سے کیا اس لئے یہ خبر مدینہ میں بالکل نہیں پہنچی کہ اتنی بڑی سازش ہو رہی ہے۔ جب لشکر مکہ سے نکل پڑا اس وقت مسلمانوں کو پتہ چلا کہ ایک فیصلہ کن معرکہ کی تیاری ہو چکی ہے۔

اطلاع پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اہل شوریٰ کے باہمی مشاورت سے حضرت سلمان فارسی کی رائے کے مطابق ۵ گز گہری اور ۵ گز چوڑی خندق کھودنے کی تجویز منظور ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا کام سونپ دیا۔ اس بار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس آرام کا وقت نہیں تھا کیونکہ مشرکین کی فوج

مکہ سے نکل چکی تھی اور مدینہ تک پہنچنے سے پہلے پہلے یہ کام مکمل کرنا تھا۔

خندق کی کھدائی کے دوران رسول اللہ ﷺ صحابہؓ نے بھوک کی کثرت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ کھدائی کے دوران ایک جگہ بہت سخت چٹان نکل آئی سب نے زور آزمائی کی لیکن نہیں ہوسکا آخر رسول اللہ ﷺ خدمت میں عرض کیا گیا کہ خندق کو یہاں سے موڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود خندق میں اتر کر پتھر کے اوپر ایک زوردار وار کیا۔ اس میں شگاف پڑ گیا اور ساتھ ہی روشنی نکلی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ اکبر! مجھے ملکِ شام کی چابیاں دی گئیں۔ واللہ! میں اس وقت وہاں کے سرخ محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب ماری تو ایک دوسرا ٹکڑا کٹ گیا۔ اور فرمایا : اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا۔ واللہ! میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری ضرب لگائی تو چٹان ریزہ ریزہ ہو گیا اور فرمایا : اللہ اکبر! مجھے ملک یمن کی چابیاں دی گئیں۔ واللہ! میں اس وقت صنعاء کا پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔ یہ خبر سن کر منافقوں نے خوب مذاق اڑایا کوئی کہتا مدینہ سنبھال نہیں سکتا اور سلطنت روم اور فارس کے خواب دیکھتا ہے۔ بعض نے کہا ان کے پاس کھانے کو روٹی نہیں، لڑنے کو تلوار نہیں اور یہ روم اور فارس پر حکمرانی کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس پیشن گوئی میں اس قدر فرمایا تھا کہ مجھے جبرائیل نے خبر دی کہ یہ تمام ممالک آپ کی امت کے قبضے میں آجائیں گے۔ منافقین اور حتیٰ کہ صحابہ اس بات سے بے خبر تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس پیشن گوئی کو سچا ثابت کرنے کے لئے وہ مردِ مجاہد آج سخت بھوک کے عالم میں ہمارے ساتھ خندق کھود رہے ہیں جو یہ ثابت کر دیں گے کہ رسول اللہ ﷺ زبان مبارک سے نکلنے والی بات کبھی جھوٹ نہیں ہوسکتی۔ سلطنت روم کے ملک شام کو شکست دینے والے مسلمانوں کے اس عظیم لشکر کے سالارِ اعلیٰ اور امیر الامراء حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ ادھر موجود تھے۔ اس بات سے سارے بے خبر تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس پیشن گوئی اور دلی خواہش کو عملی جامہ پہنانے والے یہی مردِ مجاہد ہونگے۔

اگرچہ مشرکین مکہ اور یہود بھی اس بات پر ہنس رہے تھے لیکن وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ فارس کو ٹکڑے کرنے والا وہ عظیم اور ناقابل شکست کمانڈر مشرکین کے فوج کا موجودہ سپہ سالار (خالد

بن ولیدؓ) ہی ہوں گے۔ غزوہ خندق میں خالد بن ولیدؓ مشرکین کی طرف سے تمام سواروں کے سپہ سالار تھے جو بعد میں سلطنت فارس کے لئے خوف کا ایک نشان بن گیا تھا اور جس کی تلوار سے اللہ نے فارس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

خندق کا کام تیزی سے جاری تھا اور مشرکین مکہ کے آنے سے پہلے کام مکمل ہو چکا تھا۔ جب وہ مدینہ کے قریب آئے تو خندق کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کیونکہ جزیرۃ العرب میں خندق کا رواج پہلے نہیں تھا اور عرب اس سے بالکل نا آشنا تھے۔ مشرکین نے مجبوراً مدینے کا محاصرہ کر لیا۔ جگہ جگہ سے خندق کو پار کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اللہ کے فضل و کرم سے اور مسلمان جانبازوں کی سخت محنت اور جوان مردی سے دشمن کو قریب نہیں آنے دیا گیا۔ جو بھی نزدیک آنے کی کوشش کرتا مسلمان تیر انداز اُسے تیر مارتے اور واپس جانے پر مجبور کر دیتے۔ محاصرہ طویل ہوتا گیا اور بھوک کی شدت سے مسلمانوں کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی کیونکہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان موجود نہیں تھا۔ دوسری طرف مشرکین کے لئے ہر قسم کی سہولت موجود تھی۔ مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ جب ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے جب اپنا کرتہ دکھایا تو آپ ﷺ نے دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور دیگر صحابہؓ کی ہمت تھی کہ ایک طرف کئی دن کا فاقہ تھا تو دوسری طرف دشمن کا خطرہ اور راتوں کو دشمن کے حملے سے بچنے کے لئے پہرہ دینا۔ یہ بظاہر صرف کہنے کو چند الفاظ ہیں لیکن اس کا اندازہ وہ لوگ لگا سکتے تھے جو وہاں موجود تھے۔

کچھ لوگ خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن حضرت علیؓ نے اُن کا کام تمام کر دیا۔ اس لڑائی میں قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کو دور سے ایک تیر لگا تھا اور سخت زخمی ہو گئے تھے جو غزوہ بنو قریظہ کے بعد اسی زخم سے شہید ہو گئے تھے۔ محاصرے کے دوران طرفین سے تیر اندازی ہوتی رہی جس میں چھ مسلمان شہید اور دس کفار قتل کئے گئے تھے۔

محاصرے کے دوران بنو غطفان کا ایک ذی اثر آدمی نعیم بن مسعود بن عامر اشجعیؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مشرکین کی حوصلہ شکنی کا حکم دیا۔ چونکہ اس کے اسلام لانے کا کسی کو علم نہیں تھا لہٰذا اُس نے بنو غطفان، قریش اور بنو قریظہ میں

جا کر انہیں ایک دوسرے کے خلاف بدظن اور بدگمان کیا اور اسی طرح ان تین بڑے قبائل کا ایک دوسرے سے اعتماد اُٹھ گیا۔ نیز اللہ نے تیز ہواؤں کا طوفان بھیج دیا جس سے کفار کے خیمے اکھڑ گئے اور وہ سارے کے سارے واپسی پر مجبور ہو گئے۔ یہ واقعہ ذیقعدہ ۵ ہجری بمطابق ۱۴ اپریل ۶۲۷ء کی بات ہے۔

غزوہ خندق میں اگرچہ کوئی معرکہ پیش نہیں آیا لیکن پھر بھی یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس جنگ کے بعد واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کی اس چھوٹی سی ریاست کو اب کوئی بھی ختم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ غزوہ خندق میں جتنی بڑی طاقت فراہم کی گئی تھی آئندہ اتنی بڑی طاقت فراہم کرنا عربوں کی بس کی بات نہیں تھی۔ یہ کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف آخری بڑی مہم تھی اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :

"اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ نہ کر سکیں گے اور اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا۔"

اس غزوہ کو غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ کفار کی طرف سے بہت سے قبائل اکھٹے ہو گئے تھے اسلئے اس کا نام احزاب یعنی "گروہ" رکھا گیا۔

☆☆☆

غزوہ احزاب میں مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے بھی معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قریش کا ساتھ دیا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاہدہ یاد دلا دیا تو کہنے لگے کون سا معاہدہ۔ لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے فارغ ہوئے اور ابھی ہتھیار اتارنے والے تھے کہ حضرت جبرائیل تشریف لائے اور عرض کرنے لگے : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو ہتھیار اتار رہے ہیں لیکن ہم نے ابھی تک نہیں اتارے۔ اللہ کا حکم ہے کہ اُٹھیئے! اور اپنے رفقاء کو لے کر بنو قریظہ کا رُخ کیجئے میں انہی کی طرف جا رہا ہوں۔ ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب و دہشت ڈالوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسی حالت میں بنو قریظہ کی طرف چلیں اور عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑیں گے۔ جو صحابہ عصر سے پہلے نہ پہنچ سکے انہوں نے بھی عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھی۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آج بھی حسب معمول اعلان سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے اور بنو قریظہ کے ایک کنویں کے پاس پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ ۲۵

دن یا پورا مہینہ محاصرہ کے بعد بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے جب دیکھا کہ شکست ہماری مقدر بن چکی ہے تو کہنے لگا کہ میری قوم! محمد ﷺ کے نبی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے۔ کیوں نہ ہم ان پر ایمان لائیں اور اپنی جان بخشوالیں۔ بنو قریظہ نے مخالفت کی۔ پھر کعب بن اسد نے کہا میرا دوسرا مشورہ یہ ہے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دو اور قلعہ سے باہر نکل کر میدان میں مسلمانوں سے جان توڑ کر مقابلہ کرو۔ اگر فتح مند ہوئے تو عورتیں اور بچے پھر میسر آجائیں گے اور اگر مارے گئے تو ننگ و ناموس کی طرف سے بے فکر ہو کر مریں گے۔ قوم نے اس مشورے کو بھی ٹھکرا دیا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ میرا آخری مشورہ یہ ہے کہ یوم السبت یعنی ہفتے کی رات مسلمانوں پر حملہ کرو۔ کیونکہ وہ یہی سمجھیں گے کہ ہم ہفتہ کے دن نہیں لڑتے وہ بالکل تیار نہیں ہوں گے۔ لیکن قوم نے اس بات کو بھی ماننے سے انکار کر دیا کہ ہم یوم السبت کی بے حرمتی نہیں کریں گے۔

بنو قریظہ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ آخر کار بنو قریظہ نے محاصرے سے تنگ آ کر اسی راستے کا انتخاب کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام مردوں کو قید کر کے ان کے بارے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ قبیلہ اوس کے لوگ رسول اللہ ﷺ سے عرض پرداز ہوئے کہ جس طرح آپ نے بنو قینقاع کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا اسی طرح آپ بنو قریظہ کے ساتھ بھی احسان فرمائیں۔ واضح رہے کہ زمانہ جاہلیت سے قبیلہ اوس کا بنو قریظہ سے جبکہ خزرج کا بنو قینقاع کے ساتھ اتحاد تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا ٹھیک ہے میں اس کا فیصلہ آپ ہی پر چھوڑتا ہوں۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے جو غزوہ خندق میں تیر لگنے سے شدید زخمی ہو گئے تھے اور اس وقت زیر علاج تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا کہ اپنے حلیف بنو قریظہ کے متعلق خود فیصلہ فرمائیں۔ قبیلہ اوس کے انصار نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو سوار کر کے بنو قریظہ کے قلعے کے سامنے لائے۔ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سواری قریب پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے انصار کو حکم دیا کہ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ سب نے تعظیم سے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔

لوگوں نے جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو سواری سے اُتارا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! یہ لوگ تمھارے فیصلے پر راضی ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟ بنو قریظہ نے کہا: جی ہاں۔ مسلمانوں پر بھی؟ تمام مسلمانوں نے کہا: جی ہاں۔ انہوں نے پھر کہا: اور جو یہاں ہیں ان پر بھی؟ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرف تھا مگر اجلال و تعظیم کے سبب چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد رضی اللہ عنہ کا مطلب سمجھ گئے اور فرمایا: جی ہاں! مجھ پر بھی۔ تب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں حکم دیتا ہوں کہ بنو قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں۔ ان کے بیوی اور بچوں کو غلام بنا دیا جائے اور ان کے تمام اموال و املاک کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ فیصلہ سن کر ارشاد فرمایا یقیناً تم نے ان یہودیوں کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو اللہ کا فیصلہ تھا۔ اس طرح تقریباً ۷۰۰ یہودیوں کو قتل کیا گیا یہ مسلمانوں کی یہودیوں کے خلاف سب سے بڑی یلغار تھی اس یلغار میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور یہ قیمتی مہینہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گزارا۔

☆☆☆

بنو قریظ کے قتل عام کے بعد مدینہ میں کفر کا خاتمہ ہو گیا۔ اب مدینہ میں خالص مسلمان رہ گئے یا وہ لوگ رہ گئے جو بظاہر مسلمان تھے اور اندر سے کافر یعنی منافقین۔ جزیرۃ العرب میں غیر مسلموں کے لئے خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی اسلئے اب کھل کر سامنے آنے کے بجائے دشمنانِ اسلام نے مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ سنہ ۶ ہجری کے شروع میں پیش آیا۔ بنو لحیان سے چند لوگ آئے اور مسلمان ہونے کا اقرار کیا۔ انہوں نے اپنے قبیلے میں اسلام کی اشاعت کرنے کی خواہش ظاہر کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ بھیج دیئے۔ مدینہ سے دور لے جا کر انہوں نے مقام رجیع پر آٹھ مسلمانوں کو انتہائی بے دردی سے شہید کیا جبکہ باقی دو کو اہل مکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ جسے قریش نے لوگوں کے سامنے بے رحمانہ شہید کر دیا۔

مدینہ میں جب خبر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا سخت صدمہ ہوا اور بدلہ لینے کے لئے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سمیت دو سو جانبازوں کا لشکر تیار کر کے کوچ

فرمایا۔ یہ لشکر رات کے اندھیرے میں مدینہ سے نکلا اور ظاہر کیا کہ آپ ﷺ شام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ بطن غران نامی مقام ۔۔۔ جہاں پر آپ کے صحابہؓ کو شہید کیا گیا تھا ۔۔۔ تک پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کی حق میں دعا کی اور اپنا سفر جاری رکھا اور انتہائی تیزی سے بنی لحیان کے قبیلے کے سامنے پہاڑی میں اپنا پڑاو ڈالا۔ ادھر بنولحیان کو رسول اللہ ﷺ آمد کی خبر ہوگئی تھی اور وہ پہلے سے بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے جانثاروں کو ارد گرد تقسیم کیا لیکن کوئی ان کے ہاتھ نہ لگا۔ مجاہدین اسلام واپسی پر عسفان میں اترے اور چند مجاہدین کو کراع الغمیم کی طرف بھیجا۔ مہم کا مقصد یہ تھا کہ مکہ والے بھی جان لیں کہ اسلامی لشکر کے جانثار مکہ کے دروازے پر پہنچ گئے ہیں۔ اس غزوہ میں حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ سے تقریباً ۱۴ دن باہر مصروف جہاد رہے تھے۔ یہ مہم غزوہ بنولحیان کے نام سے مشہور ہے۔

☆☆☆

بنی لحیان سے واپس آ کر ابھی چند راتیں گزری تھیں کہ اچانک یہ خبر پہنچ گئی کہ عیینہ بن حصن نے بنوغطفان کے ایک گروہ سے مل کر رسول اللہ ﷺ کے مویشیوں پر غارت گری کی ہے اور ساتھ ہی بنوغفار کے ایک صحابیؓ کو شہید کر کے ان کی بیوی کو بھی ساتھ لے گئے ہیں۔ غابہ عربی زبان میں جنگل کو کہتے ہیں۔ یہ مدینہ سے باہر تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک جگہ تھی جہاں چند صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے مویشیاں چراتے تھے۔ یہاں پر ۲۰ اونٹیاں تھیں جو الغابہ میں چرتی تھیں۔ مشہور صحابی ابوذر غفاریؓ یہاں رہتے تھے۔ عیینہ بن حصن نے چالیس سواروں کے ہمراہ ان پر حملہ کیا اور اونٹنیوں کو بھگا لے گئے اور ساتھ ہی حضرت ابوذرؓ کے بیٹے کو شہید کر دیا۔ یہ خبر جب مدینہ میں پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ ۵۰۰ یا ۷۰۰ صحابہ کی ایک جماعت لے کر روانہ ہوئے۔ ان جانثاروں میں فاتح شام امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ بھی شامل تھے۔

عیینہ بن حصن وہ بدبخت انسان تھا جس نے رسول اللہ ﷺ سے مدینہ کی چراگاہوں میں اپنے اونٹ چرانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور اس اجازت سے خوب فائدہ اٹھایا ایک سال تک مفت میں مویشیاں چرا کر یہ صلہ دیا کہ حضرت ابوذرؓ کے بیٹے کو شہید کر کے آپ ﷺ بیس اونٹنیاں ساتھ لے گیا۔

جب اسلامی لشکر مقام ذی قرد پہنچا تو وہاں ایک چھوٹی سی جھڑپ کے بعد مسلمانوں نے دس اونٹنیاں ان سے چھین لیں اور باقی وہ لے گئے تھے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ان جانبازوں نے ان لٹیروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مدینہ سے باہر بھگا دیا۔ سیدنا حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ مسلسل اکیسویں جہادی مہم تھی۔

☆☆☆

جزیرۃ العرب میں حالات بڑی حد تک مسلمانوں کے موافق ہو گئے اور اسلام کی فتح کے آثار رفتہ رفتہ نمایاں ہونا شروع ہو گئے۔ پچھلے چھ برسوں سے مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر مسجد حرام کا جو دروازہ بند کر رکھا تھا اب مسلمانوں کے دل میں وہاں عبادت کرنے کا شوق بیدار ہونے لگا۔ عین انہی ایام میں رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ میں طواف اور عمرے کے بارے میں ایک خواب بھی دیکھا۔ اسی غرض سے رسول اللہ ﷺ ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری میں عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اس شاندار جماعت میں شامل ہونے کا عزم کیا اور ۱۴۰۰ یا ۱۵۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام باندھے اور قربانی کے ۷۰ اونٹ لے کر مدینہ سے مکہ کی طرف چل پڑے۔ اس بار سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جس عالی شان جماعت میں شامل تھے، یہ جمعیت صرف عمرہ کی نیت سے مکہ کی طرف جا رہی تھی، نہ کہ جنگ کی غرض سے۔ مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو احتیاطاً بطور جاسوس آگے روانہ فرمایا۔ مسلمان جاسوس مقامِ عسفان سے واپس آ گئے اور اطلاع دی کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ آمد کی خبر سن کر ایک زبردست جمعیت مقابلہ کے لئے فراہم کر لی ہے۔ قریش کی طرف سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ۲۰۰ گھوڑ سواروں کا لشکر لے کر مسلمانوں کو روکنے کیلئے مکہ سے نکلے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے راستہ تبدیل کر کے مقام حدیبیہ پر پڑاؤ ڈالا۔ حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ایک مقام تھا آج کل شمیسی کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مقام حدیبیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ قریش کی طرف سے بدیل بن ورقاء خزاعی اپنے چند ساتھیوں سمیت رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آنے کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے جواب دیا کیا تم نہیں دیکھتے کہ قافلہ کے آگے قربانی کے اونٹوں کی قطار لگی ہے اور ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر وہ واپس چلا گیا اور قریش کو آگاہ کیا کہ مسلمانوں کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے بلکہ وہ عمرہ کی

نیت سے آئے اور عمرہ کر کے واپس جانا چاہتے ہیں۔ قریش مکہ نے یہ سن کر جواب دیا کہ محمد (ﷺ) کو عمرہ کرنے کی اجازت ہر گز نہیں دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کر کے حضرت عثمان بن عفانؓ کو قریش مکہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا وہ مکہ میں جا کر سعید بن عاص سے ملے۔ وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کو فوراً اپنی حمایت میں لے کر قریش مکہ کے سرداران کے پاس لے گیا۔ قریش نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی بات سن کر کہا کہ ہم تمھیں عمرہ کی اجازت دیتے ہیں لیکن محمد (ﷺ) اور ان کے باقی ساتھیوں کو نہیں دے سکتے لیکن حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف نہیں کر سکتا۔ سفارت کی مہم ختم ہونے کے بعد قریش نے عثمانؓ کو مکہ میں روک لیا۔

ادھر حضرت عثمانؓ کے دیر تک رُکے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ان کو قریش مکہ نے شہید کر دیا ہے۔ یہ خبر سن کر مسلمان جانباز جو کچھ دیر پہلے عمرے کی نیت سے بالکل پر امن طریقے سے بیٹھے ہوئے تھے، اب ان کی تلواریں نیاموں سے باہر آ گئیں اور غصے سے ان کی آنکھوں نے آگ اگلنا شروع کر دی۔ یہ خبر سنتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم اس جگہ سے ٹل نہیں سکتے یہاں تک کہ عثمان کے قتل کا بدلا نہ لے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرامؓ کو ایک بیعت کی دعوت دی اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ آخری دم تک تم لوگ میرے وفادار اور جاںنثار رہو گے اور میدان جنگ چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ تمام صحابہ کرام نے نہایت ہی ولولہ انگیزی اور جوش و خروش کے ساتھ جان نثاری کا عہد کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے دست حق پر بیعت کر لی۔ جب بیعت مکمل ہو چکی تو حضرت عثمانؓ بھی آ گئے۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخ میں ''بیعت رضوان'' کے نام سے مشہور ہے جس کے بارے اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ بھی ان کے اوپر ہے اور اللہ نے اس بیعت کو خوب سراہا۔

ترجمہ: یقینا جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح: ۱۰)

ترجمہ: بے شک اللہ مومنین سے راضی ہوا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے۔ پھر ان پر اطمینان اتار دیا اور

انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔ (الفتح:۱۸)

مشرکین مکہ نے صورت حال کی نزاکت محسوس کرلی اور معاملاتِ صلح طے کرنے کے لئے سہیل بن عمرو کو بھیج دیا۔ سہیل بن عمرو نے دیر تک رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی اور بالآخر صلح کی دفعات طے پا گئیں۔

صلح حدیبیہ کی عبارت کچھ یوں تھی۔

یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی۔ دونوں نے دس سال تک ہتھیار رکھ دینے کا عہد کیا یہ لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں۔ اس طور پر کہ نہ خفیہ چوری ہو، نہ خیانت ہو۔ یہ معاہدہ ہمارے درمیان ایک بند صندوق کا حکم رکھتا ہے ہمارے درمیان مثل ایک صندوق کے ہے۔ جو چاہے کہ محمد (ﷺ) کی ذمہ داری میں داخل ہو تو وہ ایسا کرسکے گا اور جو شخص یہ پسند کرے کہ قریش کے عہد میں داخل ہو وہ بھی ایسا کرسکے گا۔ ان میں سے جو شخص بغیر اپنی ولی کی اجازت کے محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو وہ اس کو اس کے ولی کے پاس واپس کردیں گے۔ اصحاب محمد (ﷺ) سے جو قریش کے پاس آئے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ اس سال محمد (ﷺ) اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو ہمارے پاس سے واپس لے جائیں گے اور سال آئندہ وہ ہمارے پاس مع اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے اس طرح آکر مکہ میں تین دن قیام کریں گے کہ ہمارے یہاں سوائے ان ہتھیاروں کے کوئی ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے جو مسافر کے ہتھیار ہوتے ہیں اور وہ تلواریں ہیں جو چمڑے کے میان میں ہوتی ہیں۔ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن الاخیف اس کے گواہ تھے۔ (طبقات ابن سعد۔ جلد نمبر ۱۔ حصہ اول ص ۳۲۴)

صلح نامہ کی تکمیل کے بعد رسول اللہ ﷺ و صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ کے مقام پر جانور ذبح کیے اور احرام کھول دیئے اور سر کے بال کٹوائے۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد اس صلح نامہ کو اپنی شکست سمجھتے تھے کیونکہ اس صلح نامہ کی ظاہری شرائط تو مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین قرار دے دیا۔

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان اسلام میں ایک عظیم الشان مقام رکھتا ہے۔ بیعت رضوان

میں فرشتوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ کتنی بڑی سعادت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی تھی اور جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور فرشتوں نے بھی حصہ لیا۔ مقام بدر کے بعد اگر کسی کو بڑی سعادت کا موقع ملا تھا تو وہ یہی موقع تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ بدر کے بعد دوسرا درجہ بیعت رضوان کا ہے جس میں ۱۴۰۰ یا ۱۵۰۰ صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرتے ہوئے نہایت پر جوش انداز میں موت پر بیعت کی تھی جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود کی اور فرمایا کہ میں ان لوگوں سے راضی ہو چکا ہوں۔ بیعت رضوان کی فضیلت پڑھ کر ہر شخص سیدنا حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے مقام کو سمجھ سکتا ہے کہ نہ صرف حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت کرنے والے تھے بلکہ جو صلح نامہ لکھا گیا تھا، اس پر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ بطور گواہ موجود تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے چند صحابہ کرامؓ گواہ کے طور پر پیش ہوئے تھے جن میں حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ بھی شامل تھے۔

☆☆☆

اگرچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے جنتی ہونے میں کسی مسلمان کو کوئی شک نہیں، اور جنتی ثابت ہونا کسی ایک آیت یا ایک حدیث سے نہیں بلکہ کئی آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ جنتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے اور آپ سابقون الاولون میں سے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ اسلام کے ابتدائی ایام میں مشرف بہ اسلام ہوئے جس وقت اسلام کا نام لینا اور اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اتنا مشکل تھا جیسا کہ آگ کی چنگاری ہاتھ میں لینا۔ ان ایام میں اسلام قبول کرنا مصائب اور اذیتوں کا دروازہ کھولنے کے مترادف تھا۔ اسلئے جن حضرات نے ابتدا میں اسلام قبول کیا ان کا مقام باقی صحابہؓ سے بہت بڑا ہے کیونکہ یہی حضرات اسلام کے ابتدائی فدائین تھے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان سے راضی ہوں اور وہ مجھ سے راضی ہیں۔

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص قلب سے ان کی اتباع کی، خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں اور ان کے لئے باغات تیار کئے گئے ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اور وہ ان میں

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ: ۱۳)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمان مہاجرین کے لئے جو انعامات ذکر کئے ہیں ان انعامات کے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ پورے طور پر مستحق ہیں کیونکہ آپؓ آٹھویں مسلمان ہیں جس دن ابوبکر صدیقؓ مسلمان ہوئے ان کے دوسرے دن حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ سے اللہ راضی تھا اور وہ اللہ سے راضی تھا بلکہ جن لوگوں نے ان کی تابعداری کی ان کے لئے بھی جنت کی بشارتیں ہیں۔

دوسری وجہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے جنتی ہونے کی یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر اللہ کے راستے میں ہجرت کی اور اپنی جوانی کے آٹھ سال اپنے گھر، اپنے شہر اور رشتہ داروں سے دور حبشہ کے مقام پر گزارے۔ جن صحابہ کرامؓ نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ان کی فضیلت باقی صحابہؓ سے زیادہ ہے۔ قرآن کی بہت ساری آیات ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اللہ نے ان کی تعریف کی اور ان کے تمام گناہ معاف کرنے کی بار بار یقین دہائی کرائی کہ میں نے ان کو معاف کیا ہے اور وہ جنتی ہیں۔

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال وجان سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ (التوبہ: ۲۰۔۲۱)

یہاں اللہ تعالیٰ نے کامیابی، رب کی خوشنودی اور جنتی زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے اور رحمت کے امیدوار لوگوں کی تین نشانیاں بیان کی ہیں اور اگر دیکھا جائے تو یہ تینوں نشانیاں حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ میں پائی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ ایمان لانا، پھر ہجرت کرنا اور پھر جہاد کرنا۔ اس آیت کریمہ کو پڑھ کر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی زندگی کو دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اول ایمان والے، پھر حبشہ اور مدینہ کی ہجرت اور پھر جب تلوار اٹھائی تو اپنے حقیقی باپ کو بھی معاف نہیں کیا اور باقی دشمنانِ

اسلام کی طرح اس کا سر بھی قلم کر دیا۔

تیسری وجہ جس کی بدولت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنت کے حقیقی حقدار ہیں، وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، پھر شہید ہو گئے یا اپنی موت فوت ہو گئے ان کو خدا ضرور اپنا رزق اچھا دے گا۔ بیشک خدا ہی روزی دینے والوں میں بہتر روزی دینے والا ہے۔ وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ خوش ہو جائیں گے۔ (الحج :۵۸۔۵۹)

یعنی ایک مرتبہ ہی اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی اتنی فضیلت ہے تو پھر وہ لوگ جنہوں نے اپنی پوری زندگی جنگی لباس پہن کر تلواریں ہاتھوں میں لے کر گزاری اور روم کے محلات میں جا کر دشمنان اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا ڈالی اور ان کے غرور کو خاک میں ملایا ان کا مقام کتنا بلند ہو گا۔

میدانِ جنگ میں دشمنِ اسلام کو مارنے کے ثواب کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

لَا یَجْتَمِعُ کَافِرٌ وَّ قَاتِلُهٗ فِی النَّارِ اَبَدًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کافر اور اسکے قتل کرنے والے مجاہد کو کبھی آگ میں اکٹھا نہیں کرتا۔

یعنی جس نے ایک کافر کو میدانِ جنگ میں مارا وہ کافر مرتے ہی جہنم میں جائے گا کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ کافر کے لئے جنت نہیں ہے۔ تو مارنے والا کبھی بھی مقتول کے ساتھ نہیں رہے گا اس حدیث مبارکہ پر غور کرنے سے آپ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے مقام کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بے شمار غزوات اور لڑائیوں میں شامل ہو کر ان کی تلوار نے کتنے دشمنانِ اسلام کی زندگی کا چراغ گل کیا۔ ان کی تلوار سے واصل جہنم ہونے والے کفار کی تو تعداد بھی معلوم نہیں۔

چوتھی سند جو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دنیا میں جنت کی خوشخبری دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ جنتی ہیں جن میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ یہ دس خوش نصیب ہستیاں ہیں جن کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں اور یہ ان کے لئے بہت بڑا مقام ہے کہ دنیا میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دے دی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عشرہ مبشرہ کا مقام باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت اونچا تھا اور ان کو عزت

کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

پانچویں سند جو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس ہے غزوہ بدر میں شامل ہونا تھا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے عام خوشخبری دی کہ غزوہ بدر میں تمہاری شرکت سے اللہ تعالیٰ کو تمھارے دلوں کا حال معلوم ہو گیا ہے لہٰذا اب تم جو چاہو کرو، وہ تمہیں بخش دے گا اور جنت تم پر واجب ہو گئی ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ بدر سارے کے سارے جنتی ہیں پھر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے مقام کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو نہ صرف بدر میں شامل ہوئے بلکہ ایسی بہادری سے لڑے کہ دشمن کے صفوں میں قیامت برپا کر دی تھی اور لڑتے لڑتے اپنے کافر باپ کا سر بھی کاٹ ڈالا تھا جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں فرمائی۔

چھٹی سند حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی وہ انفرادی خصوصیت ہے جو قیامت تک نہ کوئی حاصل کر سکتا ہے اور نہ پہلے کسی نے حاصل کی ہے وہ ہے۔۔۔امین الامت۔۔۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں''۔ یہ ایک ممتاز خصوصیت اور لقب ہے جو سیدنا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا ہے کیونکہ قدیم الاسلام، ہجرت کرنے والے، جہاد کرنے والے، اللہ کے راستے میں قتال کرنے والے تو بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے لیکن یہ لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر صرف حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا کہ یہ میرے امت کے امین ہیں۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو امین الامت کے نام سے پکارتے تھے حتیٰ کے شیخین رضی اللہ عنہما (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے دلوں میں خلافت کے حقدار بھی امین الامت تھے اور دونوں نے اس کا اظہار بھی کیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا خطاب دیا تھا، ان کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ بہرحال اس پر بعد میں تفصیل سے بات ہوگی لیکن اب صرف اتنا کہ امین الامت کے لقب نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا مقام پہلے سے بھی بہت بلند کر دیا تھا۔

ساتویں سند ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی وہ صلح حدیبیہ میں شمولیت ہے جب امین الامت

نے ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی ساری زندگی رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں رکھ کر مرتے دم تک اپنی وفاداری اور جانثاری قائم رکھنے کا عہد کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی کہ کبھی بھی آپکو تنہا نہیں چھوڑوں گا اور ہمیشہ آپ کا ساتھ دوں گا۔ یہ وہ بیعت تھی جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور فرمایا جب لوگ درخت کے نیچے بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، میں ان سے راضی ہوں اور میں بھی بیعت کرنے والوں کے ساتھ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو فتح مبین کی خوشخبری دیدی۔ جو لوگ بیعتِ رضوان میں شامل ہو گئے ان کے بارے میں مختلف قسم کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے لئے جنت واجب ہے اور سیدنا ابوعبیدہؓ نہ صرف بیعت کرنے والوں میں سے تھے بلکہ حدیبیہ کے معاہدے پر گواہ بھی تھے۔

ان تمام واقعات کو دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے مقام و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے عظیم الشان صحابی رسول ﷺ ہیں۔ ایک مسلمان کی تمام صفات حسنہ جو ہونی چاہئے تھیں، وہ تمام کی تمام ان میں موجود تھیں یعنی مسلمانوں کے ساتھ نہایت نرم مزاج اور کافروں کے خلاف انتہائی سخت تھے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے کہ مسلمان ایسے ہی ہونے چاہیے۔ نرم مزاج اور خوش اخلاق ایسے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ابوعبیدہؓ بن جراح ایسے شخص ہیں جن کے اخلاق کے بارے میں کوئی کلام نہیں۔''

☆☆☆

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ آپؓ کئی سریّوں میں بھی گئے تھے لیکن ان سریّوں کے بارے میں تاریخ میں زیادہ معلومات نہیں ملتی۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مقامات پر انہیں سپہ سالار مقرر کر کے بھیجا تھا اور توقعات کے مطابق کاروائی کر کے ایک فاتح کے حیثیت سے لوٹے۔ اسی طرح ایک کاروائی میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو سپہ سالار مقرر کر کے مقام ذی القصہ کی طرف بھیجا تھا۔ یہ ربیع الاول یا ربیع الآخر سنہ۔ ٦ ہجری کی بات ہے۔ یہاں پر بنی انمار اور بنی ثعلبہ کی بستیاں تھیں۔ قحط سالی کی وجہ سے ان کی بستیاں مشکلات کا شکار تھیں۔ ان کے تالاب خشک ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے جانور مرنے لگے تو انہوں نے مدینہ والوں کے مویشی جو مقام ہیفا میں چرتے تھے، لوٹ

لئے۔ یہ مقام جہاں مسلمانوں کے جانور چرتے تھے مدینہ سے ۷ میل دور تھا اور بنوثعلبہ و بنوانمار مدینہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر تھے۔ رسول اللہ ﷺ خبر ملتے ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں دس افراد کا ایک دستہ روانہ کیا۔ بنوثعلبہ کے دیار میں پہنچ کر دشمن نے دھوکے سے انہیں قتل کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکے لیکن وہ بھی شدید زخمی ہو گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی شہادت کی خبر ملتے ہی حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بلا کر خطرے سے آگاہ کیا اور بنی ثعلبہ اور انمار کے خلاف حملے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے امین الامت کو امیر مقرر کر کے ۴۰ آدمی ان کے ہمراہ روانہ فرمائے۔ یہ لشکر مغرب کی نماز کے بعد مدینہ سے نکلا اور پوری رات سفر کر کے صبح کے وقت ذی القصہ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ انتظار کئے بغیر ان پر حملہ آور ہو گئے اسلئے انہوں نے لڑنے کی بجائے بھاگنے میں عافیت سمجھی اور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ ایک شخص کو زندہ پکڑا جو اسلام لے آیا لہٰذا اس کو چھوڑ دیا گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ مالِ غنیمت میں کئی اونٹ آ گئے جو وہ اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔

یہ مہم سریہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بجانب ذی القصہ یا سریہ ذی القصہ دوم کے نام سے موسوم ہے۔

بہرحال یہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے بغیر پہلی مہم تھی لیکن اس بار وہ ایک عام سپاہی نہیں بلکہ ایک سپہ سالار کے حیثیت سے گئے تھے اور انہی سرکشوں کو پہاڑوں میں بھگا کر ان کے اونٹ پکڑ لئے اور ایک آدمی زندہ گرفتار کر لیا جو بعد میں مسلمان ہوا۔

☆☆☆

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مشرکین مکہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا لہٰذا مسلمانوں کو اسلامی دعوت اور تبلیغ کا اہم موقع ہاتھ آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تبلیغی سرگرمیاں بھی تیز کر دی اور بادشاہوں اور سربراہوں کے نام خطوط بھیجنے شروع کئے۔ اسی سلسلے میں آپ ﷺ نے اصحمہ نجاشی شاہ حبش، مقوقس شاہ مصر، شاہ فارس خسرو پرویز، قیصر روم ہرقل، حاکم بحرین مُنذر بن ساویٰ، ہوذہ بن علی حاکم یمامہ اور شاہ عمان وغیرہ کے نام خطوط ارسال کئے جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا جبکہ بعض نے انکار کیا۔

جزیرۃ العرب میں امن وسلامتی کے بعد صرف خیبر تھا جس سے مسلمانوں کو تشویش اور خطرہ لاحق تھا۔ یہی اہل خیبر تھے جو غزوہ خندق میں تمام عرب قبائل کو مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے۔ مدینہ کے یہود قبائل یہاں سے بھاگ کر خیبر میں آباد ہوئے تھے جو انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور کچھ مقامی یہود قبائل تھے جن کو اپنی طاقت پر بہت ناز تھا۔ اب وقت تھا کہ مسلمان ان یہودوں سے اپنا حساب کتاب چکا لیں۔ لہٰذا محرم سنہ ۔ ۷ ہجری بمطابق مئی ۶۲۸ء میں رسول اللہ ﷺ نے خیبر جانے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ نے آپ ﷺ آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس عظیم الشان لشکر جن کی تعداد تقریباً ۱۴۰۰ یا ۱۶۰۰ تھی، میں شامل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ اس مہم میں صرف وہ لوگ جا سکتے ہیں جو صلح حدیبیہ میں شامل تھے۔ اسی وجہ سے اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً اتنی ہی رہی۔ خیبر مدینہ کے شمال میں تقریباً ۹۶ میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر تھا۔ آب وہوا قدرے غیر صحت مند ہونے کی وجہ سے اب یہ ایک بستی رہ گئی ہے۔ بہرحال یہ علاقہ مدینہ سے دور تھا اور دوسری طرف ماہ مئی کے آخری دن تھے۔ عرب کی گرمی تپتی ریت اور ریگستان اور پھر دوسری طرف تقریباً ۱۰۰ میل کا فاصلہ راستہ بھی غیر آباد، قدم قدم پر خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں کیونکہ مسلمانوں نے مدینہ کے اردگرد جتنے شر پسند عناصر بھگا دیئے تھے، وہ تمام خیبر میں آ کر آباد ہو گئے تھے اس لئے سفر دور بھی، دشوار بھی اور خطروں سے بھرپور بھی تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ ؓ کو خلیفہ مقرر کر کے تقریباً ۱۶۰۰ مجاہدین کا یہ لشکر، جن کا ہر فرد کفر کے ایوانوں میں ہلچل مچا دینے والا مردِ مجاہد تھا، مدینہ سے کوچ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت علی ؓ کو عنایت فرمایا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ ؓ کو دے دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب خیبر کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں بنو غطفان کے قریب رجیع نامی مقام کو اپنا صدر مقام بنایا اور مسلمان عورتوں اور بچوں کو یہاں پر رکھا اور باقی لشکر کو حملے کے لئے خیبر کی طرف بھیج دیا۔ قربان جاؤں رسول اللہ ﷺ جنگی حکمت عملی کے، بنو غطفان نے تیار ہو کر یہود کی امداد کے لئے خیبر کی راہ لی تھی لیکن جب ان کے پڑوس میں رسول اللہ ﷺ نے ڈیرہ لگا دیا اور اپنے قریب شوروشغب سنائی دیا تو وہ یہ سمجھے کہ مسلمان ہم پر حملہ کرنے آئے ہیں لہٰذا یہ منظر دیکھ کر دفاعی صورت اختیار

کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کو کیا پتہ کہ اس دفعہ باری کسی اور کی ہے اور اگلے دن کا سورج خیبر والوں کے لئے موت کا پیغام لے کر نکلے گا۔ اسلامی لشکر آگے بڑھ کر خیبر پر یلغار کے لئے گیا۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ، علی بن ابی طالبؓ اور محمد بن مسلمہؓ نے خیبر والوں کے ہوش و حواس اُڑا دیئے تھے اور ادھر بنو غطفان اپنی خیر منا رہے تھے۔ ان کا باہمی معاہدہ ان کے کسی کام نہ آیا کہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ یہ لوگ اپنے گھروں میں رہے اور وہاں خیبر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

ابن سعد نے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب اہل خیبر نے رسول اللہ ﷺ دیکھا تو چیختے ہوئے شہر کی طرف بھاگے کہ واللہ! محمد (ﷺ) لشکر سمیت آگئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا :اللہ اکبر، خیبر ویران ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بُری ہو جاتی ہے۔

خیبر کی آبادی دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک حصے میں پانچ قلعے تھے جبکہ دوسرے حصے میں تین قلعے تھے۔ جہاں تک جنگ کا تعلق ہے تو وہ صرف پہلے حصے میں ہوئی تھی دوسرے حصے کے تینوں قلعے بغیر کسی جنگ کے مسلمانوں کے حوالے کر دیئے گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملے کا حکم دیا۔ اس قلعے کا سردار مرحب نامی پہلوان تھا جسے میدان جنگ میں ایک ہزار مردوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا جبکہ اُس کا بھائی یاسر حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے بعد ایک خونریز جھڑپ شروع ہو گئی جس میں یہود کے کئی سردار مارے گئے اور مسلمانوں نے قلعہ ناعم پر قبضہ جما لیا۔

قلعہ ناعم کے بعد قلعہ صعب طاقت کے لحاظ سے دوسرا بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ بنو سہم کے چند لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے دُعا فرمائی :یا اللہ! ہمیں یہود کی ایک ایسے قلعے کی فتح سے سرفراز فرما جو سب سے زیادہ کارآمد ہو اور جہاں سب سے زیادہ خوراک دستیاب ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قلعہ صعب کی فتح عطا فرمائی۔ خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعے سے زیادہ خوراک اور چربی دستیاب ہو۔ اس قلعے میں مسلمانوں کے ہاتھوں پہلی دفعہ منجنیقیں اور دبابے (لکڑی کے ٹینک) آئے۔

قلعہ زبیر جو پہاڑ کی ایک چوٹی پر واقع تھا اور سب سے محفوظ قلعہ سمجھا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ

نے اپنے لشکر کو اس قلعے کے محاصرے کا حکم دیا۔ تین روز کے محاصرے کے بعد یہود نے باہر آ کر زبردست جنگ کی جس میں کئی مسلمان شہید جبکہ بے شمار یہودی مارے گئے اور بالآخر قلعہ فتح ہو گیا۔

قلعہ زبیر سے شکست کھانے کے بعد یہود قلعہ ابی میں محصور ہو گئے۔ یہود کے دو سرداروں نے میدان جنگ میں آ کر دعوت مبارزت دی جو دونوں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی مسلمان جانباز قلعے میں گھس گئے۔ قلعے کے اندر ایک خونریز جنگ ہوئی اور بالآخر یہود نے بھاگ کر قلعے کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

خیبر کے پہلے حصے میں اب صرف ایک قلعہ رہ گیا تھا جو قلعہ نزار کے نام سے موسوم تھا۔ باقی چار قلعوں سے بھاگے ہوئے لوگ یہاں پر پناہ گزین ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ تھا کہ یہود اس کو ناقابل تسخیر سمجھتے تھے اس لئے اپنی عورتوں اور بچوں کو یہاں پر رکھا ہوا تھا۔ لیکن یہود شاید اس بات سے بے خبر تھے کہ اسلامی لشکر میں حضرت علیؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ، ابودجانہؓ اور زبیر بن عوامؓ جیسے اسلام کے جانثار بھی موجود ہیں جو موت سے ڈرنے کا نام تک نہیں لیتے اور ایک ہی قول پر عمل کرتے ہیں کہ شہید ہو جاؤ یا اسلام کے دشمن کو صفحہ ہستی سے مٹا دو۔ مسلمانوں نے اس قلعے کا سختی سے محاصرہ کر لیا لیکن ناکام ہو گئے۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے منجنیق نصب کرنے کا حکم دیا۔ گولے پھینکنے سے قلعے کی دیواروں میں شگاف پڑ گیا اور مسلمان قلعے کے اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے۔ قلعے کے اندر ایک خونریز جھڑپ کے بعد آخر کار یہود کو شکست فاش ہوئی اور اسی طرح خیبر کے پہلے حصے کی فتح مکمل ہو گئی۔

خیبر کے دوسرے حصے کو مسلمانوں نے بغیر کسی جنگ کے صلح کے ذریعے فتح کیا۔ مال غنیمت میں خیبر کی ساری زمین، مال واسباب اور مویشی ہاتھ آئے۔ اتنا مال غنیمت اب تک کسی دوسرے مہم میں مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ خیبر کے کثیر مال غنیمت کے بارے میں صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ آسودہ نہ ہوئے یہاں تک کہ ہم نے خیبر فتح کیا۔ خیبر سے واپسی کے بعد مہاجرین نے انصار کو کھجور کے باغات اور کھیتی وغیرہ واپس کر دیئے کیونکہ اب مہاجرین کو خیبر میں زمینیں اور باغات مل چکے تھے۔

غزوہ خیبر میں یہود کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی اس کے برعکس مسلمانوں کی تعداد صرف

۱۴۰۰ یا ۱۶۰۰ تھی۔اس غزوہ میں ۹۳ یہودی مارے گئے تھے جبکہ ۱۹ یا ۱۵ مسلمان شہید ہو گئے تھے۔بعض مورخین نے مسلمان شہداء کی تعداد ۱۹ سے زیادہ لکھی ہے بہرحال یہ مسلمانوں کی ایک فتح عظیم تھی اور جزیرۃ العرب میں یہودی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

☆☆☆

ذیقعد ۷ ہجری تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات پر اپنے قاصد اور جہادی مہم پر مختلف قسم کے سپہ سالار روانہ کئے اسلام کی اشاعت کا کام بہت تیزی سے شروع تھا اور مختلف محاذوں پر مسلمان مجاہدین کفار سے برسرپیکار تھے۔جونہی ذیقعد کا چاند نظر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عُمرہ قضاء کا حکم دیا۔ دو ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روانہ ہوئے عورتیں اور بچے اس کے علاوہ تھے۔سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار نیام میں ڈال کر عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخلے کے وقت اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لئے ہوئے لبیک پکار رہے تھے۔تین دن عمرے میں گزار کر واپسی کا ارادہ کر لیا۔ یہ عُمرہ چونکہ عُمرہ حدیبیہ کے قضاء کے طور پر تھا اس لئے اس کا نام عُمرہ قضاء پڑ گیا۔

☆☆☆

ماہ صفر سنہ۔ ۸ ہجری بمطابق ۳۱ مئی ۶۲۹ء کو حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ جب یہ لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔

جمادی الاول سنہ۔ ۸ ہجری بمطابق اگست یا ستمبر ۶۲۹ء میں عیسائیوں کے خلاف پہلا معرکہ پیش آیا جو جنگ مُوتہ کے نام سے مشہور ہے۔اس لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود شرکت نہیں کی تھی اور اسی طرح تاریخ میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی شمولیت بھی مشکوک ہے۔(واللہ اعلم)

جنگ مُوتہ میں تین ہزار مسلمانوں کا مقابلہ عیسائیوں کے ایک لاکھ لشکر جرار سے ہوا تھا جس میں اسلامی لشکر کے یکے بعد دیگرے تین سالار (حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے تھے۔اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو ابھی چند مہینے پہلے مسلمان ہو گئے تھے، ایسی بہادری کے ساتھ لڑے کہ عیسائیوں کے اس سیلاب کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور

دربارنبوی ﷺ سے سیف اللہ کالقب پایا۔

یہ پہلا معرکہ تھا جس میں رومیوں کے ساتھ خونریز جنگ ہوئی اور یہی معرکہ عیسائی ممالک کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

☆☆☆

جب رسول اللہ ﷺ معرکہ مُوتہ کے ذریعے حدود شام کے عرب قبائل کے موقف کا علم ہوا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے رومیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے تو آپ ﷺ نے ایک ایسی حکمت بالغہ کی ضرورت محسوس کی جس کے ذریعے ان عرب قبائل سے مسلمانوں کی دوستی ہوجائے تاکہ رومی ان علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف اتنی بڑی جمعیت فراہم نہ کرسکیں۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ باخبر ذرائع کے مطابق بنی قضاعہ نے مسلمانوں کے خلاف وہاں پر ایک جماعت تیار کی تھی اور مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ مُوتہ کے فوراً بعد جمادی الاخر ۸ھ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تین سو افراد کے ساتھ سپہ سالار بنا کر وادی القریٰ سے آگے ذات السلاسل کی طرف بھیج دیا۔ اس مہم میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنانے کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی دادی قبیلہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتی تھی۔ عمر بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے تین سو مجاہدین کو لے کر رات کے اندھیرے میں مدینہ سے نکلے۔ دن کو آرام کرتے اور رات کو سفر کرتے تاکہ عرب قبائل یہ محسوس نہ کریں کہ مسلمان حملہ کرنے کی نیت سے آرہے ہیں۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی جمعیت بہت بڑی ہے۔ اس لئے حملہ کرنے سے پہلے عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ کو کمک طلب کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔

مدینہ میں یہ خبر پہنچتے ہی رسول اللہ ﷺ نے سابقین مہاجرین اور سرداران انصار کا ایک دستہ تیار کیا جس میں سارے کے سارے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو علَم دے کر آپ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں دو سو اکابرین کا یہ لشکر روانہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو چند ہدایات دی اور ارشاد فرمایا : کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے جلد از جلد پہنچیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ دونوں مل کر کام کریں اور ایک دوسرے سے اختلاف نہ کریں۔ ان دو سو اکابرین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور سپہ سالار

حضرت ابو عبیدہ رضؓ مقرر کردیئے گئے۔ یہ آپ رضؓ کے لئے بہت بڑی بات تھی کہ شیخین رضؓ کا امیر بننے کا شرف حاصل ہوا کیونکہ یہ مقام مدینہ سے آٹھ دن کے سفر پر تھا اور راستے میں جب بھی نماز کا وقت آتا تو امین الامت رضؓ کی امامت میں یہ حضرات آپ رضؓ کے پیچھے نماز پڑھتے۔ یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ جیسی ہستیوں کا سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ کو مقرر کیا۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ کے پہنچنے پر اسلامی لشکر قضاعہ کے علاقہ میں داخل ہوا اور اس علاقے کو روندتا ہوا اس کی دور دراز حدود تک جا پہنچا۔ بالآخر ایک لشکر جرار سے مڈبھیڑ ہوئی لیکن دشمن مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور ان کا تمام لشکر ادھر اُدھر منتشر ہو گیا۔ سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضؓ کے پہنچنے سے مسلمانوں کی تعداد اگرچہ ۵۰۰ ہو گئی تھی لیکن پھر بھی بنی قضاعہ کے مقابلے میں بہت کم تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مجاہدین کے شوقِ شہادت اور جذبہ ایمان کے سامنے وہ کانپنے لگے اور بھاگ کر منتشر ہو گئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین جنگی حکمت عملی تھی کہ جب بھی خطرناک دشمن سے پالا پڑتا تو ان کے سامنے اپنے بہترین اور مضبوط ایمان والی جماعت کو بھیجتے۔

اس مہم کے دوران جو بات قابل ذکر ہے اور جو تقریباً تمام مورخین نے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں پر ایک بہت بڑا اختلاف رونما ہوا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ کی نرم مزاجی اور خوش اخلاقی نے اس اختلاف کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔ جب امین الامت اکابر صحابہ کرام رضؓ کا دستہ لے کر عمرو بن العاص کی مدد کے لئے پہنچے تو جھنڈا حضرت ابو عبیدہ رضؓ کے ہاتھ میں تھا یعنی مسلمانوں کے امیر اب حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ تھے لہٰذا جب نماز کا وقت ہو گیا تو ابو عبیدہ رضؓ نے ارادہ کیا کہ لوگوں کی امامت کریں لیکن عمرو بن العاص رضؓ نے کہا کہ آپ رضؓ تو میرے پاس مدد کے لئے آئے ہیں لہٰذا امیر تو میں ہوں۔ ابو عبیدہ رضؓ نے فرمایا: عمرو رضؓ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میرے تمہارے درمیان اختلاف نہ ہو پس اگر تم میری بات نہیں مانتے تو میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ عمرو بن العاص رضؓ نے کہا میں تمہارا امیر ہوں اور تم میرے مددگار۔ ابو عبیدہ رضؓ نے کہا یہی سہی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے امین الامت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ہمارا امیر مقرر کیا ہے لہٰذا ہم صرف تمہیں اپنا امیر مانتے ہیں اور عمرو بن العاص سے جھگڑے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ابو عبیدہ رضؓ

فرمانے لگے میں امارت کی وجہ سے مسلمانوں کے مابین اختلاف کا باعث نہیں بننا چاہتا لہٰذا میں اس کی اطاعت قبول کرتا ہوں اور آپ بھی اس کی اطاعت قبول کر لیں۔ پس عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نماز میں امامت کی اور لشکر کے سپہ سالار رہے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ اس مہم میں اسلامی لشکر قبیلہ جذام کی سرزمین میں واقع سلسل نامی ایک چشمے پر اترا تھا۔ اسی لئے اس مہم کا نام ذات السلاسل پڑ گیا۔

مشہور مورخ طبری، ابن سعد اور ابن کثیر نے مذکورہ بالا واقعہ ایک جیسے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ معاملہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے انتہائی نرم دل اور شگفتہ مزاج ہونے کی وجہ سے وہیں دفن ہو گیا۔ شاید اگر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اختلاف کافی دور تک چلا جاتا لیکن حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو خود اختلاف ختم کرنے کے لئے مشہور تھے، کیسے اختلاف کر سکتے تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ جب تک حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زیر کمان رہے تو نہ تو کسی قسم کی بدنیتی کی اور نہ ہی کوئی شکوہ کیا بلکہ بھائیوں کی طرح رہے۔ عشرہ ومبشرہ میں شامل یہ عظیم الشان صحابی، اس اُمت کا امین اور اصحاب صفہ کے مایہ ناز عالم دین اس مہم کے دوران حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی پیچھے نماز پڑھتے رہے لیکن دل میں کوئی بُغض، حسد اور کینہ نہیں رکھا اور نہ پوری زندگی میں حضرت عمرو بن العاص پر کبھی احسان جتایا۔

خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے جن کی فوج کی تعداد ۲۸ ہزار سے زیادہ تھی، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے تقریباً نو ہزار دستے کو بھیجا تو وہاں پر بھی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اُف تک نہیں کی بلکہ اس کے برعکس اللہ کا شکر ادا کیا کہ ان کے کندھوں سے امارت کا بوجھ اُترا اور سالاری حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ لیکن بعد میں خلافت فاروقی کے پہلے دن جب سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تمام اسلامی لشکر کے جن کی تعداد ۴۰ ہزار سے زیادہ تھی، سپہ سالار بن گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسی لشکر کی ایک دستے کی سالاری حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھی اور کبھی بھی دل میں یہ بات نہیں رکھی کہ عمرو بن العاص نے چند سال پہلے قضاعہ کے خلاف لڑائی میں میری سالاری کا انکار کیا تھا اور یہی وہ بات ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باقی لوگوں سے ممتاز بنا دیتی ہے۔

☆☆☆

سریہ ذات السلاسل سے کامیاب واپسی کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ انتظار کئے بغیر دوسری مہم کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران خبر ملی کہ قبیلہ جہینہ کے کچھ لوگ مسلمانوں کے خلاف سازش میں مصروف عمل ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تین سو مہاجرین و انصار کا ایک دستہ تیار کیا اور ان پر ایک مرتبہ پھر ابوعبیدہ بن جراحؓ کو سالار کو مقرر کر کے قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجنے کا حکم صادر فرمایا۔ اِسی دستے میں حضرت عمر بن خطابؓ اور جابرؓ بن عبداللہ بھی موجود تھے۔ یہ علاقہ سمندر سے متصل تھا جو مدینہ سے تقریباً پانچ رات کے سفر پر تھا۔ مسلمانوں کے لئے یہ راستہ بالکل انجان تھا لہٰذا ساحل سمندر کا رُخ کیا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی سرکردگی میں تین سو سواروں کے ساتھ ان اضلاع کی طرف مڑے، جدھر سے قریش مکہ کے قافلے شام جاتے تھے۔ مشرکین مکہ راستے میں مختلف قبائل کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف شرارت اور بغاوت پر آمادہ کر کے آگے بڑھتے تھے۔ جب ہم ان قبیلوں کے پیچھے نکل پڑے تو راستہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ ہمارے پاس کھانے کا جو کچھ تھا وہ ختم ہو گیا تھا اور اسی طرح ہم نے درختوں کے پتوں کو کھانا شروع کیا جس کی وجہ سے اس سریہ کا نام ''جیش الخبط'' پڑ گیا۔ خبط عربی زبان میں درخت کے پتوں کو کہتے ہیں۔

اس سریہ کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہؓ کے دستے کے پاس خوراک کی اس قدر کمی پڑ گئی تھی کہ امیر لشکر مجاہدین کو روزانہ ایک ایک کھجور کھانے کو دیتے تھے یہاں تک کہ ایک وقت آ گیا کہ یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں اور لوگ بھوک سے بے چین ہو کر درختوں کے پتے کھانے لگے۔

حضرت جابرؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا یہ لشکر دشمن کے تعاقب میں مسلسل آگے بڑھتا رہا اسی طرح ہمیں کوئی پتہ نہیں چلا کہ ہم کہاں آ گئے ہیں۔ جب ہم لوگ بھوک سے نڈھال ہو گئے تو حضرت قیس بن سعدؓ نے اونٹ ذبح کرانا شروع کئے اس شرط پر کہ میں مدینہ میں جا کر ادھار دے دوں گا لیکن امیر لشکر ابوعبیدہؓ نے جب حالات کا جائزہ لیا تو اونٹوں کو ذبح کرنے سے روک دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ شاید سفر لمبا ہو جائے اور اگر سواری بھی ختم ہو جائے تو واپس جانا ناممکن

ہو جائے گا۔ تمام لشکر کے پاس جتنا کھانے کا سامان تھا سب اکٹھا کیا اور روزانہ ایک مٹھی کھجور ایک ایک صحابی کو دیتے رہے اسی طرح جب کھجور کم ہو گئیں تو روزانہ ایک ایک کھجور دینے لگے۔ یہی ایک کھجور پورا دن منہ میں رکھ کر چوستے تھے اور گزارا کرتے تھے لیکن آخر میں جب وہ ایک کھجور بھی ختم ہو گئی تو ہماری حالت غیر ہو کر پتے کھانے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس مصیبت سے گھبرا کر ہم نے دوبارہ ساحل سمندر کا رخ کیا وہاں پہنچ کر ہمیں ساحل سمندر پر ایک عظیم الجثہ عنبر نامی مچھلی مل گئی اس جانور کو دیکھ کر ہماری جان میں جان آ گئی مگر جب ہم نے دیکھا کہ وہ مردہ ہے تو ہمارے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ یہاں پر بھی سیدنا ابوعبیدہؓ کا کمال دیکھئے جب لشکر اسلام کا ہر فرد امیر جیش کی طرف دیکھ رہا تھا کہ سپہ سالار کیا حکم دیں گے تو ابوعبیدہ بن جراحؓ نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اضطراری حالت میں جان بچانے کے لئے مردہ جانور کا گوشت کھانا جائز ہے لہٰذا تم اس جانور کا گوشت کھا سکتے ہو۔

اس مچھلی کو یہ تین سو مجاہدین کی فوج اٹھارہ دنوں تک شکم سیر ہو کر کھاتی رہی اور اس کی چربی کو اپنے جسموں پر ملتی رہی یہاں تک کہ لشکر کے تمام افراد تندرست اور خوب فربہ ہو گئے۔ پھر چلتے وقت اس مچھلی کا کچھ حصہ کاٹ کر اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ لے آئے اور رسول اللہ ﷺ خدمت میں بھی اس مچھلی کا ایک ٹکڑا پیش کیا جس کو آپ ﷺ نے تناول فرمایا اور ارشاد فرمایا اس مچھلی کو اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کے لئے رزق بنا کر بھیج دیا تھا اور ساتھ ہی حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ان کے ساتھیوں کے صبر و استقامت پر انہیں کلمات تحسین و آفرین سے نوازا۔ یہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ جب اس کی دونوں پسلیاں زمین میں گاڑ دی گئی تو اس کے نیچے سے کجاوہ بندھا ہوا اونٹ اپنے سوار سمیت گزر گیا۔ بلاشبہ اس مچھلی کا مل جانا، تین سو افراد کا اٹھارہ دنوں تک کھانا اور تقریباً ایک مہینے تک اس کا خراب نہ ہونا ایک کرامت تھی۔

یہ مہم سریہ خبط، سریۃ العنبر یا سریۃ سیف البحر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سریہ ماہ رجب سنہ ۸ ہجری میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

☆☆☆

حضرت ابوعبیدہ رض نے سریہ خبط سے واپسی پر مدینہ میں ابھی ایک مہینہ آرام نہیں کیا تھا کہ اچانک مکہ میں بنوخزاعہ اور بنی بکر کے درمیان لڑائی ہوگئی۔ بنی بکر قریش کے حلیف تھے جبکہ بنی خزاعہ مسلمانوں کے خلیف تھے۔ صلح حدیبیہ کی دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر حلیف قبیلہ حملے یا زیادتی کا شکار ہوگا تو یہ زیادتی یا حملہ اس فریق پر تصور کی جائے گی۔ قریش نے نہ صرف بنوبکر کی ہتھیاروں سے مدد کی بلکہ سرداران قریش میں سے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو جو بذات خود صلح حدیبیہ میں شامل تھے، بنوبکر کے ساتھ مل کر بنی خزاعہ کو بہت بے دردی سے قتل کر دیا۔ بنوخزاعہ نے حرم شریف میں پناہ لی لیکن قریش کے ظالموں نے انہیں وہاں بھی معاف نہیں کیا اور مسلسل قتل و غارت کرتے رہے۔

اس ظالمانہ کاروائی کے بعد بُدیل بن ورقاء خزاعی اور عمرو بن سالم خزاعی رسول اللہ ﷺ خدمت اقدس میں مدینہ حاضر ہوئے اور دکھ بھری فریاد کی۔ جس رات قریش مکہ اور بنی بکر نے بنی خزاعہ پر حملہ کیا تھا اس رات رسول اللہ ﷺ حضرت میمونہ رض کے حجرے میں وضو فرما رہے تھے اور تین بار فرمایا: لبیک! لبیک! لبیک! حضرت میمونہ رض نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کس کے جواب میں لبیک فرما رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا بنی خزاعہ کے لوگوں نے مدد کے لئے پکارا ہے، میں نے اس کا جواب دیا۔

مکہ والوں کو جب ہوش آیا تو انہیں اپنی بدعہدی کا بہت جلد احساس ہوگیا اس لئے ابوسفیان کو تجدید صلح کے لئے مدینہ بھیجا لیکن ابوسفیان ناکام و نامراد لوٹا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بنی خزاعہ کی فریاد پر لبیک فرما کر ان کی مدد کرنے کا قصد کر چکے تھے۔

۱۰ رمضان المبارک سنہ۔ ۸ ہجری کو رسول اللہ دس ہزار صحابہ کا لشکر لے کر مدینہ سے بہت تیزی کے ساتھ نکلے اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی یا اللہ! جاسوسوں اور مخبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر ایک دم جا پہنچیں۔ اتنی بڑی تعداد میں فوج کا نکلنا اگرچہ خفیہ طور پر نکلنا ناممکن تھا لیکن پھر بھی ایسے منظم طریقے سے نکلے کہ مکہ والے اس مہم سے بے خبر رہے اور جب مسلمانوں نے مرالظہر ان تک پہنچ کر مکہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا تب مشرکین مکہ کو خبر ہوئی۔ حضرت عباس رض بن عبدالمطلب نے ابوسفیان کو پناہ دے کر رسول اللہ ﷺ خدمت میں پیش

کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

بروز منگل ۱۷ رمضان سنہ۔ ۸ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر ان سے مکہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ ذی طویٰ پہنچ گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط تواضع سے اپنا سر مبارک جھکا رکھا تھا۔ذی طویٰ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی تقسیم وترتیب فرمائی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔میمنہ (دائیں پہلو) پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے مکہ کے زیریں حصے سے داخل ہونے کا حکم دیا۔میسرہ (بائیں پہلو) پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے مکہ کے بالائی حصے سے داخل ہونے کا حکم دیا۔لشکر کے قلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در ہے اور امین الامت سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو باقی تمام پیادے دستوں پر سالار مقرر کر کے مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مکہ کے مشہور درمیانے راستے سے داخل ہونے کا حکم صادر فرمایا۔جب ان دستوں نے کوچ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پیچھے نکل پڑے۔اسکے علاوہ ہر قبیلے کا اپنا اپنا جھنڈا تھا لیکن وہ ان چار سالاروں کے زیر کمان تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر نصیحت فرمائی کہ خونریزی سے پرہیز کرنا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ مکہ میں خون ریزی ہو اور یہ دونوں سپہ سالار جوشیلے تھے لہٰذا ان حضرات کو خاص تاکید فرمائی۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پہلے سے ہی نرم مزاج سپہ سالار تھے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہش کے مطابق مکہ میں خونریزی نہیں چاہتے تھے۔

ان ہدایات کے بعد تمام دستے اپنے اپنے مقررہ راستوں پر چل پڑے۔اس طرح مسلمان ایک فاتح قوم کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر پرامن رہنے کی ہدایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ جو بیت اللہ میں یا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ لے یا گھر کا دروازہ بند کریں یا بغیر ہتھیار کے سامنے آجائے ان کو قتل نہ کرنا۔قریش کا ایک گروہ عکرمہ،صفوان اور سہیل بن عمرو کی قیادت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دستے سے نبرد آزما ہوا اور معمولی سی جھڑپ میں بارہ کفار قتل ہو گئے۔مسلمانوں کی طرف سے دو صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شہید ہوئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پتہ چلا تو فرمایا کیا میں نے آپ کو قتال سے منع نہیں کیا تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مشرکین کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے بھی شمشیر زنی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

مسلمان مکہ میں داخل ہوتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے اور نعرہ تکبیر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کے لئے اپنے اوپر مصائب و آلام کا بدلہ لینے کا زبردست موقع تھا لیکن رسول اللہ ﷺ اور ان کے جانثاروں نے بدلہ لینے کی بجائے معافی کو ترجیح دی اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آج کے دن اپنے اوپر کئے ہوئے ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے کیونکہ آج وہ اکیلے نہیں تھے، سب سے بڑا لشکر آج انہی کی زیر قیادت تھا۔ تلوار نیام سے باہر تھی اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو خوب جانتے تھے۔ مکہ کی گلیوں میں جا کر انہیں یاد آیا ہوگا کہ کہاں کہاں پر ان کو ستایا گیا تھا، کہاں سے طعنے سنے تھے اور کہاں سے پتھر لگے تھے لیکن آج کے دن بھی انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ خوش کرنے کے لئے انتقام کی بجائے معافی کو ترجیح دی اور اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔

اس عفو در گزر کا نتیجہ تھا کہ قریش کے بڑے بڑے اکابر اور ذی اثر لوگ مثلاً عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابو جہل، صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ، ابوسفیان بمعہ اپنی بیوی ہند بنت عتبہ اور سہیل ابن عمرو جیسے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اہل مکہ پر حق واضح ہو گیا اور وہ جان گئے کہ اسلام کے سوا کامیابی کی کوئی راہ نہیں۔ اس لئے وہ اسلام کا تابعدار بنتے ہوئے کوہ صفاء پر بیعت کے لئے جمع ہو گئے اور تقریباً سب مسلمان ہو گئے۔ اسلام مکہ کا ایک غالب مذہب بن گیا اور خونریزی کے بغیر اتنا بڑا شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

غزوہ فتح مکہ وہ فیصلہ کن معرکہ اور عظیم فتح ہے جس نے جزیرۃ العرب میں بت پرستی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔ مکہ جزیرۃ العرب میں بت پرستی کا ایک مرکز سمجھا جاتا تھا اور باقی عام قبائل اہل مکہ اور قریش کے منتظر تھے۔ ان قبائل کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ حرم شریف پر وہی مسلط ہو سکتا ہے جو حق پر ہو۔ نصف صدی پہلے اصحاب فیل کے واقعہ نے تمام عرب کی اس یقینِ کامل میں اور پختگی لائی تھی جب ابرہہ نے بیت اللہ کا رُخ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر ڈالا تھا۔ لہٰذا فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۃ العرب میں اسلام ایک غالب مذہب بن گیا اور کسی کو ان کے خلاف سازش کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

☆☆☆

فتح مکہ کے بعد مشرکین مکہ کا زور ٹوٹ گیا تو ارد گرد کے دیگر قبائل کے لوگ بھی ڈر گئے کہ

اب باری ہماری ہے کیونکہ یہ انقلاب اب رکنے والا نہیں ہے لہٰذا مکہ اور طائف کے درمیان بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید اگلا ہدف ہم ہی ہوں گے۔ بنو ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے ہوازن اور بنو ثقیف کو اکٹھا کر کے مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر تیار کیا اور اردگرد کے دیگر قبائل بنی مُضر، بنی جُشم اور بنی سعد کو بھی ساتھ ملا لیا اور جنگ کی تیاری شروع کر دیں۔ مالک بن عوف نے تمام قبائل کو اپنے بیوی، بچے اور مال مویشی ساتھ لانے کا حکم دے کر وادی اوطاس میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا تاکہ لشکری اپنے اہل وعیال کے ناموس اور مال مویشی کی خاطر لڑیں۔

یہ خبر رسول اللہ ﷺ ملتے ہی قیام مکہ کے انیسویں دن ۶ شوال سنہ۔ ۸ ہجری بروز ہفتہ مکہ سے نکل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بارہ ہزار کا ایک عظیم الشان لشکر تھا جس میں دو ہزار قریش کے نو مسلم بھی تھے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ پہلے کی طرح حسب معمول رسول اللہ ﷺ صدا پر لبیک کہہ کر جنگی لباس پہنا اور تلوار نیام سے باہر نکال کر کاروانِ محمدی ﷺ شامل ہو گئے۔ بعض لوگوں نے لشکر کی کثرت کے پیش نظر کہا کہ ہم آج ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ سخت گراں گزری۔

اسلامی لشکر منگل اور بدھ کی درمیانی رات ۱۰ شوال کو حنین پہنچا۔ مالک بن عوف کا لشکر پہلے ہی سے وادی حنین کے کمین گاہوں میں چھپ کر لشکرِ اسلام کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو مطلق علم نہیں تھا کہ دشمن حنین کی تنگ گھاٹیوں اور دروں میں چھپا ہوا ہے اس لئے دشمن سے بے خبری کے عالم میں گزر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش ہو گئی اور مسلمانوں پر اچانک شدید حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید اور غیر متوقع تھا کہ باوجود تعداد میں زیادہ ہونے کے، اسلامی لشکر منتشر ہو گیا اور شکست کے آثار نظر آنے لگے۔ حتیٰ کہ قریش مکہ کے بعض لوگوں نے مسلمانوں کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا اور کہنے لگے: دیکھو! آج جادو کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک اور شخص کہنے لگا کہ مسلمانوں کی ہزیمت اب ساحل سمندر سے پہلے رک نہیں سکتی۔

بہر حال جب بھگدڑ مچی تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چند مہاجرین اور اہل خاندان کے سوا کوئی نہ تھا۔ ان نازک ترین لمحات میں رسول اللہ ﷺ بے نظیر شجاعت کا ظہور ہوا۔ اس شدید بھگدڑ

میں آپ کا رُخ کفار کی طرف تھا اور بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر یہ فرما رہے تھے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں ، یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

مسلمان فدائین میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ ، حضرت ابوعبیدہؓ ، حضرت عباسؓ ، حضرت ابوسفیان بن الحارثؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ وغیرہ شامل تھے، جو کٹ سکتے تھے مگر جھک نہیں سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کو آواز دی اور تقریباً سو افراد آپ ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ یہی افراد دوبارہ منظم ہو کر حملہ آور ہو گئے اور گھسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے افراد بھی منظم ہو کر جمع ہو گئے اور مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ ابھی چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ دشمن کو شکست فاش ہوگئی اور بنوثقیف کے ستّر آدمی قتل ہو گئے۔ ان کے پاس جو کچھ مال، ہتھیار، عورتیں اور بچے تھے، سب مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

بنوہوازن کا سردار مالک بن عوف زندہ بچ کر بھاگ گیا اور جا کر طائف کے قلعوں میں چھپ گیا بنوہوازن کے بھاگنے کے بعد بنوثقیف نے میدان کارزار کو تھوڑی دیر کے لئے گرمائے رکھا لیکن حضرت ابوعبیدہؓ اور ان کے دیگر ساتھی ایسی بہادری سے لڑے کہ بنوثقیف نے بھی پسپائی اختیار کی۔ غزوہ حنین میں حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی عمر تقریباً ۴۷ سال تھی، جوانی گزر چکی تھی لیکن پھر بھی ایک جوشیلے جوان کی طرح میدان جنگ میں لڑتے رہے اور کفر کی شکست کو یقینی بنایا۔

حضرت عمر فاروقؓ ایک موقع پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ حنین میں بڑے بڑے لوگوں کے پیر پھسل گئے تھے لیکن ابوعبیدہؓ ایسی بہادری سے ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور دشمن کے سامنے دیوار بن گئے تھے۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں نے چھ ہزار قیدی پکڑ لئے۔ چوبیس ہزار اونٹ، چوالیس ہزار بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ یہ غزوہ حنین کے مقام پر ہوا، اس لئے غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہوا۔ اس غزوہ میں صرف چار یا پانچ صحابہ شہید ہو گئے تھے جبکہ اس کے برعکس ۷۰ کفار مارے گئے تھے۔

☆☆☆

فتح حنین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مالک بن عوف کے تعاقب میں طائف کا محاصرہ کیا اور بیس یا چالیس روز تک یہ محاصرہ رہا۔ دوران محاصرہ دونوں طرف سے تیر اندازی اور سنگ باری کے واقعات پیش آتے رہے۔ بعض مسلمانوں نے قلعہ کے اندر گھسنے کی کوشش کی تو دشمن نے ان پر تیروں کی بارش برسائی جس سے بارہ مسلمان شہید ہو گئے۔ اس محاصرے کا یہ فائدہ ہوا کہ دوران محاصرہ ارد گرد کے قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ اس طرح طائف کے گرد ونواح میں اسلام پھیل گیا۔

آخر کار رسول اللہ ﷺ نے بیس یا چالیس دن بعد محاصرہ ختم کر کے حنین کا رخ کیا اور مال غنیمت کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نو مسلم قریش کو بڑے بڑے حصے دیئے۔ صرف ابوسفیان اور اس کے بیٹوں کو تین سو اونٹ اور ۱۸ کلو چاندی عطا فرمائی۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین سابقین کو ان اموال سے محروم رکھا۔ یہ تقسیم ایک حکمت پر مبنی تھی تا کہ ان نو مسلم حضرات کو اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

مال غنیمت تقسیم ہونے کے بعد بنو ہوازن کا ایک وفد مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس وفد میں آپ ﷺ رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ وفد نے التجا کی کہ آپ امّاں حلیمہ سعدیہ کے واسطے ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور اپنے خاندان کے تمام قیدیوں کو معاف کر دیا اس طرح تمام انصار و مہاجرین نے بھی اپنے قیدیوں کو معاف کر دیا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ رضاعی ماں کی قبیلے والوں کو رہا کر دیا گیا۔ قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ رضاعی بہن شیماء بنت حارث سعدیہ بھی شامل تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بڑی قدر و منزلت فرمائی اور اپنی چادر نیچے بچھا کر ان کو بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انہیں اپنی قوم میں پہلے ہی واپس کر دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی رضاعی بہن کو ایک غلام اور ایک لونڈی تحفہ میں دے دیئے۔

غزوہ طائف اور حنین سے فارغ ہو کر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ۲۴ ذیقعد سنہ۔ ۸ ہجری کو مدینہ واپس ہوئے۔

☆☆☆

فتح مکہ کے بعد تقریباً آٹھ مہینے تک سیدنا ابوعبیدہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینے میں رہے۔ اسی عرصہ میں مختلف مقامات سے وفود آتے رہے اور آس پاس کے قبائل اسلام میں گروہ در گروہ داخل ہوتے رہے۔ سنہ ۹ ہجری کے اوائل میں رسول اللہ ﷺ نے قبائل کے پاس صدقات کی وصولی کے لئے عمال روانہ فرمائے اور بعض دیگر سرکش اور متکبر قبائل کے پاس سریئے بھیج دئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں رہے۔ اسی دوران آپؓ مسلسل دین اسلام کی اشاعت اور جنگی مشقوں میں مصروف رہے۔

جزیرۃ العرب میں حالات یکسر بدل گئے تھے اور اندرونی خطرات کا مکمل خاتمہ ہو چکا تھا۔ اسلام ایک غالب دین بن چکا تھا اور کسی قبیلے کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کی ہمت نہ رہی۔ مسلمان سلطنت روم اور فارس کے بعد ایک تیسری قوت کی شکل میں نمودار ہوئے تھے۔ رومی روئے زمین پر سب سے بڑی فوجی قوت رکھتے تھے اور پوری دنیا پر ایک سُپر پاوٗر کی حیثیت سے داکھ بٹھایا ہوا تھا۔ اب انہی رومیوں کا رُخ مسلمانوں کی طرف ہو چکا تھا جو بغیر کسی وجہ کے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ اس چھیڑ چھاڑ کی ابتداء رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کے قتل سے ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں بصریٰ کے حاکم کے پاس اسلام کی تبلیغ کی غرض سے بھیجا تھا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے کہ سفیر کا قتل چونکہ جنگ کی دعوت کے مترادف تھا لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں سرزمین مُوتہ میں انہی رومیوں اور غسانیوں سے ایک خوفناک ٹکر لی تھی مگر یہ لشکر ان متکبر ظالموں سے انتقام لینے میں کامیاب نہیں ہوا تھا البتہ پہلی مرتبہ رومیوں نے عربوں کی طاقت محسوس کی۔

قیصر روم ہرقل نے مسلمانوں کی قوت کو ایک عظیم اور ایک ناقابل شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے کچل دینا ضروری سمجھا اس لئے قیصر روم نے رومی باشندوں اور اپنے ماتحت عربوں یعنی آل غسّان، لخم اور جذام وغیرہ کو اپنا آلہ کار بنا کر مدینہ پر فوج کشی کا عزم کر لیا۔ ملک شام کے جو سوداگر مدینہ آئے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ قیصر روم کے علاوہ عرب قبائل غسّان، لخم اور جذام مدینے پر حملہ آوری کے تیاریوں میں مصروف ہیں نیز ان کا ہراول دستہ بلقاء پہنچ چکا ہے۔ رومیوں کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز تو تھی نہیں اس لئے ان خبروں کو غلط سمجھ کر نظر انداز کر

دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی نتیجتاً رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی تیاری کا حکم دے دیا۔

اہل مدینہ کسی بھی غیر مانوس آواز سن کر فوراً کھڑے ہو جاتے اور سمجھتے کہ رومیوں کا لشکر آ گیا۔ الغرض مدینے میں شدید خوف وحراس پھیلا ہوا تھا۔ اس میں مزید اضافہ منافقین کی افواہوں کے ذریعے ہو رہا تھا جو مدینے کی گلی کوچوں میں رومیوں کی جنگی تیاری کا ذکر کرتے رہے۔ اس کے علاوہ جس بات سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا وہ یہ تھی کہ ملک حجاز میں شدید قحط تھا۔ پچھلے سال فصل نہیں ہوئی تھی اور اس بار بہت اچھی فصل تیار تھی۔ کھجوریں پک چکی تھی بس کاٹنے کے دن تھے۔ زمانہ سخت گرمی کا تھا ان مسائل کے باعث لوگ فی الفور روانگی کے لئے تیار نہیں تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان حالات کے باوجود جہاد پر جانے کا اعلان کر دیا۔ آپ ﷺ سمجھ رہے تھے کہ اگر آپ نے ان فیصلہ کن لمحات میں رومیوں سے جنگ لڑنے میں کاہلی اور سستی سے کام لیا اور رومی مدینہ پر چڑھ آئے تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت برے اثرات مرتب ہوں گے۔ باطل قوتیں جو جزیرۃ العرب میں آخری دم توڑ رہی تھی پھر سے سر اُٹھانے کے قابل بن جائیں گی۔

اس مہم اور دوسرے غزوات میں زمین وآسمان کا فرق تھا مذکورہ مسائل کے ساتھ ساتھ ایک خطرناک دشمن کا سامنے کرنا تھا۔ ایک ایسا دشمن جس کی پوری زندگی قتل وقتال میں گزری تھی۔ جو لڑنے میں بہت ماہر اور شکست کے نام سے ناواقف تھے۔ مدینہ سے سات سو کلومیٹر دور اس وقت کی سُپر پاور کے گھر میں جا کر لڑنا تھا۔ دوسری طرف مال غنیمت حاصل کرنے کا بھی کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا اسلئے منافقوں کا جانا پہلے سے ناممکن نظر آ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ دستور تھا کہ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو بات کو مخفی رکھتے، عین وقت پر بتایا جاتا کہ کہاں جانا ہے کیونکہ یہ خطرہ ہوتا کہ منافقین یا جاسوس راز کو فاش نہ کریں لیکن اس بار رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے ہی بتا دیا کہ رومیوں سے جنگ کا ارادہ ہے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے اپنا نفیس مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی۔

صحابہ کرامؓ نے بڑھ چڑھ کر اپنا مال رسول اللہ ﷺ خدمت میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے جناب ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال حاضر خدمت کر دیا اور بال بچوں کے لئے اللہ اور رسول ﷺ کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ اس کے بعد عمر فاروقؓ، ابوعبیدہؓ بن جراح، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن عبادہؓ، محمد بن مسلمہؓ اور باقی صحابہؓ نے اپنا نفیس مال حاضر خدمت کر دیا۔ سب سے

زیادہ مال حضرت عثمان بن عفانؓ نے پیش کیا جس میں تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونا، تیس کلو چاندی، نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے شامل تھے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ ساڑھے تیرہ ٹن کھجور لے کر آئے ۔الغرض بعض غریب صحابہؓ نے مُٹھی بھر کھجور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیں تو منافقین ان کا مذاق اُڑانے لگے کہ ان کھجور سے قیصر روم کی مملکت فتح کرنے جا رہے ہیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے اگرچہ اپنا سب کچھ حضرت ابوبکرؓ کی طرح بہت پہلے ہی رسول اللہ ﷺ پر قربان کیا تھا اور دنیاوی مال و دولت ان کے پاس نہیں تھی لیکن ایک ماہر جنگجو ہونے کے ناطے ہر وقت جنگی ساز و سامان مثلاً نیزہ، تلوار، گھوڑا اور جنگی لباس اپنے پاس رکھتے تھے اس لئے انہیں تیاری کرنے میں وقت نہیں لگا۔ البتہ کچھ لوگ ایسے تھے جو جانا چاہتے تھے لیکن ان کے پاس سامان جنگ نہیں تھا اسلئے وہ رو رو کر پیچھے رہ گئے۔

اس دھوم دھام اور جوش و خروش کے نتیجے میں ۳۰ ہزار کا ایک لشکر جرّار تیار ہو گیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر کبھی بھی فراہم نہیں ہوا تھا۔ سواری اور توشے کی سخت کمی تھی اس لئے اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے لئے ایک ایک اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ بسا اوقات درختوں کی پتیاں کھانی پڑتی تھیں اسی لئے اس کا نام جیش عُسرت (تنگی کا لشکر) پڑ گیا۔

یہ لشکر ماہ رجب سنہ۔ ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ مدینہ سے روانہ ہوا اور ۷۰۰ کلومیٹر دور تبوک کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ سیدنا ابوعبیدہ بن جراحؓ اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ سخت گرمی طویل مسافت والا اور سب سے کٹھن سفر رسول اللہ ﷺ رفاقت میں آخری غزوہ ہوگا کیونکہ یہ غزوہ رسول اللہ ﷺ آخری غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ عمر مبارک ہجری سال کے مطابق ۶۱ سال تھی جبکہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی عمر ۴۸ سال تھی۔

اسلامی لشکر جب تبوک میں خیمہ زن ہو کر لڑائی کے لئے تیار ہو گیا تو رومیوں کے اندر خوف کی ایک لہر دوڑ گئی انہیں مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت نہ ہوئی اور اندرون ملک مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ بلاشبہ یہ رسول اللہ ﷺ نبوت کا ایک معجزہ تھا کہ جب بھی دشمن کے مقابلے میں اترتے تو اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا اسلئے رومی میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

رومیوں اور غسانیوں کی پسپائی سے جزیرہ عرب کے اندر اور باہر مسلمانوں کی فوجی ساکھ پر

بہت عمدہ اثرات مرتب ہوئے اور ایسے فوائد حاصل کئے کہ جنگ کی صورت میں ان کا حاصل کرنا محال تھا۔ ایلہ کے حاکم یحنہ بن روبہ نے رسول اللہ ﷺ خدمت میں حاضر ہو کر صلح کا معاہدہ کرلیا اور جزیہ کی ادائیگی منظور کی۔ جرباء اور ازرُخ کے باشندوں نے بھی خدمت نبوی میں حاضر ہو کر جزیہ دینا منظور کیا۔ دومۃ الجندل کے حاکم اُکیدر بن عبدالملک خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے پیچھے خالد بن ولیدؓ کے ساتھ ایک دستہ بھیج دیا۔ خالد بن ولید اس کو زندہ پکڑ کر لائے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا لیکن اس نے بھی جزیہ دینا بہتر سمجھا اور ۲ ہزار اونٹ، ۸ سو گھوڑے اور مویشی، چار سو زرّیں اور چار سو نیزے دینے پر مصالحت ہوئی۔ یاد رہے کہ ان سب قبائل نے قیصر روم کا ساتھ دیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں اُترے تھے۔ اس طرح اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع ہو کر براہ راست رومی سرحد سے جا ملیں اور عرب قبائل مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔

اسلامی لشکر تبوک میں بیس دن قیام کے بعد واپس ہو کر مدینہ کی طرف واپس ہوئے۔ اس سفر میں پورے پچاس دن صرف ہوئے، بیس دن تبوک میں جبکہ تیس دن آنے جانے میں۔

☆☆☆

امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ پہلی بار ہرقل کی فوج کے سامنے مدمقابل ہوئے تھے لیکن اس بار وہ رسول اللہ ﷺ کے زیر کمان ایک عام سپاہی کے طور پر لڑنے آئے تھے۔ رومی پیچھے ہٹ کر انہیں اپنے جنگی جوہر دکھانے کا موقع ہی نہ دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ پیشن گوئی کو ہر حال میں پورا کرنا تھا لیکن اس پیشن گوئی کو سرانجام دینے والا کون ہوگا یہ بات صرف اللہ کے علم میں تھی۔ رسول اللہ ﷺ رحلت کے چند سال بعد پتہ چلا کہ رومیوں کو شکست دینے والا فاتح شام یہی امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ تھے، جنہوں نے دوبارہ ان راستوں چل کر ہرقل کی ناقابل شکست فوج کا سامنا کرنا تھا۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ یہی رومی جو اپنے تکبر اور غرور میں سب کچھ بھول گئے ہیں جن کے سپاہی اور سالار شکست کے نام سے ناواقف تھے لیکن حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے چند سال بعد دوبارہ آ کر ان رومیوں کو شکست کے نام سے آشنا کرانا تھا۔ ان کو بتانا تھا کہ شکست کیا ہے؟ میدان جنگ سے بھاگنا، قلعوں میں محصور ہونا اور اپنے ہی بنائے ہوئے گڑھے میں پھنسنے کا خوف کیا ہوتا ہے؟

غزوہ تبوک رسول اللہ ﷺ آخری غزوہ تھا اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ سپہ سالاری اور سربراہی میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی یہ آخری مہم اختتام پذیر ہوئی۔ وہ یادگار سفر جس کو قرآن نے بھی ذکر کیا۔ جن صحابہ نے شرکت کی اللہ نے ان کی خوب تعریف کی اور جو استطاعت رکھتے ہوئے پیچھے رہ گئے تھے گئے ان لوگوں کو کتنی بڑی سزا ملی۔

امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ وہ خوش قسمت اور عظیم المرتبہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تقریباً ستائیس غزوات میں اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ کی شمشیرِ بے نیام نے میدان جنگ میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جس پر رسول اللہ ﷺ سمیت تمام مسلمان نازاں تھے۔ یہ مقام بہت کم حضرات کو حاصل ہے کہ وہ ہر غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہو۔ اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں دشمن سے برسرپیکار رہے اور میں میدان مدینہ منورہ میں رہ کر صبح وشام گنتا رہوں۔

☆☆☆

غزوہ تبوک کے بعد وفود کا سلسلہ شروع ہوا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ انہی وفود میں سے ایک وفد نجران کا تھا۔ نجران کا علاقہ تہتّر بستیوں پر مشتمل تھا جن میں ایک لاکھ افراد مردانِ جنگ تھے یہ لوگ سب کے سب عیسائی تھے۔ نجران کا وفد ۹ ہجری میں آیا تھا جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا جن میں چوبیس افراد اشراف اور رؤساء میں سے تھے۔ اس وفد میں ایک حاکم تھا جس کا نام عبدالمسیح تھا، دوسرا سیاسی امور کا نگران تھا جس کا نام ایہم یا شرحبیل تھا۔ تیسرا پادری تھا جو مذہبی سربراہ اور عیسائیوں کا روحانی پیشوا تھا۔ اس کا نام ابوحارثہ بن علقمہ تھا۔

اس وفد نے مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور جزیہ دینے پر راضی ہوگئے۔ یہ صلح ہر سال میں دو ہزار جوڑے کپڑوں پر ہوئی۔ ساتھ ہی ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی (۱۵۲ گرام) بھی ادا کرنی ہوگی۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ ان کے ہاں ایک امین آدمی روانہ فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صلح کا مال وصول کرنے کے لئے امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن

الجراحؓ کو روانہ فرمایا۔جس کا تفصیلی ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔اور یوں دوسری بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو امین کا خطاب دیا۔ایک مرتبہ غزوہ بدر کے بعد جبکہ دوسری مرتبہ وفد نجران کے موقع پر۔

سیدنا ابوعبیدہؓ نے نجران جا کر ان سے جزیہ وصول کیا اور ساتھ ہی انہیں اسلام کی دعوت بھی دی۔جس سے نجران کا حاکم اور سیاسی امور کا نگران دونوں مسلمان ہو گئے۔ان کے مسلمان ہوتے ہی سارے اہل نجران رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرین سے بھی مصالحت کر لی تھی اور حضرت علاء بن حضرمی کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے وہاں سے جزیہ کی رقم لانے کے لئے بھی ابوعبیدہؓ کو بھیجا تھا۔جب ابوعبیدہؓ جزیہ لے کر مدینہ پہنچے تو انصار کا ایک جم غفیر مجمع ہوا۔رسول اللہ ﷺ نے تبسّم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: شاید تم لوگوں کو ابوعبیدہؓ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے؟ لوگوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ۔آپ ﷺ نے فرمایا بشارت ہو آج تمھیں خوش کر دوں گا، لیکن خدا کی قسم! میں تمھارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے ڈر ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمھارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائے گی اور انہی کی طرح تمھیں بھی ہلاک کرے گی۔

دس ہجری کے آخر تک وفود کا سلسلہ جاری رہا اور مختلف قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے رہے۔سیدنا ابوعبیدہؓ اور دیگر اکابر صحابہ بوقت ضرورت ان کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی غرض سے جاتے رہے اور انہیں اسلام کے ارکان اور فرائض سے آشنا کرتے رہے۔مدینہ جزیرۃ العرب کا دارالحکومت بن چکا تھا اور کسی کو مدینہ سے بغاوت کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔اب گویا دین اسلام کی تکمیل کا وقت آچکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے قیام کا زمانہ اختتام پذیر ہو رہا تھا۔دین اسلام کی پاسبانی اور نگہبانی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے کندھوں پر آنے والی تھی۔اسی دوران رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو اکٹھے کرنے کی ضرورت محسوس کی تا کہ آپ ﷺ سے شہادت لیں کہ آپ ﷺ نے امانت کا حق ادا کر دیا ہے اور پیغام خداوندی کی تبلیغ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔اس مشیت خداوندی کے مطابق رسول اللہ ﷺ ہفتہ کے دن ۲۶ ذیقعد سنہ۔۱۰ ہجری کو ادائیگی حج کے لئے مدینہ سے نکلے، جو تاریخ اسلام میں حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔اس تاریخی حج میں سیدنا ابوعبیدہ بن

جراح رضی اللہ عنہ سمیت تقریباً تمام صحابہ نے شرکت کی۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار کا ایک جم غفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بروز اتوار ۴ ذی الحجہ۔ ۱۰ ہجری کو مکہ میں داخل ہوا۔

میدان عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۳ اور ۱۴ ذی الحجہ کی درمیانی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس ہوئے۔

☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے ہی تھے کہ بلقاء کے علاقے میں رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف بڑے پیمانے پر سازشیں شروع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر جرار کی تیاری شروع فرمائی اور حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر فرماتے ہوئے کوچ کا حکم دے دیا۔ یہ لشکر ماہ صفر سنہ۔ ۱۱ ہجری میں مدینہ سے تین میل دُور مقام جرف میں خیمہ زن ہوا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کے متعلق تشویشناک خبروں کے سبب آگے نہ بڑھ سکا اور اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ یہی لشکر خلیفۃ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پائے۔

۲۹ صفر سنہ۔ ۱۱ ہجری بروز پیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوصال کا آغاز ہوا۔ اور ۱۲ ربیع الاول بروز پیر چاشت کے وقت اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔۔۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔۔۔ مرض کی کل مدت باختلاف روایت تیرہ یا چودہ دن تھی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر مبارک ۶۳ سال اور چار دن تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجہیز و تکفین سے پہلے ہی خلافت کے معاملے میں اختلاف رونما ہوا۔ انصار و مہاجرین میں خلافت کی بحث چھڑ گئی۔ انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں اکھٹے ہوئے تھے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی وعظیں فرما رہے تھے۔ سارے انصار بالاتفاق سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفۃ مقرر کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تینوں سقیفہ بنو ساعدہ گئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے درمیان اُٹھ کر تقریر کی اور فرمایا: اے گروہ انصار! ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو فضیلت تم بیان کرتے ہو تم اس کے اہل ہو۔ مگر حکومت کا معاملہ ایسا ہے کہ عرب سوائے قریش کے کسی اور کی حکومت کو ہرگز گوارا نہیں کریں گے، کیونکہ قریش اپنے خاندان

اور نسب کے اعتبار سے عرب میں شریف ترین ہیں۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نے کہا : ابوعبیدہؓ اور عمرؓ میں سے جس کو چاہو خلیفہ بنالیں میں اس پر خوش ہوں۔ کیونکہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے ایک امین بندے کی درخواست کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہؓ کو ان کے ساتھ بھیجا تھا اور انہیں ہی اس امت کا امین قرار دیا تھا۔ لہٰذا میں ابوعبیدہؓ کی امارت کو تم سب کے لئے پسند کرتا ہوں۔ جو حسب ونسب کے حوالے سے بھی برتر ہیں اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے بھی۔ اُٹھو اور اس بندے کی امارت پر بیعت کریں۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا "بھلا میں اس قوم پر کیسے امیر بنوں جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہو۔ ایسی صورت میں میرا دل موت کے وقت مجھے عار دلائے گا۔" (طبری جلد دوم۔ حصہ اول۔ ص ۴۰۸)

اس کے بعد انصار میں سے حباب بن المنذرؓ نے تجویز پیش کی کہ مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ اس تجویز سے ایک شور و غوغا بلند ہوا، لہٰذا حضرت عمرؓ نے لوگوں کے درمیان اُٹھ کر تقریر فرمایا: اے انصار! تم کو خوب یاد ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تمھارے ساتھ حسن سلوک کی بات کی ہے اور اگر تم کو استحقاق امارت حاصل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کرتے۔

حضرت عمرؓ کا اس قدر کہنا تھا کہ انصار اور عمرؓ کے درمیان زور زور سے باتیں ہونے لگیں۔

امین الامت ابوعبیدہؓ نے ان کے درمیان صلح کراتے ہوئے ایک جامع تقریر کی اور فرمایا : یا معشر الانصار! اللہ سے ڈرو۔ تم وہ لوگ ہو جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدد کی۔ پس اب تم سب سے پہلے ان لوگوں میں سے نہ بنو جنہوں نے اپنے طبائع کو متبدل و متغیر کر دیا ہو۔

انصار میں سے بشیر بن سعد بن نعمانؓ پر ابوعبیدہؓ کی تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا اور فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ قریش سے تھے لہٰذا ان کی قوم امارت وخلافت کی زیادہ حقدار ہے۔ اگرچہ ہم نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدد کی تھی لیکن اس سے ہمارا مقصود اللہ کو راضی کرنا تھا۔ اس کا معاوضہ ہم دنیا میں نہیں لینا چاہتے اور نہ اس بارے مہاجرین سے جھگڑا کرنا چاہتے ہیں۔

تب بشیر بن سعد بن نعمانؓ نے اُٹھ کر سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت عمر و ابوعبیدہؓ نے بیعت کی اور پھر قبیلہ اوس وخزرج نے اور دیکھتے ہی دیکھتے

لوگ ابو بکرؓ کو خلیفہ ماننے کیلئے راضی ہو گئے۔

☆☆☆

خلافت صدیقی کا پہلا کام جیش اُسامہ کی روانگی تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے خود مرتب کیا تھا اور یہی مہم حضرت ابو بکرؓ کی پہلی جنگی مہم شمار ہونے لگی۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ رحلت کی خبر جوں جوں پھیلتی گئی وہاں سے بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ عرب کے اکثریت قبیلے ایسے تھے جنہوں نے اسلام صرف اس لئے قبول کیا تھا کہ ان کے سردار مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے سردار محض دنیاوی فائدے کے لئے اہل مدینہ کی اطاعت میں آئے تھے۔ ان قبائل نے سچے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا لہٰذا نوبت یہاں تک پہنچی کہ اہل مدینہ، قبیلہ قریش اور ثقیف کے علاوہ، باقی تمام عرب قبائل عام طور سے کُل یا اکثریت مرتد ہو گئے اور مدینہ پر حملے کی باتیں کرنے لگے۔ ساتھ ہی تین دعویدار نبوت میدان میں اُتر آئے۔ ایک طُلیحہ بن خویلد، دوسرا مسیلمہ بن حبیب کذّاب اور تیسری سجاح بنت حارث۔

خلیفۃ المسلمین ابو بکر صدیقؓ نے ان تمام باغی قبائل کو خطوط بھیجے کہ اسلام پر مضبوطی سے ڈٹے رہیں لیکن وہاں سے ایک ہی جواب ملا کہ ہمارا قبول اسلام صرف محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا اب وہ نہیں رہے تو معاہدہ بھی نہ رہا اور اب ہم مکمل طور پر آزاد ہیں۔ سیدنا ابو بکرؓ ان کی سرکوبی کے لئے جیش اسامہ کی واپسی کے منتظر ہونے لگے۔

خلیفہ ابو بکرؓ جیش اسامہ کے منتظر تھے کہ ادھر مرتدین نے مدینے پر حملہ کر دیا۔ مرتدین ڈھول اور دف بجاتے ہوئے اسلامی لشکر سے مدمقابل ہوئے، ساتھ ہی انہوں نے مشکیزوں میں ہوا بھر کے چھوڑے جس سے صحابہ کرامؓ کے اونٹ ڈر گئے اور سارا لشکر اسلام مدینہ پلٹ آیا اور مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ خلیفۃ المسلمین ابو بکرؓ نے رات نہیں گزارنے دی اور تمام لشکر کو اپنی قیادت میں اکٹھا کیا اور مرتدین کے خلاف ایک خونریز جنگ لڑی جس سے مرتدین کو شکست ہوئی اور طلیحہ کا بھائی حبال قتل ہو گیا۔ سیدنا ابو بکرؓ مرتدین کے تعاقب میں ذوالقصہ تک بڑھتے چلے گئے اور ایک فاتح کی حیثیت سے مدینہ پلٹے۔ اسی دوران جیش اسامہؓ بھی مال غنیمت لئے ہوئے مدینہ آپہنچے۔

☆☆☆

خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ نے ارتداد کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے گیارہ فوجی دستے روانہ فرمائے اور ہر دستے کا ایک امیر مقرر فرمایا۔ خالد بن ولیدؓ کو طلیحہ کے مقابلے پر بھیجا۔ عکرمہ بن ابوجہل کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے پر، شرحبیل بن حسنہؓ کو یمامہ کی طرف، خالد بن سعید کو شام کی آخری حدود کی طرف، عمرو بن العاص کو مرتدین قضاعہ کی طرف تبوک میں بھیجا۔ علاء الحضرمی کو بحرین، طریفہ بن حاجز کو بنوسلیم، عرفجہ بن ہرثمہ کو مہرہ کی طرف، حذیفہ بن محصن کو مسقط، سوید بن مقرن کو علاقہ یمن تہامہ کی طرف اور مہاجر بن ابی اُمیہ کو شمالی یمن عنسی کی طرف بھیجا۔

رخصتی کے وقت خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ نے تمام سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جب تک مرتدین دوبارہ اسلام میں نہیں آتے مدینہ واپس نہیں پلٹنا، یا تو اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کردو یا اللہ کا دین ان کے دلوں میں راسخ کردو۔

ایک طرف یہ دستے اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے تو دوسری طرف ابوبکرؓ نے مدینہ میں خلافت کی بنیاد رکھی۔ امین الامت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو بیت المال کا امیر (وزیر خزانہ) بنایا۔ بلاشبہ ابوعبیدہؓ کی موجودگی میں اس منصب کے لئے ان سے بڑھ کر اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ آپ کے مشیر خاص مقرر ہوئے۔ جزیرۃ العرب آٹھ صوبوں میں بٹا ہوا تھا۔ مدینہ، مکہ، طائف، نجران، صنعاء، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل۔

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ جب ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے تو ایک صبح آپ کندھے پر کپڑے ڈال کر فروخت کرنے کے لئے بازار کی طرف نکلے۔ راستے میں حضرت عمرؓ ملے اور کہا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: بازار کی طرف۔ حضرت عمرؓ نے کہا اب تو آپ مسلمانوں کے امیر ہیں اور اب بھی کسب کرتے رہیں گے؟ خلیفۃ الرسول نے جواب دیا اس کے علاوہ میرا کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے کہا میرے ساتھ چلئے جناب ابوعبیدہؓ سے آپ کے لئے روزینہ مقرر کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ خلیفۃ الرسول کو ساتھ لے کر ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے پاس لے آئے۔ ابوعبیدہؓ نے کہا میں آپ کے لئے عام مہاجرین کی طرح ایک متوسط شخص جیسا راشن مقرر کر دیتا ہوں اور سال میں دو جوڑے کپڑے ایک سردی اور ایک گرمی

کے اور جب وہ پرانی ہو جائیں تو خلیفہ انہیں واپس کر کے نئے لیا کریں۔ پھر ابوعبیدہؓ نے خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ کے لئے نصف بکری کے مقدار کا روزینہ مقرر کیا۔

☆☆☆

خالد بن ولیدؓ کے دستے نے طلیحہ کو شکست دے کر اس فتنے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ طلیحہ مع اپنی بیوی کے بھاگ کر شام کی طرف چلا گیا۔ شرحبیل بن حسنہؓ اہل یمامہ کو شکست دے کر فارغ ہو چکے تھے۔ اسی اثنا حضرت عکرمہ بن ابوجہل کو مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ ہُوا یہ کہ خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ نے شرحبیلؓ کو عکرمہ کی مدد کی غرض سے روانہ فرمایا تھا، عکرمہؓ نے عجلت کر کے شرحبیلؓ کے آنے سے پہلے لڑائی چھیڑ دی۔ خلیفہ ابوبکرؓ کو جب عکرمہ کی شکست کا علم ہوا تو عکرمہ کو ڈانٹ کر لکھا : اے ابن اُم عکرمہ! مجھے اس حالت میں اپنی صورت مت دکھانا اور مدینہ واپس نہیں آنا، میں یہ نہیں چاہتا کہ تم مدینہ آ کر لوگوں میں بددلی پھیلاؤ۔

خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ نے شرحبیلؓ کو پیغام بھیجا کہ جب تک خالدؓ نہیں پہنچتے جہاں ہیں وہاں مقیم رہیں۔ ساتھ ہی خالد کو یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں کوچ کا حکم دیا۔

ماہ شوال سنہ ۱۱ ہجری بمطابق دسمبر ۶۳۲ء کو خالد بن ولیدؓ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ کے لئے وادی بنو حنیفہ میں عقربا کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ اسلامی لشکر کی تعداد تقریباً تیرہ ہزار تھی جبکہ اس کے برعکس مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار کا ایک مسلح لشکر تھا۔ بعض مورخین نے مسیلمہ کے لشکر کی تعداد ستّر ہزار یا ایک لاکھ دس ہزار لکھی ہے۔ جنگ یمامہ اسلام کی پہلی خونریز جنگ تھی جس میں مسیلمہ کذاب کا ہر سپاہی اپنے جھوٹے نبی کے نام پہ جان قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔ مسیلمہ کی جھوٹی نبوت کا تحفظ اُن کے لئے جنون بن چکا تھا۔

خالد بن ولیدؓ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ میمنہ (دایاں حصہ) پر حضرت عمرؓ کے بھائی زید بن خطابؓ مقرر ہوئے، میسرہ (بایاں حصہ) پر ابوحذیفہؓ جبکہ قلب پر خالدؓ خود رہے۔ مسیلمہ نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ میمنہ پر محکم بن طفیل، میسرہ پر مرتد نہار الرجال جبکہ قلب پر خود رہا۔

بنو حنیفہ نے اسلامی لشکر کی صف بندی دیکھ کر تیر برسانے شروع کئے۔ اسلام کی پہلی خونریز

جنگ اور ارتداد کی آخری جنگ شروع ہوئی۔ فریقین نہایت سختی سے لڑ رہے تھے۔ خالد بن ولیدؓ نے مسیلمہ کذاب کے لشکر کو ایک آسان شکار سمجھا تھا لیکن آدھا دن گزرنے کے باوجود مسیلمہ کا لشکر ڈٹا رہا۔ اسلامی لشکر یکے بعد دیگرے حملوں سے چکنا چور ہو گیا تھا کہ مسیلمہ نے ایک تازہ دم لشکر سے مسلمانوں پر شدید حملہ بول دیا۔

مسیلمہ نہایت چالاک اور ایک ہوشیار جنگی قائد تھا وہ یہ جائزہ لیتا رہا کہ مسلمان کس وقت تھک کر چُور ہوں گے۔ آخر کار وہ وقت آ گیا کہ مسلمانوں کے حوصلے جواب دینے لگے۔ مسیلمہ نے بلند آواز سے پکارا: اے بنوحنیفہ! جو میری نبوت کی خاطر لڑ کر شہید ہو گا، وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ خدا نے تمھارے قبیلے کو نبوت دی ہے لہٰذا اپنی آبرو اور نبوت کی خاطر دشمن پر ٹوٹ پڑو۔

مسیلمہ کا اس قدر کہنا تھا کہ اُس کے جان نثار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور پہلے ہی حلے میں مہاجرین کا امیر اور میمنہ کا سالار زید بن خطابؓ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد میسرہ کا سالار ابوحذیفہ بن عتبہؓ بھی شہید ہو گئے جس سے مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور پیچھے ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔ مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی مرتدین نے مسلمانوں کے خیموں کو اُکھاڑنا شروع کر دیا۔

انصار کے ایک سالار ثابت بن قیس بن شماسؓ اپنی ایک جمیعت کے ساتھ مسیلمہ کے چالیس ہزار لشکر کے سامنے ڈٹے رہے اور ذرہ بھر اپنی جگہ سے پیچھے نہ ہٹے۔ خالدؓ نے یہ منظر دیکھ کر بلند آواز سے پکارا۔۔۔ براء بن مالک۔۔۔ کدھر ہیں؟

براء بن مالک ان چند برگزیدہ اشخاص میں سے تھے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میرے اُمت میں کچھ لوگ ایسے آتے رہیں گے جب وہ ہاتھ اُٹھایا کریں گے اور اللہ کو واسطہ دیا کریں گے تو اللہ ان کے ہاتھ کبھی خالی نہیں لوٹائیں گے۔ ان میں سے ایک براء بن مالک بھی ہیں۔ براء بن مالک کی دوسری صفت یہ تھی کہ چند صحابہ ایسے تھے جو میدان جنگ میں ایک ہزار کے برابر سمجھے جاتے تھے اور ہزار مرد کہلاتے تھے۔ ان میں سے ایک براء ابن مالک بھی تھے۔

خالد بن ولیدؓ نے براء بن مالک کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یا براء! میدان جنگ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اللہ سے فتح کی دعا مانگ اور مجھے انصار جمع کر کے دے دیں۔

براء بن مالکؓ نے ایک بلند جگہ پر پکارا: یا معشر الانصار! میں براء بن مالکؓ ہوں،

میرے پاس آؤ۔ اس پکار کا سننا تھا کہ تین ہزار انصار کی ایک جمیعت اکٹھی ہوئی۔ جھنڈا ثابت بن قیس بن شماس رضؓ کے ہاتھ میں تھا اور براء بن مالک رضؓ ان کے سالار تھے۔

مشہور مورخ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ براء بن مالک رضؓ کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب میدان جنگ میں اُترتے تو فرط جوش سے کانپنے لگتے پھر کچھ لوگ ان پر بیٹھ جاتے اور ان کو دباتے، تب ان کی کپکپی دور ہو جاتی۔ اس کے بعد وہ شیر کی طرح حملہ آور ہوتے اور راستے میں آنے والے ہر حملہ آور کو کاٹ ڈالتے۔ اسی دن یہی کیفیت ان پر طاری ہوئی اور شیر کی طرح مرتدین پر حملہ آور ہوئے۔

براء بن مالک رضؓ بڑھتے بڑھتے مسیلمہ کے سالار محکم بن طفیل کے پاس پہنچے جب اس کو شکست کے آثار نظر آنے لگے تو اس نے اپنی جمیعت کو قلعے کے اندر جانے کا حکم دے دیا اور خود نہایت بہادری سے لڑتا رہا۔ آخر کار خلیفۃ الرسول ابوبکر رضؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے بڑھ کر محکم بن طفیل کا کام تمام کر دیا۔ اسلامی لشکر کا جھنڈا بردار ثابت بن قیس بن شماس رضؓ مرتدین کے صفوں میں گھس کر دور اندر جا کر شہید ہو گئے اور اپنے ساتھ بے شمار مرتدین کو واصل جہنم کر دیا۔

مرتدین نے میدان جنگ چھوڑ کر قلعے میں پناہ لی۔ یہ قلعہ درحقیقت مسیلمہ کا ایک باغ تھا جو حدیقۃ الرحمٰن کے نام سے مشہور تھا۔ مسیلمہ نے اپنے دو مشہور سالار محکم بن طفیل اور نہار الرجال کو کھو بیٹھا تھا۔ نہار الرجال زید بن خطاب رضؓ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا جس کے بعد زید بن خطاب رضؓ نے لڑتے لڑتے خود بھی جام شہادت نوش فرمائی۔ قلعے کے اندر مسیلمہ کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ باغ کے اندر افراتفری کا ایک عالم تھا انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں نے باغ کو محاصرے میں لے لیا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو قلعے میں محفوظ سمجھنے لگے تھے۔

خالد بن ولید رضؓ اپنے سالاروں سمیت باغ کے ارد گرد گھومنے لگے لیکن اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اندر جا کر مسیلمہ کا قتل کرنا ضروری تھا تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ خالد اپنے سالاروں سے مشورہ کرنے لگے کہ اللہ کا سپاہی براء بن مالک رضؓ نے بڑھ کر فرمائش کی کہ مجھے ڈھال پہ بٹھا کر نیزوں کے ذریعے قلعے کے اندر پھینک دو، میں ان شاء اللہ دروازہ کھول دوں گا۔ تمام سالاروں نے براء بن مالک رضؓ کے اس مشورے کو احمقانہ قرار دیا لیکن آپ کے بے حد اصرار پر چند صحابہ نے انہیں ڈھال پر بٹھا کر نیزوں کے ذریعے قلعے کے اندر پھینک دیا۔ ایک طرف مسیلمہ کا پورا

لشکر جبکہ دوسری طرف اکیلے براء بن مالک ؓ ۔آپ سراپا عشق رسول ﷺ تھے ۔اکیلے قلعے کے اندر کود جانا ایک آتش فشاں پہاڑ کے دہانے کود جانے کا مترادف تھا۔ جونہی آپ قلعے کے اندر پہنچے تو تمام مرتدین ان پر ٹوٹ پڑے۔ براء بن مالک ؓ نے پیچھے سے دیوار کا سہارا لے کر تلوار نکالی اور مرتدین کو کاٹتے کاٹتے دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔تقریباً تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ براء بن مالک ؓ اکیلے قلعے کے اندر کود کر دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

دروازہ کھلتے ہی تمام مسلمان بڑی بے تابی کے ساتھ قلعے میں گھس گئے اور مرتدین کے ساتھ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔مسیلمہ کا باغ خون سے سیراب ہونے لگا لیکن اس کے باوجود مرتدین جانثاری کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ جنگ جیتنے اور ختم کرنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا۔۔۔مسیلمہ کذاب کا قتل۔۔۔

جنگ یمامہ میں جہاں بدری صحابہ اور کثیر تعداد میں حُفاظ قرآن اور علماء دین شامل تھے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کے قاتل وحشی بن حرب بھی شامل تھا۔جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ جنگ اُحد کے دوران یہی وحشی حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کی تاک میں بیٹھا ہوا برچھی پھینکنے کے انتظار میں تھا اسی طرح جنگ یمامہ کے روز وہ مسیلمہ کذاب کی تلاش میں گھوم پھر رہا تھا اور آخر کار وحشی کی عقابی آنکھوں نے مسیلمہ کو دیکھ ہی لیا۔مسیلمہ اپنے حفاظتی حصار کے اندر میدان جنگ کے مناظر دیکھ رہا تھا جہاں تک پہنچنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وحشی نے دُور سے مسیلمہ پر برچھی پھینکنے کا صحیح موقع اور زاویہ تلاش کیا اور تاک کر پوری طاقت سے برچھی مسیلمہ پر پھینکی۔ برچھی مسیلمہ کے پیٹ میں اُتر کر آر پار گزر گئی اور گر پڑا۔مرتدین نے گلا پھاڑ کر پکارا : ہمار نبی مارا گیا، مسیلمہ قتل ہو گیا، ہمارا نبی ایک سیاہ فام حبشی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

مسیلمہ زمیں پر تڑپ تڑپ کر مر رہا تھا کہ مشہور صحابی رسول ﷺ ابو دجانہ ؓ نے حفاظتی حصار توڑتے ہوئے مسیلمہ کا سر تن سے جُدا کر دیا۔مسیلمہ کے محافظوں نے ابو دجانہ ؓ پر عقب سے اتنے سخت وار کئے کہ ابو دجانہ وہیں شہید ہو گئے۔

مسیلمہ کے قتل کے ساتھ ہی مرتدین میں بھگدڑ مچ گئی مگر اب بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا وہ تو پہلے ہی سے قلعے میں محصور تھے لہٰذا قلعے کے اندر جتنے بھی مرتدین تھے سارے کے سارے قتل

کر دیئے۔

حدیقۃ الرحمٰن جو ایک سرسبز اور ہرا بھرا باغ تھا حدیقۃ الموت بن چکا تھا۔ اس کا حسن خون اور لاشوں میں ڈوب گیا تھا۔ بنو حنیفہ کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے اور بے شمار زخمی ہو گئے تھے۔ اس کے برعکس شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بارہ سو تھی جن میں تین سو قرآن کے حافظ اور عالم تھے۔ خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ کو جب اطلاع ملی کہ حفاظ کرام کی ایک کثیر تعداد جنگ میں شہید ہو گئی تو انہوں نے قرآن پاک کو ایک جگہ تحریری شکل میں جمع کرنے کا حکم دیا جس شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

جنگ یمامہ اسلام میں اس وقت تک لڑی جانے والی جنگوں میں سب سے خونریز جنگ تھی۔ جس میں مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت شہید ہوئی۔ جن میں ابوحذیفہ بن عتبہ، سالم مولا ابوحذیفہ، زید بن خطاب، عبداللہ بن سہیل، طفیل بن عمرو دوسی، ثابت بن قیس بن شماس، ابودجانہ اور عباد بن بشیر جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ اس جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی ارتداد اور خلافت صدیقی کی اندرونی سازشوں کا خاتمہ ہو گیا۔

☆☆☆

فروری ۶۳۳ء کے ایک روز قبیلہ بنو بکر کے سردار مثنیٰ بن حارثہؓ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے سامنے پیش ہوئے اور جنوبی عراق کے چند مسلمان قبائل پر فارس کے مظالم کا ذکر کیا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اپنے قبیلے کے چند نوجوانوں کو فارس کے خلاف جہاد پر آمادہ کیا ہوا ہے اور فارسیوں پر شبخوں مارتے ہیں۔ نیز انہوں نے خلیفۃ سے کمک اور فارس کے خلاف باقاعدہ جنگ کے آغاز کا بھی ذکر کیا۔ یاد رہے کہ عراق اس وقت سلطنت فارس کا ایک حصہ تھا۔

خلیفۃ ابوبکرؓ کے پاس حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وغیرہ بھی بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنے مشیروں کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ باوجود قلیل وسائل اور ذرائع کے ہمیں فارس کے خلاف کوئی ایسا قدم اٹھانا چاہئے؟ تمام مشیروں نے ایک ہی جواب دیا کہ اگرچہ ہمیں فارس کے خلاف بڑے پیمانے پر جنگ نہیں چھیڑنا چاہئے لیکن ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد ہر حال میں کرنی چاہیے۔ خلیفۃ ابوبکرؓ نے ان کی رائے کی تائید کی اور ایک تیز رفتار

قاصد کے ذریعے خالد بن ولیدؓ کو پیغام بھیجا کہ فوراً جنوبی عراق کے وہ علاقے جہاں دجلہ اور فرات ملتے ہیں، اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے پہنچ جائیں۔

عراق روانگی سے پہلے خالد بن ولیدؓ نے آٹھ ہزار ایسے مجاہدین جو عرصہ دراز سے محاذوں پر لڑ رہے تھے واپس مدینہ بھیج دیا لہٰذا ساتھ ہی خالد بن ولیدؓ نے خلیفۃ سے کمک کی درخواست کی۔ خلیفۃ ابوبکرؓ نے اکیلے قعقاع بن عمرو تمیمیؓ کو خالد کے پاس بھیجنے کا حکم دیا۔ صحابہ نے اعتراض کیا یا خلیفۃ الرسول! کیا صرف ایک آدمی آٹھ ہزار افراد کی کمی کو پورا کرسکتا ہے؟

خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ نے قعقاع بن عمروؓ کو سرتاپاؤں دیکھا اور سکون کی آہ لے کر فرمایا: ''مجاہدین کے جس لشکر میں قعقاع جیسا جوان ہوگا وہ لشکر کبھی شکست نہیں کھائے گا۔''

قعقاع اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوئے اور خالد کے پاس پہنچے۔ خالد نے سرگوشی کی حالت میں پوچھا کیا بقیہ کمک تیرے پیچھے آرہی ہے؟ قعقاع نے جواب دیا نہیں! خلیفۃ نے صرف مجھے بھیجا ہے۔ خالد نے غصے کی حالت میں پوچھا کیا تو اکیلا آٹھ ہزار کی کمی کو پورا کرسکتا ہے؟

قعقاع بن عمرو نے نہایت عاجزی کے ساتھ جواب دیا میرے امیر! میں آٹھ ہزار کی کمی کو پورا نہیں کرسکتا لیکن خدا کی قسم، میں کوئی کمی رہنے بھی نہیں دوں گا۔ میں جس رسول ﷺ کا کلمہ پڑھتا ہوں، وقت آنے پر اُن کے سامنے تمہیں شرمسار نہیں ہونے دوں گا۔ خالد یہ سن کر خاموش ہوگئے اور یمامہ سے عراق کی جانب کوچ کا حکم دے دیا۔

یہاں سے فتوحات عراق و فارس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو ایک الگ باب ہے۔ الغرض اسلامی لشکر نے بہت قلیل عرصے میں فارس کے خلاف وہ کامیابیاں حاصل کیں جو انسانی سوچ سے بالاتر ہیں۔ اور یہ کامیابیاں کیونکر حاصل نہ کرتے جس خلافت کے امیر ابوبکر اور مشیر عمر، ابوعبیدہ، علی اور عثمان رضوان اللہ عنہم اجمعین ہو۔

☆☆☆

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ نے ارتداد کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے گیارہ فوجی دستے روانہ فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک دستہ خالد بن سعید بن العاصؓ کا تھا۔ جنہیں شام کی آخری حدود تیماء کی طرف بھیجا گیا تھا۔ خالد بن سعیدؓ کو شام کے سرحدی علاقوں پر رومیوں

سے شکست اور پسپائی ہوئی۔ یہ شکست اور پسپائی اس سالار کی جلد بازی، ناتجربہ کاری اور حالات کو قبل از وقت نہ سمجھنے کا نتیجہ تھا۔ اس نے شام کے سرحدی علاقوں کو پار کر کے اندر رومیوں پر حملہ کرنے کی اجازت خلیفۃ سے اس طرح مانگی کہ جس طرح وہ خود آگے کے احوال و کوائف کو صحیح نہیں سمجھ سکا تھا اور یوں خلیفۃ المسلمین کو بھی احوال و کوائف سے بے خبر رکھا۔ خلیفۃ المسلمین ابو بکرؓ بہت بڑے دانشمند انسان تھے انہوں نے خالد بن سعید کو حملہ کرنے کی کھلی اجازت نہ دی بلکہ یہ کہا:

''رومیوں سے ٹکر لینے کی خواہش میرے دل میں بھی ہے اور یہ ہماری دفاعی ضرورت بھی ہے رومیوں کی جنگی طاقت کو اتنا کمزور کرنا ضروری ہے کہ وہ سلطنت اسلامیہ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کرسکیں لیکن ابھی ہم ان سے ٹکر نہیں لے سکتے تم ان کے خلاف بڑے پیمانے کی جنگ نہ کرنا بلکہ محتاط ہو کر آگے بڑھنا تاکہ اگر خطرہ زیادہ ہو تو پیچھے بھی بآسانی ہٹ سکو۔ تم صرف یہ جائزہ لینے کیلئے حملہ کرو کہ رومیوں کی فوج کس طرح لڑتی ہے اور انکے سالار کیسے ہیں۔''

گویا کہ خلیفۃ المسلمین کا مطلب یہ نہیں تھا کہ رومیوں پر یک دم حملہ کیا جائے بلکہ بہت محتاط طریقے سے رومیوں کی جنگی تدابیر معلوم ہو جائیں کہ وہ کیسی قوم ہے اور انکی جنگی چالیں کیا ہیں۔ خلیفۃ الرسول نے خالد بن سعیدؓ کو اپنی سرحدوں پر پہرہ دینے کیلئے بھیجا تھا۔ ان دستوں کا کام سرحدی فرائض انجام دینا تھا یعنی ان دستوں کو صرف دفاعی جنگ لڑنا تھا۔ انہیں دستوں میں مسلمانوں کے مشہور اور بہادر جنگجو عکرمہؓ بن ابوجہل بھی تھے۔

خالد بن سعیدؓ کو خلیفۃ الرسول ابو بکرؓ کا جواب ملتے ہی اپنے دستوں کو کوچ کا حکم دے دیا اور شام کی سرحدوں کو پار کر کے اندر داخل ہو گئے۔ شام کا حکمران ہرقل نہایت دانشمند، بہادر اور جنگجو تھا رومیوں کی فوج فارس کے مقابلے میں بہت منظم اور تربیت یافتہ تھی۔

خالد بن سعیدؓ نے آگے کے احوال و کوائف معلوم کئے بغیر اپنے دستے کو آگے بھیج دیا۔ جونہی آگے بڑھے رومی فوج کی کچھ نفری خیمہ زن تھی۔ خالد بن سعید نے حالات اور واقعات کو مدنظر رکھے بغیر اس پر حملہ کر دیا۔ رومیوں کا سالار باہان تھا جو جنگی چالوں کا ماہر تھا۔ خالد بن سعیدؓ سمجھ نہ سکا کہ رومیوں کی جس نفری پر اس نے حملہ کیا ہے اس کی حیثیت جال میں دانے کی ہے اور وہ انہی میں الجھ گیا۔ کچھ دیر لڑنے کے بعد اسے پتہ چلا کہ اس کے دستے رومیوں کے گھیرے میں آ گئے ہیں۔

حالات کچھ یوں پیدا ہو گئے کہ خالد بن سعیدؓ کے لئے اپنے دستوں کو بچانا ناممکن ہو گیا۔ اس نے یہ حرکت کی کہ اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر میدان جنگ سے پسپائی اختیار کی اور اپنے باقی دستے کو رومیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے مسلمانوں کے ان دستوں میں عکرمہؓ بن ابو جہل بھی تھے۔ اس گھمبیر صورتحال میں حضرت عکرمہؓ نے دستے کی کمان سنبھالی اور ایسی چالیں چلیں کہ اپنے دستوں کو بہت بڑی تباہی سے بچا لائے اور اپنے تمام دستوں کو جنگی قیدی بنانے سے بچا ڈالا۔ جب مدینہ اطلاع پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن سعیدؓ کو معزول کر کے مدینہ واپس بلا لیا۔ خلیفۃ المسلمین کے غصے کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خالد بن سعید کو بھری محفل میں بزدل اور نالائق کہا۔ اس کے بعد خالد بن سعیدؓ خاموشی کی زندگی گزارنے لگے اور اپنے کیے پر بہت نادم رہے اور پنے رب کے حضور توبہ کرتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ یوں قبول فرمائی کہ جب مسلمانوں نے شام کو میدان جنگ بنا لیا، خالد بن سعیدؓ کو وہاں ایک دستے کے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی اور اپنے نام سے شکست اور پسپائی کا داغ یوں دھویا کہ نہایت بہادری اور بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

☆☆☆

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی مجلس شوریٰ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس مجلس میں جو معزز اکابرین شامل تھے ان میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، معاذ بن جبل، ابی ابن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنھم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خلیفۃ ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا : میرے دوستو! رسول اللہ ﷺ کا ارادہ تھا کہ شام کی طرف سے رومیوں کا سدّ باب کیا جائے رسول اللہ ﷺ جو ارادہ اور تدبیریں تھیں ان پر عمل کرنے کی آپ ﷺ کو مہلت نہ ملی اور آپ ﷺ وصال فرما گئے۔ اب تم نے سن لیا ہے کہ ہرقل جنگی تیاریاں مکمل کر چکا ہے اور ہمارا ایک سالار خالد بن سعید شکست کھا کر واپس آ گیا ہے۔ اگر ہم نے رومیوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی تو ایک تو اپنے لشکر کے حوصلے کمزور ہو جائیں گے اور وہ رومیوں کو اپنے سے زیادہ بہادر سمجھنے لگیں گے۔ دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ رومی آگے بڑھ آئیں گے اور ہمارے لئے خطرہ بن جائیں گے۔ اس صورت حال میں

تم مجھے کیا مشورہ دو گے؟ یہ بھی یاد رکھنا کہ ہمیں فوج کی ضرورت ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا : خلیفۃ المسلمین! آپ کے عزم کو کون رد سکتا ہے۔ میں محسوس کر رہا ہو کہ شام پر حملے کا اشارہ اللہ کی طرف سے ملا ہے۔ لشکر کیلئے مزید مجاہدین تیار کریں اور جو کام اللہ کے رسول ﷺ نے کرنا چاہا تھا اسے ہم ضرور پورا کریں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: اللہ کی سلامتی ہو تم پر! غور کر لیں رومی ہم سے طاقتور ہیں۔ خالد بن سعید کا انجام دیکھ لیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے ارادوں کو ضرور پورا کریں گے لیکن ہم اس قابل نہیں کہ رومیوں پر بڑا حملہ کریں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہمارے دستے رومیوں کی سرحدی چوکیوں پر حملے کرتے رہیں اور ہر حملے کے بعد دور پیچھے آجائیں اس طرح رومیوں کا آہستہ آہستہ نقصان ہوتا رہے گا اور ہمارے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوتے جائیں گے اور اس دوران ہم اپنے لشکر کے لئے لوگوں کو اکٹھا کرتے رہیں گے۔ خلیفۃ المسلمین جب ہمارا لشکر مضبوط ہو جائے گا تو تم خود جہاد پر روانہ ہو جاؤ اور چاہو تو قیادت کسی دوسرے کو سونپ دینا۔

مؤرخین نے اس دور کی تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ تمام مجلس پر خاموشی طاری ہوگئی۔ تمام مجلس میں کسی دوسرے کو بولنے کی ہمت نہیں ہوئی اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بڑی جرأت سے اپنا مشورہ پیش کیا تھا۔

خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق نے مجلس کی خاموشی کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ باقی لوگ بھی اپنے مشورے دیں، حضرت عثمان بن عفانؓ نے کہا: کون شک کرسکتا ہے تمہاری دیانتداری پر بے شک تم مسلمانوں کی اور دین اسلام کی بھلائی چاہتے ہو پھر کیوں نہیں تم حکم دیتے کہ شام پر حملہ کرو نتیجہ جو بھی ہوگا ہم سب دل و جان سے منظور کر لیں گے۔

مجلس کے دوسرے شرکاء حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ نے عثمان بن عفانؓ کی تائید کی اور متفقہ طور پر کہا کہ دین اور اسلام کے وقار کیلئے مسند خلافت سے جو حکم ملے گا اسے ہم سب دل و جان سے قبول کریں گے۔

خلیفۃ المسلمین نے آخر میں فرمایا: تم سب پر اللہ کی رحمت ہو۔ میں تم میں سے کچھ امیر مقرر کرونگا اللہ کی اور اس کے رسول کے بعد اپنے امیروں کی اطاعت کرو۔ اپنی نیتوں اور ارادوں کو

صاف رکھو بے شک اللہ انہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

گویا کہ خلیفۃ المسلمین نے شام پر حملے کا حکم دیا کہ شام پر حملہ ہوگا اور رومیوں کے ساتھ جنگ لڑی جائے گی کہ اچانک مجلس پر خاموشی طاری ہوگئی۔ محمد حسین ہیکل لکھتا ہے کہ یہ خاموشی ایسی تھی کہ جیسے وہ رومیوں سے ڈر گئے ہو یا انہیں خلیفۃ المسلمین کا فیصلہ پسند نہ آیا ہو۔ مسلمانوں کی ہچکچاہٹ کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ خلیفۃ المسلمین نے اس وقت کی سپر پاور رومیوں کے خلاف لڑنے کا خطرہ مول لیا تھا اور وہ بھی چند ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ کہ نہ تو مسلمانوں کے پاس افرادی قوت تھی اور نہ جنگی ساز و سامان تھا، البتہ مسلمانوں کے پاس اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبت ضرور تھی جس کی بناء پر وہ کسی بھی دشمن پر حملے سے منہ موڑنے والے نہیں تھے اور یہی وہ روحانی طاقت تھی کہ جس کے بناء پر مجلس شوریٰ کے تمام اراکین نے لبیک لبیک کے نعرے بلند کئے اور سب نے متفقہ طور پر خلیفۃ المسلمین کی بیعت کی کہ وہ رومیوں سے ضرور لڑیں گے اور نتیجہ جو بھی ہو، ہمیں قبول ہوگا۔

☆☆☆

حج سے واپسی پر خلیفۃ المسلمین ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں گھوڑ دوڑ، نیزہ بازی، تیغ زنی، تیر اندازی اور کشتیوں کا مقابلہ منعقد کرایا۔ ارد گرد کے تمام قبیلوں کو اس مقابلے میں شرکت کی دعوت دی گئی اتنے سارے قبیلوں نے اس مقابلے میں شرکت کی کہ مدینہ میں تین دن تک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھا۔ ہر طرف گھوڑے اور اونٹ ہی نظر آتے تھے۔ گلیوں میں چلنے کو رستہ نہیں ملتا تھا۔ مسلسل تین دن تک مختلف قسم کے مقابلے منعقد ہوئے جن قبیلوں کے لوگ جیت جاتے وہ قبیلے میدان میں آکر ناچتے کودتے اور چلّا چلّا کر خوشی کا اظہار کر لیتے اور ساتھ میں دف اور نفیریاں بھی بجتی رہتی۔ مقابلے میں باہر کا کوئی شہسوار، تیغ زن یا پہلوان زخمی ہوتا تو اسے اٹھا اٹھا کر اپنے گھر لے جاتے۔ اہل مدینہ کی میزبانی نے قبائل کے دل موہ لئے۔ مقابلوں اور میلے کا اہتمام چونکہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خود کیا تھا اسلئے لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ میلے کے آخری روز مدینے کا ایک گھوڑ سوار میدان میں آیا اور بلند آواز سے پکارا "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیو! خدا کی قسم، کوئی نہیں جو تمہیں نیچا دکھا سکے تم نے اس میدان میں اپنی طاقت اور بہادری کے جوہر دکھائے ہیں۔ کون ہوگا جو تمہارے سامنے اپنے پاؤں پر کھڑا رہ سکے۔ وقت آچکا ہے کہ اب اس طاقت کو دشمنان اسلام

کے خلاف آزمایا جائے۔

یا معشر المسلمین! اپنی زمین کو دیکھ، اپنے اموال کو دیکھ، اپنی عورتوں کو دیکھ جو تمہارے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں، اپنی جوان اور کنواری بیٹیوں کو دیکھ جو تمہارے دامادوں کے انتظار میں بیٹھی ہیں کہ حلال کے بچے پیدا کریں، اپنے دین کو دیکھ جو اللہ کا سچا دین ہے۔ خدا کی قسم! تم غیرت والے ہو، عزت والے ہو، اللہ نے تمہیں برتری دی ہے۔ تم پسند نہیں کرو گے کہ کوئی دشمن اس وقت تم پر آں پڑے جب تم سوئے ہوئے ہوں اور تمہارے گھوڑے اور اونٹ بغیر زینوں کے بندھے ہوئے ہوں اور تم نہیں بچا سکو گے اپنے اموال کو اپنے بچوں کو اپنی عورتوں کو اور اپنی کنوار بیٹیوں کو اور دشمن تمہیں مجبور کردے گا کہ اپنے سچے دین کو چھوڑ کر غیر کے دیوتاؤں کی پوجا کریں۔

اس شہسوار کی آواز میں ایک خاص قسم کی گرج اور جذبہ تھا جس میں وہ بول رہے تھے کہ اچانک میلے کے ایک شتر سوار نے گرج کر کہا بتا ہمیں وہ دشمن کون ہے؟ کون ہے جو ہماری غیرت کو للکار رہا ہے گھوڑ سوار نے بلند آواز سے جواب دیتے ہوئے کہا ’’رومی ہیں وہ جو ملک شام پر قبضہ کئے بیٹھے ہیں ہم مانتے ہیں کہ انکی فوج ہم سے کئی گنا زیادہ ہے ان کے ہتھیار ہم سے کئی گنا اچھے اور مضبوط ہیں لیکن وہ تمہارا وار نہیں سہہ سکتے۔ تم نے اس میدان میں اپنی طاقت اور اپنی ہمت دیکھ لی ہے اب اس میدان کی طرف چلو جہاں تمہاری طاقت اور ہمت تمہارا دشمن دیکھے گا‘‘۔

یہ جوشیلی تقریر سن کر میلے کے ایک اور نوجوان نے بلند آواز سے کہا۔ بتا ہمیں اس میدان میں کون لے جائے گا؟ مدینے کے گھوڑ سوار نے پھر بلند آواز سے جواب دیتے ہوئے کہا مدینے والے ہی تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ دیکھو انہیں جو برسوں سے محاذ پر لڑ رہے ہیں، کٹ رہے ہیں اور وہیں دفن ہو رہے ہیں انہیں اپنے بچوں کی یاد نہیں۔ انہیں اپنے گھر یاد نہیں آتے وہ بڑی تھوڑی مقدار میں ہیں اور اپنے دشمن کو شکست پہ شکست دیتے آگے بڑھ رہے ہیں وہ راتوں کو بھی جاگتے ہیں تمہاری عزتوں کے لئے۔ انہوں نے آتش پرست فارسیوں کا سر کچل ڈالا ہے اب رومی رہ گئے ہیں مگر ہمارے مجاہدین تھک گئے ہیں۔ محاذ ایک دوسرے سے دور ہیں اور وہ ہر جگہ فوراً نہیں پہنچ سکتے کیا تم جو غیرت والے ہو، عزت والے ہو، طاقت اور ہمت والے ہو، انکی مدد کو نہیں پہنچو گے؟

ہجوم جو پہلے ہی سے اس جوشیلی تقریر سے بے چین ہو گیا تھا جوش و خروش سے پھٹنے لگا اور

لبیک لبیک کے نعرے بلند کئے۔ قبیلوں کی جو عورتیں مدینہ آئیں تھی انہوں نے اپنے مردوں کو اسلامی لشکر میں شامل ہونے پر اکسانا شروع کیا اور یہی خلیفۃ المسلمین کا منشاء تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اسلامی لشکر میں شامل کرایا جائے اور اسی طرح لوگ جوق در جوق اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

اب چونکہ یمن میں اسلام ایک مقبول مذہب بن چکا تھا ارتداد بھی ختم ہو گیا تھا اور وہاں کا غالب مذہب اسلام تھا۔ خلیفۃ المسلمین نے اہل یمن کے نام ایک خط لکھا جو ایک قاصد کو دیکر فوراً روانہ کیا گیا۔ خط میں لکھا تھا:

''اہل یمن! تم پر اللہ کی رحمتیں برسیں، تم مؤمنین ہو اور مؤمنین پر اس وقت جہاد فرض ہو جاتا ہے جب ایک طاقتور دشمن کا خطرہ موجود ہو۔ حکم رب العالمین ہے کہ تم تنگدستی میں ہو یا خوشحالی میں، تمہارے پاس سامان کم ہے یا زیادہ، تم جس حال میں بھی ہو دشمن کے مقابلے کیلئے نکل پڑو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیلئے نکلو، تمہارے جو بھائی مدینہ آئے تھے انہیں میں نے بغرض جہاد شام جانے کی ترغیب دی تو وہ بخوشی تیار ہو گئے اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے ہیں۔ میں یہی ترغیب تمہیں دیتا ہوں میری آواز تمہیں پہنچ گئی ہے اس میں اللہ کا حکم ہے وہ سنو اور جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس کے حکم کی تعمیل کرو۔

قاصد نے یمن پہنچ کر اس دور کے رواج کے مطابق مختلف جگہوں پر لوگوں کو اکٹھا کیا اور خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کا خط بلند آواز سے سنایا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ یمن کا ایک سردار ذوالکلاع حمیری نے نہ صرف اپنے قبیلے کے جوان آدمیوں کا ایک لشکر بنایا بلکہ اپنے زیر اثر چند اور قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر لشکر کی صورت میں مدینہ پہنچ گیا جس وقت وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قریب پہنچا تو آپ کو سلام کر کے حسب ذیل اشعار پڑھے:

(ترجمہ اشعار) میں قوم حمیر سے ہوں اور جن لوگوں کو آپ میرے ساتھ دیکھتے ہیں وہ جنگ میں سبقت کرنے والے اور حسب نسب کے اعتبار سے اعلیٰ ہیں۔ شجاعت کے پیشہ کے شیر اور دلیروں کے سردار ہیں بڑے بڑے مسلح بہادروں کو لڑائی کے وقت موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ ہماری عادت اور خو ہی لڑائی کی اور ہمت ہی مرنے مارنے کی ہے اور ان سب عہدہ داروں پر ذوالکلاع ان کا سردار ہے۔ ہمارا لشکر آ چکا ہے سلطنت روم ہمارا مسکن اور شام ہمارا ہے اور وہاں کے رہنے والوں کو

ہم ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیں گے۔

خلیفۃ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوالحسن، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا تھا کہ جس وقت قبیلہ حمیر مع اپنے اہل وعیال کے آئے تو مسلمانوں کو انکی فتح کی خوشخبری سنا دینا کہ مسلمان تمام مشرکین پر فتح پائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب قبیلہ حمیر مع اپنے اہل وعیال اور سازوسامان گزر گیا تو انکے پیچھے قبیلہ مذحج اپنے سالار قیس بن ہبیرہ مرادی کے ہمراہ پہنچ گیا اسی طرح دو اور قبیلے (قبیلہ طرہ اور قبیلہ ازد) مع اپنے سالاروں حابس بن سعد طائی اور جندب بن عمرو الدوسی کے مدینہ چلے آئے۔ قوم ازد کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی کمان لٹکائے اور ترکش لئے ہوئے موجود تھے انہیں اس حالت میں دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبسم فرمایا اور کہا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! تم کیوں چلے حالانکہ تم لڑائی کے فن سے کم واقف ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے خلیفۃ المسلمین! اول تو اس لئے کہ جہاد کے ثواب میں شامل ہو جاؤں، دوسرے شام کے میوہ جات ان شاء اللہ کھانے میں آئیں گے۔ آپ یہ سن کر مسکرائے۔

☆☆☆

مارچ ۶۳۴ء (محرم ۱۳ھ) میں اس لشکر کا اجتماع مدینہ میں ہوا تھا۔ یہ ایک اچھا خاصا لشکر بن گیا تھا اور تقریباً ہر فرد کے ساتھ گھوڑا یا اونٹ تھا اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ خلیفۃ المسلمین ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود اس اجتماع کے ہر آدمی کو اچھی طرح دیکھا کہ وہ تندرست و توانا ہے اور وہ کسی کی وجہ سے مجبور ہو کر تو نہیں آیا ہے بلکہ خود جہاد کی عظمت اور فضیلت کو سمجھ کر آیا ہے۔ لشکر کی تفصیلی چھان بین کرتے ہوئے ان مرتدین اور منافقین کو نکالا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت کے بعد مرتد ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے اور اسلام سے منحرف ہو کر بغاوت کی تھی جب مسلمانوں نے ان کے خلاف غلبہ پایا اور انکو مارا پیٹا تو اسلام کو قبول کر لیا مگر جب مسلمانوں نے ان پر بھروسہ کر کے ان سے پیچھے ہٹے تو پھر اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئے تھے۔ اسی طرح کے تمام لوگوں کو جہاد کے اس عظیم لشکر سے نکالا گیا کیونکہ خلیفۃ الرسول یہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ اس لشکر میں منافق مرتد یا کمزور ایمان کے لوگ شامل ہوں کیونکہ اس لشکر کے ذمے بہت بڑی ذمہ داری تھی اور وہ ذمہ داری اس وقت کی سپر پاور

''روم'' سے ٹکر لینا تھا۔ چونکہ خلیفۃ الرسول ابوبکرؓ نہایت دانشمند انسان تھے اور انہیں یہ خوب معلوم تھا کہ یہ جنگ صرف اور صرف مسلمانوں کی روحانی قوت سے جیتی جا سکتی ہے کیونکہ مسلمانوں کی افرادی قوت رومیوں کی نسبت آٹے میں نمک کی برابر تھی۔

لشکر کی تفصیلی چھان بین کے بعد اس لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر حصے کا ایک سالار اور امیر مقرر کیا گیا۔ لشکر کی کل تعداد تقریباً اٹھائیس ۲۸ ہزار تھی یعنی ہر حصے میں ۷، ۷ ہزار لوگ آ گئے ایک حصے کے سالار ابوعبیدہ بن جراح مقرر ہوئے، دوسرے حصے کے یزید بن ابی ابوسفیان، تیسرے حصے کے عمرو بن العاص اور چوتھے حصے کے سالار شرحبیل بن حسنہؓ مقرر ہوئے۔ روانگی سے چند دن قبل ہر سالار نے اپنے دستوں کو جہاد کی ترغیب اور ٹریننگ دی اس ٹریننگ میں دوران جہاد ثابت قدمی، آپس میں رابطہ اور نظم و نسق اور امیر کے ہر حکم کو دل و جان سے ماننے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی گئی۔

☆☆☆

اپریل ۶۳۴ء (صفر ۱۳ھ) کے پہلے ہفتے میں اس لشکر کو شام کی طرف کوچ کا حکم ملا۔ ہر دستے کو الگ الگ مقامات پر پہنچنا تھا اور ایک دوسرے سے الگ الگ کوچ کرنا تھا۔ ابوعبیدہ بن جراحؓ کو اپنے دستوں کے ساتھ حمص براستہ تبوک جانا تھا۔ عمرو بن العاصؓ کی منزل فلسطین تھی، یزید بن ابوسفیانؓ کی منزل دمشق تھی انہیں بھی تبوک کے راستے سے جانا تھا۔ شرحبیل بن حسنہؓ کو اردن کی طرف جانا تھا انہیں بتایا گیا تھا کہ یزید بن ابی اسفیانؓ کے دستوں کے پیچھے پیچھے جائیں۔

خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ نے عین روانگی کے وقت اپنا آخری حکم یہ دیا ''اللہ تم سب کا حامی و ناصر ہو تمام سالار اپنے اپنے دستوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھیں گے۔ اگر رومیوں کے ساتھ کہیں ٹکر ہو گئی تو سالار ایک دوسرے کو اپنی مدد کیلئے بلا سکتے ہیں اور اگر لشکر کے چاروں حصوں کو مل کر لڑنا پڑا تو امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ تمام لشکر کے سپہ سالار ہونگے''۔

سب سے پہلے ابوعبیدہ بن جراحؓ اور یزید بن ابی سفیانؓ نے اپنے دستوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ مدینہ کی عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی باہر نکل آئے تھے بعض عورتیں اور بچے گھروں کی چھتوں سے اپنوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ بوڑھے مرد اور عورتیں اشکبار آنکھوں سے مجاہدین کی

کامیابی کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ابو عبیدہ بن جراح رضؓ اور یزید بن ابی سفیان رضؓ اپنے دستوں کے ساتھ پیدل جا رہے تھے اور خلیفۃ المسلمین ابو بکر رضؓ انکی مشایعت فرما رہے تھے ابو عبیدہ رضؓ اور یزید بن ابی سفیان رضؓ نے خلیفۃ کو کئی بار واپس جانے کا کہا لیکن ابو بکر رضؓ نہ مانے اور لشکر کے ساتھ مدینہ سے دور باہر تک چلے گئے۔

یزید بن ابی سفیان نے کہا "اگر خلیفۃ المسلمین واپس نہیں جائیں گے تو میں ایک قدم آگے نہیں بڑھوں گا" خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! تو مجھے سنت رسول ﷺ سے روک رہا ہے۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ جہاد کے ہر لشکر کے ساتھ مدینہ سے دور باہر جاتے اور دعاؤں اور نصیحتوں کے ساتھ رخصت کرتے تھے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو پاؤں جہاد فی سبیل اللہ میں گرد آلود ہو جاتے ہیں دوزخ کی آگ ان سے دور رہتی ہے۔

تاریخ کے مطابق خلیفۃ المسلمین لشکر کے اس حصے کے ساتھ مدینہ سے دو میل تک دور چل کر رک گئے اور وعظ و نصیحت شروع کی "اللہ آپ سب کو فتح و نصرت عطا فرمائے کوچ کے دوران اپنے آپ پر اور اپنے لشکر پر کوئی سختی نہ کرنا فیصلہ اگر خود نہ کر سکو تو اپنے ماتحتوں سے مشورہ لینا اور تلخ کلامی نہ کرنا۔ امن و انصاف کا دامن نہ چھوڑنا ظلم سے باز رہنا کہ ظلم اور بے انصافی کرنے والی قوم کو اللہ پسند نہیں کرتا اور ایسی قوم کبھی فاتح نہیں ہوتی۔ میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھانا کیونکہ بغیر کسی جنگی ضرورت کے پیچھے ہٹنے والے پر اللہ کا قہر اور غضب نازل ہوتا ہے اور جب تم اپنے دشمن پر غالب آجاؤ تو عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا اور جو جانور تم کھانے کیلئے ذبح کروانکے سوا کسی جانور کو نہ مارنا"۔

مورخ واقدی، ابو یوسف، ابن خلدون اور ابن اثیر نے خلیفۃ المسلمین کے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں "آپکو خانقاہیں یا عبادت گاہیں نظر آئیں گی اور انکے اندر راہب بیٹھے ہوئے ہوں گے، وہ تارک الدنیا ہونگے انہیں اپنے حال میں رہنے دینا۔ نہ خانقاہوں اور عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانا نہ انکے راہبوں کو پریشان کرنا اور تمہیں صلیب کے پوجنے والے بھی ملیں گے۔ انکی نشانی یہ ہوگی کہ انکے سروں کے درمیان میں بال ہوتے ہی نہیں بلکہ منڈوا دیتے ہیں ان پر اسی طرح حملہ کرنا جس طرح میدان جنگ میں دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے۔ انہیں صرف اسی صورت میں چھوڑنا کہ اسلام قبول کرلیں یا جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اللہ کے نام پر لڑنا اعتدال سے کام لینا، غداری نہ کرنا اور جو ہتھیار ڈال

دے اسے بلاوجہ قتل نہ کرنا اور نہ ایسے لوگوں کے اعضاء کاٹنا''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی کوئی لشکر محاذ پر جاتا تو انکے ساتھ کچھ دور تک پیدل جاتے سالاروں کو انکے فرائض یاد دلاتے اور لشکر کو دعاؤں سے رخصت کرتے۔ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے تمام سالاروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح رخصت کیا۔

☆☆☆

مدینے کا یہ لشکر پندرہ دنوں میں شام کی سرحدوں پر اپنے بتائے ہوئے مقامات پر پہنچ چکا تھا اس وقت روم کا حکمران ہرقل حمص میں تھا۔ وہ صرف شہنشاہ ہی نہیں تھا بلکہ میدان جنگ کا استاد اور جنگی چالوں کا ماہر تھا۔ حمص میں شہنشاہ ہرقل اپنے انجام سے بے خبر اپنے محل میں عیش وعشرت کی زندگی میں مگن تھا۔ شہنشاہ ہرقل کے محل میں وہی شان وشوکت تھی جو شہنشاہوں کے محلّات میں ہوا کرتی ہے ناچنے اور گانے والیاں حسین اور نوجوان لڑکیاں ملازم تھی۔

جیسا کہ ابوعبیدہ بن جراحؓ کے دستوں کی منزل حمص تھی اور دستے اب حمص کی سرحدوں سے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ یہیں پر ایک جاسوس نے ہرقل کو مسلمانوں کے آنے کی خبر دی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر حمص کی سرحدوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس شام دو اور جگہوں سے بھی اطلاع آئی کہ مسلمانوں کا لشکر پہنچ چکا ہے۔ مسلمانوں کے لشکر کے چوتھے حصے کی اطلاع ابھی نہیں آئی تھی رات کو ہرقل نے اپنے جرنیلوں اور مشیروں کو بلایا اور کہا ''کیا تمہیں معلوم ہے سرحد پر کیا ہو رہا ہے؟ مدینے کی فوج تین جگہوں پر آ گئی ہے اپنی کسی سرحدی چوکی نے کوئی اطلاع نہیں دی کیا وہاں سب سوئے رہتے ہیں؟ کیا تم برداشت کر سکتے ہو کہ عرب کے چند لٹیرے قبیلے تمہیں سرحدوں پر آ کر للکاریں؟ کیا تم انکے ایک سالار (خالد بن سعیدؓ) کو اپنی طاقت نہیں دکھا چکے؟ وہ خوش قسمت تھا کہ نکل گیا اب وہ زیادہ تعداد میں آ گئے ہیں وہ مال غنیمت کے بھوکے ہیں۔ فوراً تیاری کرلو ان کا کوئی ایک آدمی اور کوئی گھوڑا یا اونٹ واپس نہ جائے''۔

جرنیلوں میں سے ایک جرنیل نے جواب دیا اگر یہ معاملہ کچھ اور ہوتا تو ہم آپ کی تائید کرتے لیکن یہ مسئلہ جنگ کا ہے۔ جس نے فارس کے شہنشاہ اردشیر کو شکست دی، جسکی جنگی طاقت ہماری مساوی اور ٹکر کی تھی اس لشکر کو اتنا کمزور اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے (یاد رہے کہ روم پر حملہ کرنے

سے پہلے مسلمانوں کے ایک لشکر نے خالد بن ولیدؓ کی سربراہی میں فارس کو شکست دی تھی اور وہاں اسلامی خلافت نافذ کی تھی)۔ اردشیر بھی مدائن میں بیٹھا ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا۔ میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ فارس کا انجام دیکھیں۔ مدائن کے محل اب بھی کھڑے ہیں لیکن مقبروں کی طرح۔ اردشیر نے پہلے پہل مسلمانوں کو عرب کے بدو اور ڈاکو کہا تھا اور اپنی فوج کو احکامات جاری کئے تھے کہ عرب کے ان بدوں اور ڈاکوں کچل ڈالو مگر اس کا جو بھی جرنیل مسلمانوں کے مقابلے میں گیا، کچلا یا گیا۔ مسلمان انکے علاقوں پر علاقے فتح کرتے چلے گئے حتیٰ کہ ان کے تیر مدائن میں گر گئے اور اہل فارس کو مجبوراً مدائن خالی کرنا پڑا۔

شہنشاہ اعظم! مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمان مذہبی جنون سے لڑتے ہیں اور لڑنے کو ایک مذہبی عقیدہ سمجھتے ہیں اب ہم انکے عقیدے کو سچا مانیں یا جھوٹا، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ فوج کی کثرت اور ہتھیاروں کے بل بوتے پر نہیں لڑتے بلکہ ایک خاص جذبے اور عقیدے کے زور پر لڑتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگتے بلکہ موت کو بھاگنے پر ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے جرنیلوں نے بھی اسی طرح کے مشورے دیئے اور ہرقل قائل ہو گیا کہ مسلمانوں کو طاقتور اور خطرناک دشمن سمجھ کر جنگ کی تیاری شروع کی جائے۔ ہرقل نے سخت لہجے میں کہا لیکن میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں کہ مسلمان جو کچھ ہی سال پہلے وجود میں آئے ہیں اور عظیم سلطنت روم کو للکاریں ۔ ہمارے پاس صدیوں پرانی تاریخ ہے ہم نے پوری دنیا پر اپنی دہشت طاری کی ہوئی ہے، ہمارا مذہب دیوتاؤں کا مذہب ہے آسمانوں اور زمین پر ہمارے دیوتاؤں کی حکمرانی ہے۔ اسلام ایک انسان کا بنایا ہوا مذہب ہے جس کے پھیل جانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی میں صرف یہ حکم دوں گا کہ اس مذہب کے تمام پیروکاروں کو اس طرح ختم کیا جائے کہ اسلام کا نام لینے والا کوئی زندہ نہ رہے۔

تاریخ ابن خلدون میں تحریر ہے کہ جب ہرقل کو مسلمانوں کے لشکر کی اطلاع ملی تو اپنے جرنیلوں اور مشیروں کو بلایا اور سب سے پہلے عربوں سے لڑنے کیلئے منع کیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ عرب جو چاہتے ہیں ان کو دے کر صلح کر لی جائے اور مسلمانوں کو واپس مدینہ بھجوایا جائے لیکن تمام جرنیلوں اور مشیروں نے صلح کرنے سے انکار کیا اور عربوں سے لڑنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ہرقل نے انکی رائے قبول کر کے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی اجازت دے دی۔

ابن کثیر اور ابن اثیر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ابوعبیدہ بن جراحؓ بلقاء کے دروازے پر رومیوں سے لڑے تھے جس میں اہل بلقاء نے زیر ہو کر صلح کر لی تھی اس طرح یہ پہلی صلح تھی جو ملک شام میں ہوئی۔

اسکے بعد رومی سرزمین فلسطین کے ایک مقام العربہ میں جمع ہو گئے جس کو سر کرنے کیلئے یزید بن ابی سفیانؓ نے ابوامامہ باہلی کو امیر بنا کر لشکر بھیجا۔ العربہ میں رومیوں اور مسلمانوں میں سخت لڑائی ہوئی اور رومیوں کا ایک عظیم جرنیل بھی مارا گیا رومی شکست کھا کر بھاگ گئے اور مسلمانوں کے ہاتھ مال غنیمت آ گیا۔ (ابن کثیر، ابن خلدون)

شہنشاہ ہرقل کو جب اپنے ان دستوں کی شکست اور پسپائی کی اطلاع ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ انہوں نے اپنے جرنیلوں کو ایک بار پھر بلایا اور حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کی جائے اور شام کی سرحد کے باہر مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑ کر انہیں ہمیشہ کیلئے ختم کیا جائے۔ ہرقل نے ہر مسلمان امیر کے مقابلہ میں الگ الگ لشکر کے کوچ کا حکم جاری کیا۔ اُس نے اپنے سالاروں کوا س طرح تقسیم کیا کہ اپنے حقیقی بھائی تذراق کو نوے ہزار جانبازوں کے ساتھ عمرو بن العاصؓ کے مقابلے میں بلقاء کی طرف روانہ کیا۔ قیقلان بن نسطورس کو ساٹھ ہزار فوج دے کر ابوعبیدہ بن جراحؓ کے مقابلہ پر جابیہ کی طرف روانہ کیا۔ جرجہ بن بوزیہا کو پچاس سے ساٹھ ہزار فوج دے کر یزید بن ابی سفیانؓ کی جانب بھیجا اور دراقص کو بمقابلہ شرحبیل بن حسنہؓ پچاس ہزار جانبازوں کے ساتھ اردن کی طرف بھیجا۔ (ابن کثیر، ابن خلدون)

مسلمان سالاروں نے جہاں جہاں پڑاؤ ڈالے تھے ان جگہوں سے چند علاقائی لوگوں کو انعام واکرام کا لالچ دیکر اپنے لئے جاسوسی پر آمادہ کر لیا تھا چند دنوں میں وہ ہرقل کے تمام طے شدہ منصوبوں کی خبریں لے آئے۔ جاسوسوں کے مطابق رومی جو فوج مسلمانوں کے خلاف اکٹھی کر رہے تھے، اس کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی۔ جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ رومی فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو کر آ رہے ہیں۔

اسلامی لشکر کے امراء رومی فوج کی جنگی تیاری اور کثیر تعداد کے بارے میں سن کر صلاح و مشورہ کرنے لگے۔ سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ چونکہ اس قدر کثیر التعداد لشکر سے علیحدہ علیحدہ

مقابلہ کرنا مسلمانوں کو معرض زوال میں ڈالنا ہے۔ لہٰذا کل اسلامی لشکر کو یکجا ہو کر لڑنا چاہیے اسکے ساتھ ہی سالار ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا جس میں رومیوں کی جنگی تیاری اور فوج کے تفصیلی حالات لکھی۔

خلیفۃ المسلمین ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قاصد کے ذریعے جو حکم نامہ جاری کیا اس میں لکھا گیا تھا ''کہ تمام دستے مل کر ایک لشکر بن جاؤ اور مشرکین کی فوجوں کے ساتھ جنگ کرو۔ تم انصار اللہ ہو اور اللہ اس کا مددگار ہوتا ہے جو اسکی مدد کرتا ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے تم جیسے لوگوں کو قلت کے باعث ہرگز شکست نہیں ہوگی بلکہ گناہوں کے باعث شکست ہوگی۔ پس گناہوں سے بچو اور تم میں سے ہر آدمی اپنے لشکر کو نماز پڑھائیں''۔

چونکہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین نے یہ حکم دیا تھا کہ اگر لشکر کے چاروں حصوں کو اکٹھا لڑنا پڑا تو تم پورے لشکر کے سپہ سالار ہوں گے، صورت حال ایسی پیدا ہوگئی تھی کہ لشکر کے چاروں حصوں کو اکٹھا ہونا پڑا۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے پورے لشکر کی کمان سنبھال لی۔ مئی ۶۳۴ء کے آخری ہفتے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خط ملا۔ خط کا متن یہ تھا:

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم

عتیق بن ابوقحافہ کی طرف سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام (یاد رہے کہ خلیفۃ المسلمین ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن ابوقحافہ تھا اور عتیق ان کا لقب تھا جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا)

''السلام علیکم! تعریف اس اللہ کیلئے جس کے سوا کوئی معبود نہیں درود و سلام محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم... حیرہ (عراق) سے کوچ کرلو اور شام (سلطنت روم) میں اس جگہ پہنچو جہاں اسلامی لشکر جمع ہے لشکر اچھی حالت میں نہیں ہے مشکل میں ہے۔ میں اس تمام لشکر کا جو تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور اس لشکر کا جسکی مدد کو تم جا رہے ہو، سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ رومیوں پر حملہ کرو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھ تمام سالار تمہارے ماتحت ہوں گے۔ ابوسلیمان (خالد کی کنیت) پختہ عزم لیکر پیش قدمی کرو۔ اللہ کی حمایت اور مدد سے اس مہم کو پورا کرو۔ اپنے لشکر کو جو اس وقت تمہارے پاس ہے دو حصوں میں تقسیم کرو۔ ایک حصہ مثنیٰ بن حارثہ کے سپرد کر جاؤ۔ عراق (سلطنت فارس کے مفتوحہ علاقوں) کا سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ ہوگا لشکر کا دوسرا حصہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے اسکے بعد یہیں

واپس آجانا اور اس علاقے (عراق) کے سپہ سالار تم ہوں گے۔

تکبر نہ کرنا کیونکہ تکبر اور غرور تمہیں دھوکہ دیں گے اور تم اللہ کے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ کوتاہی نہ کرنا۔ رحمت و کرم اللہ کے ہاتھ میں ہے اور نیک اعمال کا صلہ اللہ ہی دیا کرتا ہے۔''

خط پڑھتے ہی خالد بن ولیدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور خلیفۃ المسلمین کے ارادے اور حکم نامے کا انہیں بتایا اور ساتھ ہی سفر شام کی تیاری شروع کر دی۔ انہوں نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا مؤرخین لکھتے ہیں کہ خالدؓ بن ولید نے تمام صحابہ کو اپنے ساتھ رکھا، کیونکہ صحابہ کرامؓ کو تمام لشکر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور باقی تمام لوگوں کو مثنیٰ بن حارثہ کی قیادت میں چھوڑنے کا ارادہ فرمایا۔ جس پر مثنیٰ بن حارثہ نے اعتراض کر کے فرمایا ''اے ابن ولید! خدا کی قسم، میں اس تقسیم پر راضی نہیں ہوں جو تو نے کی ہے۔ آپ رسول اکرم ﷺ کے تمام ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں صحابہ کرام کو بھی صحیح تقسیم کریں، آدھے صحابہ کرامؓ تیرے ساتھ جائیں گے اور آدھے میرے ساتھ رہیں گے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ انہی کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں فتح دیتا ہے''۔

خالد بن ولیدؓ نے مسکرا کر صحابہ کرام کی تقسیم مثنیٰ بن حارثہ کی خواہش کے عین مطابق کر دی اور اپنے لشکر کے سالاروں کو حکم دیا کہ جتنا جلدی ممکن ہو تیاری مکمل کر لیں۔ خالدؓ نے جب فاصلے کا اندازہ لگایا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ خالد کے لشکر کو وہاں پہنچتے پہنچتے بہت دن لگ جاتے۔ انہیں یہ احساس تھا کہ اتنے دن ضائع ہو گئے تو نہ معلوم مسلمانوں کے لشکر کا کیا انجام ہوگا۔ کیونکہ خالدؓ یہ جانتے تھے کہ رومیوں کی فوج فارسیوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور منظم ہے۔ خلیفۃ المسلمین کا حکم یہی تھا کہ فوری پہنچ جاؤ اور لشکر مشکلات میں ہے۔ عراق سے شام تک جو سیدھا اور عام راستہ تھا وہ بہت طویل تھا اور یہ راستہ تقریباً چھ سے سات سو میل تک بنتا تھا۔

خالد بن ولیدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ بہت جلد پہنچنے کیلئے انہیں کوئی راستہ بتائیں۔ ان میں سے ایک سالار نے کہا کہ میں ایک آدمی کو جانتا ہوں۔۔۔ رافع بن عمیرہ طائی۔۔۔ وہ ہمارے قبیلے کا زبردست جنگجو ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ خدا نے اسے کوئی ایسی طاقت دی ہے کہ وہ زمین کے نیچے کے بھید بھی بتا دیتا ہے وہ اس صحرا کا بھیدی ہے خالد کے حکم سے رافع بن عمیرہ کو بلایا گیا اور ان سے چھوٹے سے چھوٹا راستے کے بارے پوچھا گیا رافع بن عمیرہ نے

کہا کہ زمین ہے تو راستے بھی ہیں لیکن بعض راستے ایسے ہوتے ہیں جن پر سانپ بھی نہیں رینگ سکتا۔ مجھے ایک ایسے راستے کا پتہ ہے لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس سے لشکر کے کتنے آدمی منزل تک زندہ پہنچ سکتے ہیں۔ کیونکہ بخدا ایک تنہا سوار بھی اس راستہ کو طے کرتے ہوئے اپنی جان کا خوف کرتا ہے آج سے پانچ دن تک تم کو راستے میں کسی مقام پر پانی نہیں ملے گا چونکہ گھوڑے اتنے پیاس برداشت نہیں کر سکتے اور گھوڑوں کیلئے اتنے دنوں کیلئے پانی ساتھ بھی نہیں لے جایا جا سکتا۔

خالد بن ولیدؓ نے اپنا بنایا ہوا نقشہ اس کے آگے رکھا اور ان سے اس راستے کے بارے میں پوچھا۔ رافع بن عمیرہ نے نقشے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا کہ یہ قراقر ہے یہاں ایک نخلستان ہے جو اتنا سرسبز و شاداب ہے کہ مسافروں پر اپنا جادوں طاری کر دیتا ہے یہاں سے ایک راستہ نکلتا ہے جو سویٰ کو جاتا ہے۔ سویٰ بھی ایک زرخیز اور سرسبز و شاداب جگہ ہے جہاں اتنا پانی ہے کہ سارا لشکر اور لشکر کے تمام جانور پانی پی سکتے ہیں لیکن یہ پانی اسے ملے گا جو سویٰ تک زندہ پہنچے گا کیونکہ قراقر اور سویٰ کے درمیانی راستے میں کوئی پانی وغیرہ نہیں ملے گا۔

خالد بن ولیدؓ نے یہ سن کر جواب دیا کہ مجھے یہ راستہ طے کرنا ضروری ہے۔ مجھے اس سے زیادہ کیا کام ہوگا کہ میں رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد کیلئے جا رہا ہوں۔ اس کہنے سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ میں ان کی مدد کو نہ جاؤں، میں نے اپنی زندگی اللہ کی راہ میں وقف کی ہے۔ یہ سن کر رافع خاموش ہو گیا اور خالد نے اسی راستے سے جانے کا حکم جاری کیا۔ سالاروں میں سے ایک سالار نے کہا ''تم اتنے بڑے لشکر کے ساتھ اس راستے پر نہیں جا سکتے جو تباہی اور بہت بری موت کا راستہ ہوگا'' ایک دوسرے سالار نے کہا ''جس کا دماغ صحیح ہوگا وہ اس راستے پر نہیں جائے گا۔

خالد نے دونوں سالاروں کو ایک جواب دیتے ہوئے کہا ہم اسی راستے سے ہی جائیں گے۔ رافع بن عمیرہ نے ایک بار پھر کہا ہم پر تیری اطاعت فرض ہے لیکن ایک بار پھر سوچ لیں۔

خالد نے کہا میں تمہیں وہ حکم دیتا ہوں جو حکم اللہ مجھے دیتا ہے۔ ہارتے وہ ہیں جنکے ارادے کمزور ہوتے ہیں۔ ہمیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہے اور پھر اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں آئیں گی کیوں نہ انہیں ہم برداشت کر لیں۔ جب تمام سالاروں نے خالد کے عزم کی پختگی دیکھی تو سب نے پر جوش لہجے میں لبیک کہا اور کہا کہ ابن ولید! تجھ پر اللہ کا کرم ہو، وہ کر جو تو بہتر سمجھتا ہے ہم تیرے ساتھ ہیں۔

خالد بن ولیدؓ نے اس سفر پر روانگی سے پہلے ایک حکم یہ دیا کہ لشکر کا ہر فرد اونٹ پر سوار ہوگا۔ گھوڑے سواروں کے بغیر پیچھے پیچھے چلیں گے ۔ دوسرا حکم یہ کہ عورتوں اور بچوں کو مدینہ بھیج دیا جائے ۔ سالاروں کو خالدؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ تمام لشکر کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے کہ وہ ایک راستے سے جارہے ہیں جس راستے سے پہلے کبھی کوئی لشکر نہیں گزرا۔ لشکر کے ہر فرد کو اونٹ فراہم کیا گیا ۔جون ۶۳۴ء (ربیع الاول ۱۳ھ) کے پہلے ہفتے میں خالد نے کوچ کا حکم دیا ان کے ساتھ نو ہزار مجاہدین کا لشکر تھا جو اس بھیانک اور پر خطر سفر پر جارہا تھا۔

حیرہ سے قراقر کا سفر ایک عام سفر تھا جو اس زمانے میں ہوا کرتا تھا اصل سفر تو قراقر سے سویٰ کا تھا جسے مسلمان اور یورپی مؤرخین نے تاریخ کا سب سے خطرناک اور بھیانک سفر کہا ہے۔ مثنیٰ بن حارثہ بھی قراقر تک خالد کے ساتھ گئے مگر مثنیٰ کو حیرہ واپس آنا تھا کیونکہ انہیں بقیہ لشکر کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔

ابن خلدون میں روایت ہے کہ سویٰ روانگی سے قبل خالد نے اپنے امراء لشکر کو طلب کر کے حکم دیا کہ ہر شخص پانچ دن کیلئے اپنے ساتھ پانی لے لو اور اونٹوں اور گھوڑوں کو پانی پلادو۔ لشکریوں نے اس حکم کے سنتے ہی اونٹوں کے گجاوؤں سے مشکیزوں کو کھول کر پانی بھر لیا اور اونٹوں کو وقفہ وقفہ سے پانی پلادیا اور انکے پاؤں پر کپڑے لپیٹ دیئے تاکہ روزانہ مسلسل سفر سے انکے پاؤں پھٹنے سے محفوظ رہے۔ عین روانگی کے وقت مثنیٰ بن حارثہؓ خالدؓ سے اور اس کے سالاروں سے گلے لگ کے ملے۔ یعقوبی اور ابو یوسف نے لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ پر رقت طاری ہوگئی تھی کیونکہ انہیں یقین نہیں تھا کہ وہ خالدؓ اور ان کے نو ہزار مجاہدین سے پھر کبھی ملیں گے۔

خالد بن ولیدؓ جب اونٹ پر سوار ہونے لگے تو رافع بن عمیرہ دوڑتے ہوئے آئے۔ ابن ولیدؓ! اب بھی سوچ لیں راستہ بدل لیں۔ اتنی جانوں کے ساتھ مت کھیلیں۔ خالد غصے کے لہجے میں بولے :ابن عمیرہ! مجھے اللہ کے راستے سے مت روک یا مجھے وہ راستہ بتادے جو مجھے اسلامی لشکر تک جلد از جلد پہنچادے۔ تو نہیں جانتا تو ہٹ میرے راستے سے اور حکم مان جو میں نے دیا ہے۔ رافع بن عمیرہ خالد کے راستے سے ہٹ گئے اور تمام لشکر سویٰ کی طرف روانہ ہوا۔ سب سے آگے رافع کا اونٹ چل پڑا تھا کیونکہ انہیں رہبری کرنی تھی۔ مثنیٰ بن حارثہ کھڑے دیکھتے رہے اور اپنے ساتھیوں سے کہا

خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے ٹھیک کہا تھا کہ اب کوئی ماں خالدؓ جیسا بیٹا نہیں جنے گی۔

دوپہر کے وقت جب جون کا سورج سر پر آیا تو لشکر کے افراد ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے ہر کوئی زمین سے اٹھتی ہوئی تپش کے لرزتے پردے میں لرزتا نظر آرہا تھا مجاہدین نے ایک جنگی ترانہ مل کر گانا شروع کیا لیکن خالدؓ نے انہیں روک دیا کیونکہ بولنے سے پیاس بڑھ جانے کا امکان تھا۔ اونٹ کئی دنوں تک پیاسا سفر کرسکتا ہے لیکن انسانوں اور گھوڑوں کیلئے چند گھنٹوں کیلئے بغیر پانی پیئے سفر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پہلی شام جب لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو تمام لوگ پانی پر ٹوٹ پڑے۔ انکے جسم جل رہے تھے۔ کھانے کی جگہ بھی لوگوں نے پانی پی لیا۔

دوسرے دن جب لشکر نے سفر شروع کیا تو ہر آدمی محسوس کرنے لگا کہ یہ وہ صحراء نہیں ہے جس میں انہوں نے کئی بار سفر کیا ہے یہ تو جہنم ہے جس میں وہ چلے جارہے ہیں۔ اوپر سے سورج کی تپش تھی جبکہ نیچے سے ریت آگ اگل رہی تھی۔ انتہائی گرمی کی وجہ سے ریت کی چمک آنکھوں کو خیرہ کررہی تھی۔ پورا ریگستان ایک انگارا بنا ہوا تھا اور مجاہدین اسلام اسی انگارے پر آگے کی طرف رواں دواں تھے۔

تیسرے دن کا سفر اور بھی اذیت ناک اور ہولناک تھا۔ جگہ جگہ ریت کے ٹیلے اور نشیب و فراز تھے۔ یہ ٹیلے زیادہ گرمائش کی وجہ سے آگ کی دیواروں کی مانند تھے جو جسموں کو جلارہے تھے۔ پہلے تو لشکر سیدھا جارہا تھا اب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مڑنا پڑتا تھا۔ بعض ٹیلوں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم تھا کہ اونٹ رگڑ کھا کر گزرتے تھے۔ اونٹ بدک جاتے تھے کہ انکے جسموں کے ساتھ گرم لوہا لگایا گیا ہے۔ تیسری شام جب دستوں نے پڑاؤ ڈالا تو سب کے منہ خشک اور کھلے ہوئے تھے اور وہ آپس میں بات تک نہیں کرسکتے تھے۔ اس شام جب لوگ پانی پر ٹوٹ پڑے تو سارا پانی پی گئے اور یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ باقی سفر کیلئے پانی نہیں ہے۔ اگرچہ پانی کا ذخیرہ پانچ دن کیلئے کافی تھا مگر یہ تیسرے روز ختم ہو گیا کیونکہ گرمی کی شدت کی وجہ سے پیاس کافی تھی اور مجاہدین راستے میں جگہ جگہ پانی پیتے تھے۔

چوتھے دن کا سفر جب شروع ہوا تو وہ دن قیامت سے کم نہ تھا۔ پانی کی ایک بوند تک نہ تھی ایسا لگتا تھا جیسے سورج اور نیچے آگیا ہو۔ سورج کی تپش اور ریت کی چمک کی وجہ سے مجاہدین کی

آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ایک دو مجاہد اونٹ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اونٹ کی طرف آنے کی بجائے دوسری طرف چل پڑے۔ کوئی بھی ان کے پیچھے نہیں گیا اور وجہ یہ تھی کہ سب کی آنکھیں چندیاں رہی تھیں۔ پیاس کی وجہ سے دماغ بے کار تھے۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ کوئی گرا بھی ہے کہ اونٹ پر بٹھالیں۔ یہ تو اونٹ تھے جو رواں دواں تھے ورنہ تو یہ سفر وہیں ختم ہو جاتا۔

گھوڑوں کے منہ کھل گئے تھے اور زبانیں لٹک آئی تھیں۔مجاہدین کی زبانیں سوج گئی تھی حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ان کی حالت اب زندہ لاش کی طرح تھی جو نہ بول سکتے تھے اور نہ خود کو اونٹ کی پیٹھ پر سنبھال سکتے تھے۔رات کو جب لشکر رکا تو شدید پیاس کی وجہ سے انکی حالت غیر ہو گئی تھی۔ابن کثیر (البدایہ ولنہایہ) میں لکھا ہے کہ بعض نے اپنے اونٹوں کو ذبح کیا اور ان کے پیٹوں میں جو پانی تھا اسے پی لیا اور دوسروں کو بھی پلایا۔

پانچویں دن کا سفر اسی امید کے ساتھ شروع ہو گیا کہ راستے میں پانی بھی مل جائے گا اور اس اذیت ناک سفر سے چھٹکارا بھی۔ یہ پانی کے بغیر دوسرا دن تھا۔ اونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ کا پانی پینے کے باوجود شدید پیاس لگی ہوئی تھی دن کے آخری پہر میں خالد بن ولیدؓ رافع بن عمیرہ کے اونٹ کے قریب چلے گئے اور دھیمی آواز سے بولا ، ابن عمیرہ! کیا اب ہم کو اس چشمے پر نہیں ہونا چاہیے تھا جس کا تو نے ذکر کیا تھا۔سویٰ اب ایک منزل دور رہ گیا ہو گا۔

رافع بن عمیرہ بولا ، ابن ولیدؓ! اللہ تجھے سلامت رکھے۔ میں آشوب چشم کا مریض تھا اس صحرا نے میری آنکھوں کی بینائی ختم کر دی ہے۔ میں اب کیسے دیکھوں؟ خالد نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا کیا تو اب اندھا ہو گیا ہے؟ جو تو دیکھ سکتا تھا وہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کیا ہم بھٹک گئے ہیں؟

مؤرخ واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ رافع بن عمیرہ کی بینائی ختم ہو گئی تھی۔اس نے ذہن میں کچھ حساب رکھا ہوا تھا۔ان دونوں مؤرخوں نے نقل کیا کہ رافع بولا ابن ولیدؓ! لشکر یہی روک لیں اپنے کچھ آدمیوں کو آگے بھیج دیں۔انہیں کہیں کہ وہ عورت کے پستانوں کی شکل کے دو ٹیلوں کو تلاش کریں۔خالد نے کچھ آدمیوں کو آگے بھیج دیا اور یہ لوگ جلدی ہی خوشخبری لے کے آ گئے کہ وہ دو ٹیلے دیکھ کے آئے ہیں۔رافع نے خالدؓ سے کہا کہ وہ اللہ کے فضل و کرم سے صحیح راستے پہ جا رہے ہیں۔

لشکر کو آگے لے چلو۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ رافع نے لوگوں سے کہا تم لوگ غور سے دیکھو، کہیں اس کے گرد و نواح میں عوسج کا درخت (ایک خاردار اور کانٹے دار درخت) دکھائی دیتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ،ہم کو عوسج کا درخت نظر نہیں آتا۔ رافع نے سن کر۔۔۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔۔۔ پڑھ کر کہا افسوس تم بھی ہلاک ہو گئے اور مجھ کو بھی ہلاک کیا۔ میں پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ راستہ دشوار ہے۔ رافع نے پھر لوگوں سے کہا کہ اس درخت کو ڈھونڈو مل جائے گا۔ ریت کے اندر بھی ڈھونڈو۔

لوگوں نے برچھیاں اور تلواریں ریت میں مار مار کر مطلوبہ درخت کو ڈھونڈنے لگے اور آخر کار انہیں ایک خاردار درخت مل گیا۔ رافع نے کہا اس کی جڑ کے پاس کھودو۔ لوگوں نے اسکے کہنے پر ایک گز بھر کا گڑھا کھود کر چشمے کا منہ کھول دیا اور پانی امڈ پڑا اور ندی کی طرح بہنے لگا۔ لشکر کے تمام مجاہدین اس پانی پر ٹوٹ پڑے۔ یہ پانی اتنا زیادہ تھا کہ ایک تالاب کی شکل اختیار کر گیا اور پورے لشکر کے افراد اور جانور اس سے سیراب ہو گئے اب مجاہدین کو خیال آیا کہ نہ معلوم انکے کتنے افراد پیچھے رہ گئے ہیں اب چونکہ اونٹ بھی تروتازہ ہو چکے تھے اور انسان بھی، لہٰذا چند افراد اپنے پیچھے رہنے والوں کی تلاش میں نکل گئے۔ وہ منظر بڑا ہولناک تھا قدم قدم پر کوئی مجاہد، اونٹ یا گھوڑا بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ مجاہدین نے انکے منہ میں پانی ڈالا اور اپنے ساتھ لے آئے۔ بعض مجاہدین شہید ہو چکے تھے ساتھیوں نے انہیں وہی دفن کر دیا۔

ان تمام حالات کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ابن عمیرہ کو گلے لگا کر کہا ابن عمیرہ! تو نے لشکر کو بچا لیا ہے۔ رافع بولا ابن ولید! اللہ نے بچایا ہے میں اس چشمے پر صرف ایک بار آیا تھا اور یہ تیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ میں اس وقت ایک کمسن لڑکا تھا اور اپنے باپ کے ساتھ آیا تھا۔ اس چشمے کو اب ریت نے چھپا لیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ یہاں چشمہ موجود ہے۔ یہ اللہ کا ہم سب پر خاص کرم ہے کہ چشمہ اب تک موجود تھا۔

☆☆☆

ان مجاہدین کی مہم ابھی ختم نہیں ہوئی تھی یہ تو اپنے اصل ہدف کی طرف پہنچنے کیلئے ایک آزمائش تھی جس سے وہ گزر آئے تھے۔ ان کا اصل ہدف شام کی سرحد پر پہنچ کر اس وقت کی عظیم

طاقت سلطنت روم پر حملہ کرنا تھا۔ شام کی سرحد تک پہنچنے کیلئے اب بھی ایک دو منزلیں باقی تھیں لیکن وہ اتنی دشوار نہیں تھیں۔ اسی ہولناک سفر کے بارے میں ابن کثیر نے لشکر کے ایک شخص کا یہ شعر تحریر کیا ہے۔ رافع جاسوس کے کیا کہنے اس نے کس طرح راہ پائی، جب فوج چل چل کر رو پڑی تو وہ قراقر سے جنگل طے کر کے پانچ دن میں سویٰ تک پہنچ گیا اور تجھ سے پہلے میرے نزدیک کوئی انسان ان جنگلات میں نہ چلا تھا۔

مجاہدین بغیر آرام کئے اپنی اگلی منزل سویٰ کو جا رہے تھے۔ اب انکا سفر سہل تھا لیکن اس دشمن پر فتح سہل نظر نہیں آتی تھی جس سے وہ لڑنے جا رہے تھے۔ وہ دشمن بہت طاقتور تھا۔ اس دور میں دو سلطنتیں مشہور تھی ایک فارس کی اور دوسری سلطنت روم۔ دور دور تک انکی جنگی طاقت اور فوجوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ روم کی جنگی طاقت اور فوجوں کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ جس راستے سے گزرتی تھیں اس راستے کی بستیاں خالی ہو جاتی تھی۔ فارس کی جنگی طاقت کو تو مسلمانوں نے ختم کر دیا تھا اور عراق کے بے شمار علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب مسلمان دوسری بڑی جنگی طاقت کو للکار رہے تھے رومی اکیلے نہیں تھے، انکا اتحادی قبیلہ غسان بڑا ہی طاقتور تھا جس نے رومیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ مقابلہ چند دنوں یا مہینوں میں ختم نہیں ہوا تھا بلکہ ایک بڑی مدت سے لڑتے آ رہے تھے غسانیوں اور رومیوں کی یہ جنگ نسل در نسل چلتی رہی۔ آخر کار رومیوں نے یہ تسلیم کیا کہ غسانی صرف ایک قبیلہ یا قوم نہیں بلکہ ایک ریاست ہے جسے تہہ تیغ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ رومیوں نے غسانیوں کو ایک الگ قوم تسلیم کر کے انہیں کچھ علاقہ دے دیا۔ یہ خود مختاری کچھ اسطرح تھی کہ انکا بادشاہ الگ تھا مگر وہ کسی حد تک سلطنت روم کے ماتحت تھے۔

آج کے اردن اور جنوبی شام میں غسانیوں کی حکمرانی تھی۔ انکی فوج بھی رومیوں کی طرح منظم اور طاقتور تھی۔ اس بادشاہی کا پایہ تخت بصرہ تھا۔ مسلمان رومیوں اور غسانیوں کو للکار کر بہت بڑا خطرہ مول رہے تھے۔ جنگ کا یہ دستور ہے کہ حملہ آور فوج کی طاقت مخالف فوج کے تین گنا نہ ہو تو دگنی ضرور ہونی چاہیے کیونکہ جس پر حملہ کیا جاتا ہے وہ قلعہ بند اور تازہ دم ہوتا ہے حملہ آور فوج طویل سفر طے کر کے آتی ہے اس لئے وہ نہ تو تازہ دم ہوتی ہے اور نہ قلعہ بند۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس فوج پر حملہ کیا جاتا ہے اسے اپنے ملک میں ہونے کی وجہ سے رسد اور کمک کی سہولت ہوتی ہے۔ اسکے

برعکس حملہ آور فوج ان سہولیات سے محروم ہوتی ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب اپنے لشکر کے ساتھ شام کی سرحد کی طرف ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دستوں کے پاس جا رہے تھے اس وقت غسانی بادشاہ جبلہ بن الایہم اپنے امراء اور سالاروں کو حکم دے چکا تھا کہ مسلمانوں کی فوج سرحدوں پر آ گئی ہے اور اسے سرحدوں پر ہی ختم کیا جائے۔ جبلہ بن الایہم بہت ظالم اور متکبر بادشاہ تھا۔ وہ بعد میں مسلمان ہو کے حج پر مکہ مکرمہ آیا۔ طواف کے دوران ایک غریب آدمی نے غلطی سے اسکے احرام پر پاؤں رکھا جسکی وجہ سے وہ گرتے گرتے بچ گیا۔ جبلہ نے غصہ ہو کر اس کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ اس غریب نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شکایت کی۔ مقدمے کی تحقیق کے بعد امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے قصاص کا حکم جاری کرتے ہوئے غریب آدمی کو کہا کہ جبلہ کو چہرے پر اسی طرح مارا جائے۔ جبلہ نے انکار کرتے ہوئے کہا کیا اس کا چہرہ میرے چہرے کی طرح ہے؟ جس پر امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسلام میں آپ دونوں برابر ہیں۔ جبلہ کو جب پتہ چلا کہ قصاص اب ہونا ہی ہے، تو اس نے بہانہ بناتے ہوئے اس فیصلے کو اگلی صبح تک مؤخر کرنے کی درخواست کی۔ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسکی درخواست کو قبول کیا اور جبلہ بن الایہم مرتد ہو کر یونان بھاگ گیا اور اس طرح اس کے تکبر اور اکڑ نے اسے برباد کر دیا۔

جس طرح جبلہ نے حکم دیا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کو سرحد پر ہی ختم کیا جائے اسی طرح اس نے اپنے قاصدوں کے ذریعے سرحد کی ہر بستی میں یہ پیغام پہنچا دیا کہ مسلمانوں کا کوئی بھی دستہ کسی بھی طرف سے گزرے۔ تو ان پر حملہ کیا جائے اور انہیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے۔ مسلمانوں کو وہاں سے ایک دانہ نہ ملے، پینے کو پانی نہ ملے اور انکے گھوڑے اور اونٹ تمہارے کھیتوں کا ایک پتہ بھی نہ کھانے پائیں۔

سویٰ تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کے لشکر پر چھاپہ مار قسم کے کئی حملے بھی ہوئے لیکن چونکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو جنگی ترتیب دی ہوئی تھی تو مسلمانوں کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوا۔ البتہ مسلمانوں نے انکے کچھ حملہ آور پکڑے جن سے تفتیش کرنے کے بعد پتہ چلا کہ غسانی بادشاہ نے مسلمانوں پر چھاپہ مار حملوں کا حکم دیا ہوا ہے۔ لہٰذا مسلمان اور بھی ہوشیار رہنے لگے۔ جب خالد رضی اللہ عنہ کا لشکر سویٰ پہنچ گیا تو انہیں بڑا وسیع سبزہ زار نظر آیا۔ اس میں بے شمار بھیڑیں، بکریاں اور مویشیاں چر رہے

تھے۔ خالد نے ان تمام مویشیوں کو اپنے قبضے میں لینے کا حکم دیا۔ مجاہدین جب ان جانوروں کو پکڑنے لگے تو بستی والوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے جوابی حملے نے بستی والوں کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کیا اور اس طرح ملک شام کا پہلا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔

مشہور مؤرخ طبری نے خالد بن ولیدؓ کے لشکر کے ایک مجاہد ظفر بن دہی کے حوالے سے لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خالد نے ہم لوگوں کو ساتھ لے کر سویٰ سے آگے قبیلہ بہراء کی بستی مصیخ پر چھاپہ مارا تھا۔ جب ہم نے صبح کے وقت مصیخ پر چھاپہ مارا اس وقت وہ اپنے عیش و عشرت میں بیٹھے بالکل بے خبر تھے۔ شراب کی محفل چل رہی تھی اور ساقی لوگوں کو شراب پلاتے ہوئے یہ گانا گا رہا تھا ---الا صبحانی قبل جیش ابو بکر--- دوستوں! مجھ کو ابو بکر کی فوج کی آمد سے پہلے شراب پلا کر مست کرو۔ ظفر کہتے ہیں کہ میں نے اس ساقی کی گردن اڑا دی اور اس کا خون اس کی شراب میں مل گیا۔ ان کے سردار قوص بن نعمان بہرانی کو مار کر ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا۔

یہاں سے روانہ ہو کر خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ ارک پہنچ گئے۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں عیسائی فوج تھی۔ خالد نے پہنچتے ہی قلعے کا محاصرہ کر لیا اور بلند آواز سے نعرہ لگایا کہ قلعہ ہمارے حوالے کر دیں۔ واقدی لکھتا ہے کہ قلعے میں ایک ضعیف العمر دانا و حکیم شمعان نامی شخص تھا۔ اس حکیم کی بہت قدر و منزلت تھی اور غسانی انکے ہر حکم مانتے اور برحق تسلم کرتے۔ اس نے اپنے سالاروں کو بلایا اور ان سے مسلمانوں کے لشکر اور امیر کے بارے میں پوچھنے لگے۔ حکیم شمعان نے پوچھا کیا مسلمانوں کا پرچم کالے رنگ کا ہے؟ سالاروں نے جواب دیا۔ ہاں مقدس باپ! کالے اور سفید رنگ کا ہے۔ حکیم شمعان نے پھر پوچھا، کیا یہ فوج صحرا کے اس راستے میں سے آئی ہے جس راستے سے کبھی کوئی نہیں گزرا؟ کیا اس فوج کے سالار کا قد اونچا ہے؟ کیا اس کا جسم گھٹا ہوا اور اس کے کندے چوڑے ہیں؟ کیا اس کی داڑھی گھنی ہے اور اس کے چہرے پر کہیں کہیں چیچک کے گہرے داغ ہیں؟

سالاروں نے ان سارے سوالات کا مثبت میں جواب دیتے ہوئے بولے کہ جی مقدس باپ! ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں۔ اسکے بعد اس دانا حکیم نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا یہ وہی شخص ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ہمت تم میں سے کسی میں بھی نہیں۔ تمام عیسائی سالاروں پر ہیبت طاری ہوئی اور وہ صلح کرنے پر راضی ہو گئے۔ قلعے کا دروازہ کھلا اور دو تین رومی سالار باہر آ کر خالد بن

ولیدؓ سے صلح کی شرائط پوچھنے لگے۔ خالدؓ نے جواب دیا ہم صرف جزیہ لیں گے کوئی اور محصول نہیں لیں گے۔

رومی سالاروں نے کہا کیا ہمارے بچے اور جوان لڑکیاں تیرے لشکر سے محفوظ ہوں گے؟ خالد نے جواب دیا ہم تمہاری لڑکیاں اٹھانے نہیں آئے ہیں انکی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم یہاں لوٹ مار کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ آپ لوگوں کو کچھ دینے آئے ہیں اور وہ ہے ہمارا عقیدہ... اسلام ۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومیوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی فاتح قوم مفتوحوں سے اتنا اچھا سلوک کرسکتا ہے خالدؓ نے ان پر جزیہ کے علاوہ اور کوئی شرط عائد نہیں کی۔ خالد بن ولیدؓ نے ابھی یہاں سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ قریبی دو بستیاں سخنہ اور قدمہ نے بھی صلح کرلی۔ کیونکہ انہیں اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ مسلمان ایک تو لوٹ مار نہیں کرتے دوسرا ان کی صلح کی شرائط بھی بہت آسان ہوتی ہیں۔

اسکے بعد خالد بن ولیدؓ اپنے دستوں کے ساتھ تدمر روانہ ہوئے۔ تدمر بھی ارک کی طرح ایک باقاعدہ قلعہ تھا۔ جس کا فتح کرنا اتنا سہل نظر نہیں آرہا تھا۔ تدمر پہنچ کر خالد نے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور اپنی شرائط پیش کیں۔ رومیوں کے سالاروں نے جزیہ کی شرط قبول کرکے ان سے صلح کرلی اور یہ دوسرا بڑا قلعہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بغیر کسی جنگ وجدل کے دے دیا۔ خالد نے یہ سن کر اللہ کے حضور سجدے میں گر پڑے۔ عیسائیوں کے ایک سردار نے خالد کو ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا تحفے کے طور پر دے دیا۔

اہل تدمر کے ساتھ صلح کرنے کے بعد خالد بن ولیدؓ قریتین پہنچ گئے۔ قریتین ایک قصبہ تھا جسکی آبادی دوسری بستیوں کی نسبت زیادہ تھی۔ خالد نے قصبے کے قریب پہنچ کر اپنے دو آدمیوں کو صلح اور معاہدے کی بات کیلئے آگے بھیج دیا۔ یہ دونوں ابھی چلے ہی نہیں تھے کہ قصبہ والوں نے لشکر پر اچانک حملہ کردیا۔ یہاں پر دونوں لشکروں کے مابین لڑائی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے ان کو شکست دے کر ان کے مال واسباب پر قبضہ کرلیا۔

☆☆☆

اس جھڑپ سے فارغ ہو کر آٹھ نو میل آگے حوّارین کا قصبہ تھا۔ یہاں بھی قریتین کی طرح لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں عیسائی خوب قہر اور غضب سے لڑ رہے تھے اور انکا ایک ہی نعرہ سنائی دے رہا تھا۔ انہیں کاٹ دو اور زندہ جانے نہ دو۔ مسلمانوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کو پسپا ہونا پڑا اور مسلمانوں کے ہاتھوں غنیمت کا بہت سارا مال آ گیا۔

حوّارین کے لوگوں کو شکست دے کر خالد بن ولیدؓ اپنے دستے کے ساتھ دمشق کی سمت نکل پڑے۔ شام اور لبنان کے درمیان ایک سلسلہ کوہ ہے۔ جسکی ایک شاخ شام میں چلی جاتی ہے۔ دمشق سے تقریباً بیس میل دور دو ہزار کی بلندی پر ایک درہ ہے جسکا نام ثنیۃ العقاب (درہ عقاب) ہے۔ یہاں پر خالد تقریباً ایک گھنٹے کیلئے رکے تھے اور خالد نے اپنا پرچم ''عقاب'' یہاں گاڑا تھا اسی وجہ سے اس درے کا نام ''درہ عقاب'' پڑ گیا۔

دمشق کے راستے ''مرج راہط'' نام کا ایک غسانی شہر تھا یہ غسانیوں کا ایک بڑا شہر تھا۔ ارک اور تدمر سے بھاگی ہوئی رومی افواج نے یہاں پناہ لے رکھی تھی اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔ جس وقت خالد اپنے دستوں کے ساتھ مرج راہط پہنچ رہے تھے اس وقت شہر میں ایک بہت بڑا میلہ لگا ہوا تھا۔ جبلہ ابن الایہم نے اس میلے میں تقریباً بیس ہزار کے قریب فوج بھیجی ہوئی تھی۔ خالد کا لشکر جب میلے کے قریب پہنچ گیا تو چاروں طرف سے رومیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ۔ یہ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ لگ رہا تھا کہ مسلمانوں کا چھوٹا لشکر اسکے پھندے میں آ گیا ہے اور کوئی بھی بچ کر زندہ نہیں نکل سکے گا۔ لیکن خالدؓ نے ایسی جنگی چالیں چلیں کہ رومیوں کو مجبوراً پسپا ہونا پڑا اور بہت سارے غسانی، مجاہدین کی تلواروں کی زد میں آ گئے۔ غسانیوں کا اتنا جانی نقصان ہوا کہ میلے میں خون ہی خون نظر آ رہا تھا اور اپنی جان بچانے کے چکر میں بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت اور قیدی آ گئے۔ اب غسانیوں کے پاس صرف بصرہ شہر ہی تھا جو کہ بہت مضبوط اور بڑا شہر تھا۔ یہی بصرہ غسانی حکومت کا پایۂ تخت تھا۔ جبلہ بن الایہم نے اپنی مدد کیلئے رومیوں کو بھی بلایا تھا اسی طرح رومی اور غسانیوں نے مل کر بصرہ کے دفاعی انتظام کو اور بھی مضبوط بنایا تھا۔

☆☆☆

جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو عراق سے شام کوچ

کرنے کیلئے ایک خط لکھ بھیجا تھا اور انہیں تمام مسلمان دستوں کا سالار اعظم بھی بنایا تھا۔ اسی طرح ایک پیغام خلیفہ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے نام بھیجا تھا۔ خط میں لکھا گیا تھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

عبداللہ عتیق بن ابوقحافہ کی طرف سے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے نام!

السلام علیکم! تمام تعریفیں اس خدا کیلئے جس کے سوا کوئی معبود نہیں درود وسلام محمد الرسول اللہ ﷺ۔

میں نے خالد بن ولیدؓ کو یہ کام سونپا ہے کہ رومیوں پر چڑھائی کرے۔ تم پر اس کی اطاعت فرض ہے۔ میں نے اسے تمہارا اور تمہارے سارے دستوں کا امیر مقرر کیا ہے۔ مجھے یہ احساس ہے کہ دین کے معاملات میں تم خالد سے برتر ہو اور تمہارا رتبہ اونچا ہے۔ لیکن میں نے خالد کو محض جنگی تدابیر کی بناء پر امیر بنایا ہے۔ اللہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔

امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے خط پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے تمام سالاروں کو ابوبکرؓ کا خط سنایا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ انکے کندھوں سے امارت کا بوجھ اترا ہے۔

یہاں پر اگر امارت اور اس کے متعلق عرب کے رسم ورواج کے بارے میں تھوڑی بات کی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے صرف اہل عرب تھے جن کا کوئی بادشاہ یا خلیفہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ بلکہ ہر قبیلے کا الگ الگ سردار ہوا کرتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اہل عرب اپنے اوپر کسی دوسرے کی امارت یا بادشاہت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ اہل عرب میں امارت اور سرداری کو بہت عزیز سمجھا جاتا اور اسی امارت اور سرداری کے لئے قبیلے، قبیلوں سے اور سردار سرداروں سے لڑتے تھے اور یہ لڑائی نسل در نسل چلتی جاتی۔ اس کی ایک زندہ وجاوید مثال رسول اللہ ﷺ عین رحلت کی وقت ملتی ہے۔ جب آپ ﷺ رحلت ہوگئی تو ابھی آپ ﷺ تدفین مبارک بھی نہیں ہوئی تھی کہ انصار ومہاجرین میں خلافت کی بحث چھڑ گئی۔ انصار سقیفہ بنوساعدہ میں اکٹھے ہوئے تھے اور سعد بن عبادہؓ کی ہاتھ پر بیعت کرنے کی باتیں کر رہے تھے۔ سارے انصار بالاتفاق متحد ہوئے تھے کہ سعد بن عبادہ کو اپنا خلیفہ مقرر کریں۔ یہ خبر سن کر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ سقیفہ بنوساعدہ چلے گئے۔ بہت زیادہ بحث وتکرار کے بعد ابوبکرؓ نے

کہا کیوں نہ کہ ہم اس بندے کے ہاتھ پہ بیعت کریں کہ جو حسب ونسب کے حوالے سے بھی برتر ہیں ، زہد وتقویٰ کے لحاظ سے بھی اس کا کوئی ثانی نہیں اور جن کو خود رسول کریم ﷺ نے امین الامت کا خطاب دیا ہے اور وہ ہیں۔۔۔ امین الامت ابوعبیدہ بن الجراح ۔۔۔عمرؓ نے یہ سن کر فوراً ابوعبیدہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی لیکن ابوعبیدہؓ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا : ''بھلا میں اس قوم پر کیسے امیر بنوں جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہو'' ابوعبیدہؓ نے فوراً اپنا ہاتھ ابوبکرؓ کی جانب بڑھایا اور انکے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر عمرؓ نے بھی ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگ ابوبکرؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے۔

جو شخص خلافت جیسے عالی مرتبت کو ٹھکرا دے وہ بھلا ایک چھوٹے سے لشکر پر امیر بننے کا خواہاں کیسے ہو سکتا ہے۔ صحابہ اگر لڑتے تھے تو صرف جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے، نہ کہ دنیاوی امارت اور عزت وجلال کی خاطر۔ دوسری بات یہ کہ سالاری اور افسری کا یہ تصور ہی نہیں تھا جو آج کل ہے۔ سالار اور امیر اپنے لشکر کے آگے آگے ہوتا اور سب سے پہلے خود اکثر انفرادی مقابلوں میں لڑتا۔ سالاروں اور امیروں کا کوئی امتیازی نشان نہیں تھا۔ بلکہ بسا اوقات تو ایسا ہوتا کہ عام سپاہیوں نے قیمتی کپڑے اور اعلیٰ قسم کے زریں پہن رکھی ہوتی جبکہ سالار اور نائب سالار وغیرہ بالکل عام اور معمولی لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ سپاہی مال غنیمت میں ملے ہوئے لباس پہن لیتے تھے۔ یہ بھی کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض قبیلوں کے سردار عام سپاہی ہوتے اور انہی قبیلوں کے ادنیٰ اور انکے غلام انکے سالار ہوتے۔ امارت اور عہدہ جذبے اور جنگی اہلیت کے بنیادوں پر ہوتا۔

سپہ اور سپہ سالاری کا تصور اسلامی تعلیمات کے مطابق تھا۔ جس کو افسر بنایا جاتا وہ فرائض کی حد تک افسر ہوتا تھا۔ اس کا کوئی حکم ذاتی نوعیت کا نہیں ہوا کرتا تھا۔ چونکہ افسر کے انتخاب کا معیار کچھ اور تھا اس لئے اس وقت کا معاشرہ خوشامد اور سفارش سے آشنا ہی نہیں تھا۔ اتنی وسیع سلطنت اسلامیہ کا زوال اس وقت شروع ہوا تھا۔ جب مسلمان افسر اور ماتحت میں تقسیم ہو گئے تھے اور حاکموں نے ماتحتوں کو محکوم سمجھنا شروع کر دیا تھا اور وہ خوشامد پسند ہو گئے تھے۔

نہ ہتھیاروں کا کوئی معیار تھا اور نہ ہی مسلمان فوج کی کوئی خاص وردی تھی۔ فوج میں شامل ہونے والے اپنے ہتھیار خود لاتے۔ اکثر مسلمانوں کے پاس زرہ اور خود نہیں ہوتی تھی بلکہ مال غنیمت

میں ملے ہوئے ذرے اور خود پہنتے تھے۔ لہذا دیگر افواج کی طرح ان کے لباس میں یکسانیت نہیں ہوا کرتی تھی۔ ان سب کے باوجود اس لشکر کی دہشت نے روم و فارس کی نیندیں اڑائی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

مرج راہط کی فتح کے بعد خالد بن ولید نے ابوعبیدہ ؓ کے نام خط بھیجا کہ وہ خالد ؓ کو بصرہ کے قرب وجوار میں ملیں اور ساتھ ہی تمام فتوحات سے آگاہ بھی کیا۔

ابوعبیدہ ؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انکو خالد ؓ کی تمام فتوحات سے آگاہ کیا۔ نیز انہوں نے الفاظ شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکر گزار ہیں جو ابن ولید کو راستے میں آنے والے ہر دشمن پر حاوی کرتا ہے۔ وہ جوں جوں آگے بڑھتا جا رہا ہے انکی مشکلات خطرناک ہوتی جا رہی ہیں۔ ان کا لشکر تھک کر بے حال ہو چکا ہوگا۔ آگے مضبوط شہر دمشق اور بصرہ ہیں۔ شاید غسانی اور رومی یہ سوچ رہے ہوں گے کہ مسلمانوں کو آگے آنے دیں اور جب وہ مسلسل سفر اور لڑائیوں سے شل ہو جائیں اور انکی نفری کم ہو جائے تو انہیں کسی مضبوط مقام پر گھیر کر ختم کیا جائے۔

سالار یزید بن ابی سفیان ؓ بولے: رومیوں نے ایسا ضرور سوچا ہوگا۔ کیونکہ رومی لڑنے والی قوم ہے اور انکے سالار عقل والے ہیں۔ سالار ابوعبیدہ ؓ نے پر جوش لہجے میں کہا خدا کی قسم، میں رومیوں کو ایسا موقع ہرگز نہیں دوں گا اس سے پہلے کہ خالد بصرہ پہنچ کر حملہ کرے، ہم بصرہ پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ رومی اور غسانی بھی تازہ دم نہیں رہیں گے۔

سالار شرحبیل بن حسنہ ؓ نے ابوعبیدہ ؓ کی تائید کرتے ہوئے کہا آپ نے جو سوچا ہے، اچھا سوچا ہے۔ ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ ابوعبیدہ ؓ نے شرحبیل بن حسنہ ؓ سے فرمایا میں یہ کام تمہیں سونپتا ہوں۔ اپنے ساتھ چار ہزار مجاہدین لے کر بصرہ روانہ ہو جائیں۔

تقریباً تمام مؤرخین (ابن کثیر، ابن طبری، ابن خلدون، واقدی وغیرہ) اس بات پر متفق ہیں کہ شرحبیل بن حسنہ ؓ کی فوج خالد سے پہلے بصرہ پہنچ گئی تھی اور وہاں پہ رومیوں اور غسانیوں سے لڑی تھی۔ سالار شرحبیل بن حسنہ ؓ کے بارے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ ایک قریبی صحابی رسول تھے اور کاتب وحی بھی تھے۔ اسی حوالے سے انہیں کاتب رسول ﷺ کہا جاتا تھا۔ شرحبیل بن حسنہ کا زہد و تقویٰ تو مشہور تھا ہی، وہ فن حرب وضرب اور میدان جنگ میں قیادت کی مہارت بھی رکھتے تھے۔ اس

وقت ان کی عمر ستر سال سے کچھ ہی کم تھی جذبے اور جوش وخروش کے لحاظ سے وہ جوان تھے اور انکی شہسواری اور تیغ زنی جوانوں جیسی تھی۔

شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چار ہزار مجاہدین کے ساتھ بصرہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومی سالار یہ سمجھتے تھے کہ یہ مسلمانوں کی فوج کا ہراول دستہ ہے اور باقی فوج پیچھے آرہی ہے۔ کیونکہ وہ یہ مان نہیں سکتے کہ اتنے چھوٹے لشکر سے اتنے بڑے شہر کا محاصرہ کیا جاسکتا ہے۔ بصرہ ایک قلعہ بند شہر تھا جس میں رومی اور غسانی فوج کی تقریباً بارہ ہزار نفری تھی۔

شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو کئی دستوں میں تقسیم کر کے شہر کے چاروں طرف محاصرہ کر لیا۔ دو دن گزر گئے رومی اور غسانی قلعے کی دیواروں سے مسلمان لشکر کو دیکھتے رہے۔ وہ مسلمانوں کی باقی فوج آنے کی توقع رکھتے تھے اسلئے قلعے سے دور دور بھی دیکھتے رہے۔ محاصرے کا تیسرا دن تھا اب رومیوں اور غسانیوں کو یہ یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی ہے جس نے محاصرہ کیا ہوا ہے۔ اگر مزید فوج نے آنا ہوتا تو اب تک آچکی ہوتی۔ لہٰذا رومیوں اور غسانیوں نے اپنی بارہ ہزار فوج کو باہر نکال کر جنگی ترتیب دی۔ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی چار ہزار مجاہدین کو اکٹھا کر کے جنگی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔ اس طرح دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے شرحبیل رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے سامنے تین شرائط رکھیں۔ اول یہ کہ مسلمان ہو جاؤ اور اسلام قبول کرو۔ اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ ادا کرو اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو لڑائی کیلئے تیار ہو جاؤ۔ رومی سالاروں نے کہا۔ نہ تو ہم اپنا مذہب چھوڑیں گے اور نہ ہم جزیہ دیں گے لڑائی کیلئے ہم تیار ہیں۔

سالار شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے حتی الوسع رومی سالاروں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ خون خرابے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن رومی اپنے تین گنا تعداد کے بل بوتے پر مست ہو گئے تھے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ کاتب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ ایک تجربہ کار سالار تھے۔ انہوں نے اپنے دونوں پہلوؤں کو پھیلا دیا تھا تاکہ دشمن کے گھیرے میں نہ آسکے۔ رومی بھی چونکہ ایک جنگجو قوم تھی اور انکے سالار فن حرب وضرب کے ماہر تھے۔ وہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ لڑائی گھمسان کی لڑائی تھی دونوں جانب جانی نقصان ہو رہا تھا۔

سالار شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اپنے قاصدوں کو دائیں بائیں دوڑا رہے تھے اور انہیں ہدایات دے رہے تھے کہ اندر کی طرف مت سکڑنا، باہر کی طرف پھیلنا۔ مجاہدین اپنی روایات کے مطابق بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن رومیوں کی کثیر تعداد نے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

جب شرحبیل رضی اللہ عنہ نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو انہیں اپنے لشکر کی صورت حال بڑی تشویشناک دکھائی دی۔ ایسی صورت حال پسپائی کا مطالبہ کیا کرتی ہے لیکن مسلمان پسپائی کے نام سے ناواقف تھے۔ وہ موت کو پسپائی پر ترجیح دیتے تھے۔ ساتھ ہی شرحبیل رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنے کیلئے کلمۂ طیبہ اور جہادی آیتوں کا ورد شروع کیا۔

صورت حال یہ پیدا ہوگئی تھی کہ مسلمان اب دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ مسلمان اب مکمل طور پر گھیرے میں آ گئے تھے اور ان کی موت یقینی ہوگئی تھی۔ واقدی لکھتے ہیں کہ ماجد بن رویم العبسی کہتے ہیں کہ میں بھی اس وقت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھا۔ دشمن نے بارہ ہزار جوانوں کے ساتھ یہ سمجھ کر کہ اب بازی لے لیں گے ہم پر حملہ کر دیا۔ ہم انکے مقابلے میں ایسے تھے جیسے سیاہ اونٹ پر تل جتنی سفیدی۔ ہم نے اس جنگ میں اس شخص کی طرح صبر کیا تھا۔ جس طرح ایک شخص موت اور سفر آخرت کے وقت کر لیتا ہے۔ دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی اور دشمن برابر یہ سمجھتا رہا کہ وہ فتح حاصل کرے گا۔ میں نے اس حالت میں شرحبیل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے یہ دعا پڑھ رہے تھے۔

ترجمہ : ''اے ہمیشہ زندہ قائم رہنے والے اور اے آسمان و زمین کے بنانے والے، اے بزرگی و اکرام والے، اے رب العالمین! آپ نے فتح شام اور فارس کا وعدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے اے اللہ! آپ اسکی مدد، جو آپ کی وحدانیت کا قائل ہے، کافر کے اوپر کیجیے اور اے رب، قوم کافرین پر ہمیں نصرت بخش دیجئے۔''

خدا کی قسم شرحبیل رضی اللہ عنہ نے ابھی اپنی دعا ختم ہی نہیں کی تھی کہ مدد پہنچ گئی۔ دشمن نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور اپنے دل میں یہ طے کر چکا تھا کہ اب فتح ہوئی ہے اور مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست کا سامنا ہونے والا ہے کہ اچانک ہمیں عقب سے ایک گرد و غبار اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ جب پیچھے دیکھا تو سینکڑوں گھوڑے دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ انکے آگے دو شہسوار بڑھتے نظر آ رہے

تھے۔ ان میں سے ایک شہسوار زور سے آواز دیکر کہہ رہا تھا۔ میں مشہور شہسوار خالد بن ولید ہوں۔ دوسرے کی زبان پر جاری تھا میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ہوں۔ انکے پیچھے جو لشکر آرہا تھا انکے آگے آگے رافع بن عمیرہ تھے جو لشکر کا جھنڈا ہاتھ میں تھامے ہوئے میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ یہ جھنڈا خالد بن ولیدؓ کا تھا جس کا نام رایۃ العقاب تھا۔

خالد بن ولیدؓ اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف آرہے تھے۔ ان کے راستے میں دمشق آیا تھا لیکن آپ نے دمشق سے ہٹ کر بصرہ کی طرف کوچ کا ارادہ کرلیا تھا۔ کیونکہ وہ پہلے بصرہ کو فتح کرنا چاہتے تھے اور یہ سب کچھ ارادہ خداوندی سے ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کاتب رسولؓ کی دعا اور پکار سن لی تھی اور اسی طرح خالدؓ کو امداد کے طور پر بصرہ بھیج دیا تھا۔

واقدی لکھتے ہیں کہ جس وقت رومیوں نے خالد بن ولیدؓ کی للکار سنی تو ان کے حوصلے پست ہوگئے۔ کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی چھوٹی جماعت کو جب شکست نہ دے سکے۔ تو اب جب مسلمان تعداد میں بھی زیادہ ہوگئے ہیں انہیں اب شکست نہیں دی جاسکتی۔

رومیوں میں اب مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رہی اور قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے بڑی تیزی سے ان کا تعاقب کیا اور بہت سے رومیوں کو جہنم واصل کیا۔ بقیہ لشکر قلعے کے اندر جانے میں کامیاب ہوگیا اور تمام دروازے بند کردیئے۔

مسلمانوں کے یہ دونوں لشکر محاذ پر نکلے بہت عرصہ بعد ملے تھے۔ جب دونوں لشکر آپس میں مل رہے تھے تو بعض اشکبار آنکھوں سے گلے مل رہے تھے۔ تو بعض کی چہروں پر آنسوؤں کے ساتھ ساتھ تبسم بھی نظر آرہا تھا کیونکہ بہت عرصہ بعد بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے مل رہا تھا۔ مجاہدین نے زخمیوں اور لاشوں کو سنبھالا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی، جبکہ شہیدوں کو اسی رات وہی دفن کیا۔

جبلہ بن الایہم قلعے کے اندر اپنے سالاروں پر غصہ جھاڑ رہا تھا اور انہیں طعنے دے رہا تھا۔ جبکہ شہریوں میں خوف و ہراس پھیل چکا تھا کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ مجاہدین قلعہ فتح کئے بغیر نہیں جائیں گے۔ دوسرے روز رومی لشکر نے پھر جنگ کی آمادگی ظاہر کردی اور اپنی فوج کو قلعے سے باہر نکال کر صف آراستہ کیا۔ خالد نے حسب معمول اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ آپ نے میمنہ پر رافع بن عمیرہ کو اور میسرہ پر مشہور شہسوار ضرار بن الازور کو مقرر کیا۔ ضرار بن الازور کی شجاعت و بہادری

کے قصے بہت مشہور ہیں وہ ایک سے زیادہ افراد سے لڑنے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ میدان جنگ میں جوش میں آ کر اپنی زرہ اور قمیص تک پھینک دیتے اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے۔ قلب کی کمان خالدؓ نے خود اپنے پاس رکھی اور قلب کو محفوظ رکھنے کیلئے ایک دستہ قلب کے آگے رکھ دیا۔ اس دستے کی کمان خلیفۃ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے پاس تھی۔

جب دونوں صفیں آمنے سامنے ہوئیں تو رومیوں کا سپہ سالار دریحان زرہ پہنے ہوئے میدان میں آیا اور حضرت خالدؓ کو اپنے مقابلے کیلئے طلب کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے آپؓ سے کہا آپ لشکر کے سپہ سالار ہیں اور لشکر کا میدان میں جمے رہنا سپہ سالار کے ساتھ ہوتا ہے۔ دشمن کے مقابلے کیلئے میں جاتا ہوں اور میدان میں آ پہنچے۔ آپ نے دریحان پر حملہ کیا۔ نبرد آزمائی شروع ہوئی ۔طرفین کے سپاہی دونوں سپہ سالاروں کے فنون حرب وضرب کے تماشے دیکھنے لگے۔ دونوں موت اور زندگی کا معرکہ لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر فیصلہ کن وار کر رہے تھے مگر دونوں نہایت سلیقے سے وار کو بچاتے۔ عبدالرحمٰن نے تلوار کا زوردار وار کیا جس سے رومی سالار دریحان کا گھوڑا زخمی ہو کر بدک گیا۔

چونکہ دریحان ایک تجربہ کار سالار تھا اس نے بڑی مہارت سے گھوڑے کو قابو کیا اور عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ پر وار کرنے لگا۔ عبدالرحمٰن نے ہر وار کو بچایا۔ آپؓ نے جوابی وار کرتے ہوئے رومی سالار کی ٹانگ زخمی کر دی۔ ابھی دریحان نے محسوس کیا کہ وہ مزید مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا اس لئے بھاگا۔ اس کا گھوڑا چونکہ عبدالرحمٰنؓ کے گھوڑے سے زیادہ تیز تھا اس لئے آپ کے ہاتھ نہیں آیا اور اپنے لشکر میں جا گھسا۔

اپنے سالار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر رومیوں پر ہیبت طاری ہو گئی خالدؓ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سالار رافع بن عمیرہ اور ضرار بن الازور کو دشمن کے دونوں پہلوؤں پر شدید حملے کا حکم دیا۔ مؤرخین کے مطابق یہ حملہ اتنا تیز اور اچانک تھا کہ دشمن کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا اور رومیوں کے سر خاک وخون میں لت پت ہونے لگے۔

ضرار بن الازور نے جوش میں آ کر اپنی زرہ اتار پھینکی تھی۔ یہ چونکہ جولائی کا آغاز تھا اور گرمی عروج پر تھی ضرارؓ نے گرمی سے تنگ آ کر اور لڑائی میں آسانی پیدا کرنے کیلئے اپنی زرہ اور قمیص

اتار پھینکی۔ اس طرح انکا اوپر کا دھڑ بالکل ننگا ہوگیا۔ واقدی لکھتے ہیں کہ پادری اپنی یقینی شکست کو دیکھ کر کفریہ کلمات پڑھنے لگا۔ شرحبیل بن حسنہؓ نے یہ دعا پڑھنی شروع کی۔

''الٰہی! یہ ناپاک قوم کلمہ کفر کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کرتی ہے اور تیرے ساتھ ایک دوسرے معبود کو پکارتی ہے۔ حالانکہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم تیری طرف محض کلمہ توحید کے ساتھ رجوع کرتے ہیں۔ تو حضرت محمد ﷺ کے صدقے اور طفیل سے اس دین مبین کی قوم کو کافرین پر مدد فرما''۔

کاتب رسول ﷺ دعا پڑھ رہے تھے اور مسلمان آپ کی دعا پر آمین آمین کہہ رہے تھے۔ پھر یکبارگی زور سے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید اور یکبارگی تھا کہ دشمن کے پیر اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ زمین نعشوں سے بھر گئی اور باقی لوگ قلعے کی طرف بھاگنے لگے۔ قلعے میں گھس کر تمام دروازے بند کر دیئے مجاہدین نے قلعے کے دروازوں کو توڑنا چاہا لیکن دیواروں کے اوپر سے تیروں کی بوچھاڑ نے روک دیا اور انہیں مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔

قلعے کے باہر رومیوں اور غسانیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ زخمی تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔ زخمی گھوڑے بدکے ہوئے بے لگام میدان جنگ میں دوڑتے پھر رہے تھے۔ اگرچہ لڑائی ختم ہو چکی تھی لیکن فتح ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کیونکہ فتح مکمل کرنے کیلئے قلعہ سر کرنا ضروری تھا۔ خالد بن ولیدؓ نے قلعے کا محاصرہ جاری رکھنے کیلئے تمام سالاروں کو بلایا۔

☆☆☆

خالد بن ولیدؓ نے ایک سوار کو دیکھا جو ان کی طرف آرہا تھا۔ وہ دوسروں سے کچھ الگ تھلگ تھا۔ ایک اس لئے کہ اس کا قد لمبا اور دبلا پتلا تھا۔ عرب ایسے دبلے پتلے نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس کی داڑھی گھنی نہیں تھی اور داڑھی کو مصنوعی طریقے سے کالا کر رکھا تھا۔ سب کی توجہ اس شخص کی طرف اس وجہ سے بھی ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھ میں پیلے رنگ کا ایک پرچم تھا۔ یہ وہ پرچم تھا جو غزوہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی اس لئے اس نے سر پر کپڑا ڈال رکھا تھا جس سے اس کا آدھا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ اس لئے خالد بن ولیدؓ اسے پہچان نہ سکے۔ خالد کے قریب آ کر وہ شخص مسکرایا۔ خالد خوشی سے اس شخص کی طرف دوڑے اور چیخ اُٹھے۔۔۔ ابوعبیدہ۔۔۔

وہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے۔ مرج راہط سے خالدؓ نے انہیں پیغام بھیجا تھا کہ وہ انہیں بصرہ کے قرب و جوار میں ملیں۔ خالدؓ کا قاصد پہنچنے سے پہلے ابوعبیدہؓ نے شرحبیل بن حسنہؓ کو چار ہزار مجاہدین کے ساتھ بصرہ پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ ابوعبیدہؓ اس وقت بصرہ پہنچے جب مسلمان رومیوں کے ساتھ سخت مقابلے میں الجھے ہوئے تھے۔ انہوں نے تلوار نکالی اور معرکے میں شامل ہو گئے۔

ابوعبیدہؓ کے ساتھ یزید بن ابوسفیانؓ کے دستے بھی تھے۔ اب بصرہ میں خالدؓ کے لشکر کے ساتھ تین سالار ابوعبیدہؓ، شرحبیل بن حسنہؓ اور یزید بن ابوسفیانؓ کے دستے شامل ہو گئے تھے۔ اس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ نے جب ابوعبیدہؓ کو بصرہ کے میدان میں دیکھا۔ تو انہیں خدشہ محسوس ہوا کہ ابوعبیدہؓ ان کی سپہ سالاری کو قبول نہیں کریں گے۔

اگرچہ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے ابوعبیدہؓ کو تحریری حکم نامہ بھیجا تھا کہ جب خالدؓ شام پہنچ جائیں تو وہ تمام لشکر کے سالار اعلیٰ ہوں گے۔ لیکن خالد کو معلوم تھا کہ جو مقام اور رتبہ ابوعبیدہؓ کو حاصل ہے وہ انہیں کبھی بھی حاصل نہیں تھا، کیونکہ ابوعبیدہؓ ہی خلافت ابوبکر میں بیت المال کے مہتمم اور مشیر خاص تھے۔ خالد خود بھی ابوعبیدہؓ کا بہت احترام کرتے تھے۔

واقدی میں تحریر ہے کہ جس وقت حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت خالدؓ کے قریب پہنچے تو آپ خالدؓ کے احترام میں گھوڑے سے اترنے لگے مگر خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کو قسم دے کر منع کیا اور فرمایا میں اس قابل نہیں ہوں کہ امین الامت میرے لئے گھوڑے سے اترے۔ حضرت ابوعبیدہؓ گھوڑے پر سوار رہے اور جھک کر حضرت خالد سے مصافحہ کیا۔ جس کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا ابوسلیمان (حضرت خالد کی کنیت)! مجھے خلیفۃ الرسول کا پیغام ملا ہے جس میں انہوں نے تمہیں ہم سب کا امیر مقرر کیا ہے۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی اور تم یقین جانو کہ میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی خیال نہیں گزرا کیونکہ میں خود جانتا ہوں کہ جنگ فارس اور عرب میں تم نے کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔

خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ میں آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتا اور آپ کے خلاف کبھی دم نہیں مار سکتا۔ واللہ اگر خلیفۂ وقت کی اطاعت کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی بھی آپ کے تقدم فی الاسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص ہونے کی وجہ سے ہرگز اس عہدے کو قبول نہ کرتا۔ ابوعبیدہؓ نے خالد کو ایسی باتوں سے منع کیا اور فرمایا کہ خلیفۃ ابوبکرؓ نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔ میں آپ کے ماتحت

ہوں اور آپ کے حکم پر آیا ہوں۔

خالدؓ نے بصرہ کو محاصرہ میں لینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی مجاہدین نے اپنے شہیدوں کو دفن کر دیا۔ بصرہ کی لڑائی میں مسلمانوں کے ایک سو تیس جانباز شہید ہوئے تھے۔ جبکہ رومیوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ مجاہدین قلعے کے دروازوں کو توڑنے کی کوشش میں لگے تھے مگر قلعے سے تیروں کی بوچھاڑ نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ ساتھ ہی وہ رومیوں کو للکارتے بھی تھے۔ قلعہ ہمارے حوالے کر دیں اگر ہم نے بزور شمشیر قلعے کو فتح کیا تو پھر ہم سے رحم کی امید نہ کرنا۔ شہر کے لوگوں میں خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔ وہ جبلہ بن الایہم کے محل کے سامنے اکٹھے ہو گئے اور ان سے اپیل کی کہ قلعے کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا جائے اور مزید خون خرابے سے گریز کیا جائے۔ آخر کار جبلہ اور سالاروں نے محاصرے سے تنگ آ کر مسلمانوں سے صلح کی اپیل کی۔ خالد نے ان پر جزیہ مقرر کیا اور تمام شہریوں کو امان دے دی۔ رومی سالار اور فوج اجنادین کی طرف چلی گئی۔ مسلمانوں نے جولائی ۶۳۴ء (جمادی الاول) میں قلعے کی فتح مکمل کر لیا۔

یہ شام کے علاقے کا پہلا بڑا شہر تھا جو مسلمانوں نے فتح کیا۔ حضرت خالدؓ نے مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) بلال بن الحرث مزنی کے ساتھ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے پاس روانہ کیا۔

☆☆☆

مسلمان جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ رومیوں نے اجنادین کے مقام پر فیصلہ کن جنگ لڑنے کیلئے ایک بہت بڑی فوج تیار کی ہوئی ہے۔ اجنادین فلسطین کے علاقے میں رَملہ اور بیت جبرین کے درمیان ایک شہر تھا۔ عمرو بن العاص کا دستہ پہلے ہی سے فلسطین میں مقیم تھا۔ جولائی ۶۳۴ء (جمادی الاول ۱۳ھ) میں حضرت خالدؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت شرحبیل بن حسنہؓ اور حضرت یزید بن ابوسفیانؓ نے اپنے دستوں سمیت بغرض امداد عمرو بن العاص اجنادین کا رخ کیا تھا۔

طبری، ابن کثیر اور ابن خلدون تینوں اس پر متفق ہیں کہ معرکہ اجنادین، بصرہ کی فتح کے فوراً بعد ہوا تھا۔ ۲۴ جولائی ۶۳۴ء (جمادی الاول ۱۳ھ) کو حضرت خالد اپنے تمام سالاروں اور دستوں کے ساتھ اجنادین پہنچ گئے۔ رومی فوج پہلے ہی سے وہاں خیمہ زن تھی۔ مسلمانوں نے ایک میل کے فاصلے پر اپنی فوج کو خیمہ زن کیا۔ رومیوں کا سالار اعلیٰ وردان تھا۔ طبری اور ابن خلدون نے اس سالار

کا نام ''تذارق'' بیان کیا ہے جو ہرقل کا حقیقی بھائی تھا۔ ممکن ہے یہ ایک شخص کے دو نام ہوں جیسا کہ وردان آرمینی نام ہے اور تذارق اُس کا رومی یا عربی نام ہو (واللہ اعلم)۔ رومیوں کا نائب سالار قبقلار نامی شخص تھا جو نہایت جنگجو اور تجربہ کار سالار تھا۔

واقدی میں تحریر ہے کہ رسول کریم ﷺ کے خادم حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے دستے میں تھا۔ ہم جمادی الاول ۱۳ھ کو اجنادین پہنچ گئے۔ میں نے رومیوں کا ایک لشکر جرار خیمہ زن دیکھا۔ جب ہم انکے قریب پہنچ گئے تو انہوں نے ہمیں دیکھ کے اپنا سازوسامان اور لشکر کو مرتب کرنا شروع کیا اور اپنی تمام فوج کی صف بندی کی۔ دشمن نے اس وقت نوے صفیں بنائی تھی اور ہر صف میں ایک ہزار افراد موجود تھے یعنی اس جنگ میں رومیوں کی تعداد نوے ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد بتیس ہزار تھی۔ حضرت ضحاک بن عروہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عراق کی جنگیں لڑی مگر واللہ میں نے اتنا بڑا اور اسلحے سے لیس لشکر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے رومیوں کی تعداد اور سازوسامان دیکھا تو بعض افراد میں کچھ گھبراہٹ اور ہیبت سی پیدا ہوئی۔ اپنے دستوں کا حوصلہ بڑھانے کیلئے خالدؓ، ابوعبیدہؓ اور دوسرے سالار خیمہ گاہ میں جگہ جگہ گھومنے لگے اور انکو وعظ و نصیحت اور جہاد کی ترغیب دینے لگے۔

''اسلام کے سپاہیو! میں جانتا ہوں آپ لوگوں نے پہلے اتنی بڑی فوج نہیں دیکھی تھی۔ خدا کی قسم، اگر تم ڈر گئے تو ہار جاؤ گے اور شکست تمہارا مقدر بن جائے گی اور اگر تم نے اس جنگ میں رومیوں پر فتح پالی تو رومی ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں گے۔ اللہ کے نام پر لڑو اور جہاد میں سرتوڑ کوشش کرو۔ اگر تم نے پسپائی اختیار کی تو دوزخ کی آگ میں جلو گے۔ دوران جنگ اپنے صفوں میں بدنظمی مت پھیلانا اور ثابت قدم رہنا۔ جب تک حکم نہیں ملتا حملہ مت کرنا۔ اپنے ارادوں اور ہمت کو مضبوط اور قوی رکھو۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہے''۔

دوسری طرف رومیوں کا سالار اعلیٰ وردان اپنے سالاروں اور کمانداروں سے کہہ رہا تھا:

اے رومیو! قیصر روم کو تم پر بہت ناز اور بھروسہ ہے۔ اگر تم نے ان عربی مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست نہ دی، تو یہ تم پر ہمیشہ کیلئے غالب آئیں گے اور پھر کسی میں انکے خلاف لڑنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ عرب تمہارے شہروں پر قبضہ کر لیں گے۔ مردوں کو قتل اور تمہاری بہنوں اور بیٹیوں کو بے آبرو

کر دیں گے۔ ہمیں جوان مردی کے ساتھ لڑنا ہوگا اور منتشر نہیں ہونا۔ یاد رکھو! مسلمان بہت کم ہیں۔ تم ان سے تین گنا زیادہ ہو، تمہارے ہر تین شخصوں کے مقابلہ میں انکا محض ایک آدمی ہے۔ صلیب سے مدد مانگو وہ تمہیں ضرور فتح دے گی۔

اگلے روز حضرت خالد نے رومیوں کی تعداد، چال ڈھال اور سازوسامان کی صحیح اطلاع دینے کیلئے جاسوس بھیجنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے سالاروں سے کہا کہ اس کام کیلئے کوئی ذہین اور دلیر آدمی چاہیے۔ حضرت ضرار بن الازور نے کہا اس کام کیلئے میں تیار ہوں۔ خالد بن ولید مسکرائے اور کہا واللہ اس کام کیلئے آپ ہی موزوں ہیں، مگر ضرار! اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالنا اور نہایت محتاط انداز سے خبر گیری کرنا۔

ضرار رومیوں کی خیمہ گاہ کے قریب پہنچ کر ایک اونچی ٹیکری سے حالات معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اچانک رومی سنتری کی نظر ان پر پڑی۔ ضرار تیزی سے نیچے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ انہیں پکڑنے کیلئے رومی سواروں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ مؤرخین نے رومی سواروں کی تعداد تیس بتائی ہے ضرار نے اپنی برچھی نکال کر ایک رومی پر بڑا زوردار وار کیا۔ آدمی سنبھل نہ سکا اور اپنے گھوڑے سے گرا۔ دوسرے رومی ابھی سمجھے ہی نہ تھے کہ ضرار کی برچھی ایک اور رومی کے پہلوں میں اتر چکی تھی۔ تیسرا رومی ضرار پر حملہ کرنے سے پہلے ہی برچھی کا وار برداشت نہ کرتے ہوئے گرا۔ ضرار ایک مانے ہوئے شہسوار تھے اور ایک سے زیادہ افراد سے لڑنے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ ضرار اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا اور اتنی تیزی سے پینترا بدلتا کہ رومیوں کو اسکی حرکت کا پتہ نہ چلتا اور برچھی سے وار کرتا جاتا۔

واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ ضرار نے اسی طرح تیس میں سے انیس سواروں کو مار ڈالا اور محفوظ طریقے سے اپنے خیمہ گاہ میں پہنچ گئے۔ ضرار جب خالد کے سامنے آئے تو پوچھا! کیا میں نے تجھے کسی اور کام کیلئے نہیں بھیجا تھا اور تو نے دشمن سے لڑائی شروع کی۔ ضرار نے کہا خدا کی قسم، اگر تیرے حکم اور ناراضگی کا خیال نہ ہوتا تو جو رومی بچ کر نکل گئے ہیں وہ بھی نہ جاتے۔ انہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ آپ یقین جانیں کہ یہ تمام لشکر ہمارے لئے مال غنیمت ہے۔

رومی سالار قبقلار کا حوصلہ بالکل ٹوٹ گیا تھا۔ مشہور مؤرخ طبری نے بیان کیا ہے کہ

قبقلار نے ایک عربی شخص کو بلایا جس کا نام ابن ہزارف تھا۔ قبقلار نے اس شخص سے کہا کہ تم ان لوگوں کے خیموں میں جا کر مجھے انکے حالات سے باخبر کرو۔ وہ شخص عرب کی وضع قطع اور طور طریقے جاننے کی وجہ سے کسی کو اجنبی نہ لگا۔ ایک رات اور ایک دن وہاں مقیم رہا اور قبقلار کو عربوں کی حالات ومشاہدات بتانے لگا۔ جاسوس نے بتایا کہ مسلمان رات کو راہب اور دن کو شہسوار ہیں۔ وہ لڑنے اور جان دینے کو اپنے عقیدے کا بنیادی جز سمجھتے ہیں ان کا ہر ایک سپاہی کسی سالار کے حکم سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی شوق اور عقیدے کے تحت لڑتے ہیں۔ سالار اور سپاہی میں کچھ فرق نہیں۔ انکے انصاف کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کا فرزند بھی چوری کرے تو وہ اسکا ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں اور اگر زنا کا مرتکب ہو، تو اسے سنگسار کر دیتے ہیں۔ قبقلار نے یہ سن کر کہا کہ اگر تم یہ باتیں سچ کہہ رہے ہو، تو میں کہتا ہوں، کہ اس زمین کے نیچے چلا جاؤں جس زمین پر ان سے مقابلہ کرنا پڑے۔ کاش میں انکے قریب نہ جاسکوں اور نہ خدا مجھے ان پر فتح دے اور نہ وہ مجھ پر۔

سالار قبقلار نے وردان سے کہا کہ جب انکے ایک سپاہی نے ہمارے تیس بندوں کا مقابلہ کیا اور انیس کو مار ڈالا ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا ہوں کہ اس ایک آدمی میں اتنی طاقت اور جذبہ کہاں سے آ گیا تھا۔ ایسا لگ رہا ہے کہ وہ ہم پر غالب آجائیں گے۔ سالار اعلیٰ وردان نے بہت طعنے دیے اور انکو جذبہ دلانا چاہا مگر قبقلار کا لڑنے کا جذبہ بالکل ماند پڑ گیا تھا۔

۲۷ جمادی الاول ۱۳ ہجری (۲۹ جولائی ۶۳۴ء) کو دونوں لشکر مدمقابل ہوئے۔ خالد بن ولیدؓ نے اپنے لشکر کے چار حصے کئے۔ میمنہ، میسرہ، قلب اور ہراول۔ ہراول کے پھر دو حصے بنائے۔ ہراول ایمن، ہراول ایسر۔

واقدی کے مطابق میمنہ کی کمان معاذ بن جبلؓ کے پاس تھی، میسرہ پر سعید بن عامر کو مقرر کیا گیا، ہراول ایمن پر نعمان بن مقرن اور ہراول ایسر پر شرحبیل بن حسنہ کو مامور کیا گیا۔ یزید بن ابو سفیان کو چار ہزار جانباز دیکر ساق (لشکر کے پیچھے عورتوں اور بچوں والا دستہ) پر امیر مقرر کیا گیا۔

قلب کی کمان خالد بن ولیدؓ نے اپنے پاس رکھی اور حضرت ابوعبیدہؓ، عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ، عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ، عمرو بن عاصؓ، ضرار بن الازور اور رافع بن عمیرہ جیسے سالار اپنے پاس رکھ لئے۔ انکا اپنے پاس رکھنے کا ایک مقصد یہ تھا کہ جہاں کہیں سالار کی ضرورت پڑے فوراً ان میں سے کسی ایک کو

وہاں بھیج دیا جائے۔دوسری بات یہ کہ بوقت ضرورت ان سے مفید مشورے لئے جا سکیں۔

رومیوں نے اپنے محاذ کو تقریباً پانچ میل لمبا رکھا تھا۔اسی وجہ سے خالد بن ولیدؓ نے بھی اپنے محاذ کو تقریباً اتنا ہی رکھ دیا تا کہ رومیوں کے گھیرے میں نہ آسکیں۔جنگی چالوں کے ماہر خالد بن ولیدؓ نے دوسری دانشمندی یہ کی تھی کہ اپنے لشکر کا منہ مغرب کی طرف رکھا تا کہ سورج انکے پیچھے اور رومیوں کے سامنے رہے اور وہ سورج کی چمک کی وجہ سے آنکھیں نہ کھول سکیں۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ جب رومیوں کا لشکر مدمقابل ہوا تو دیکھنے والوں پر ہیبت اور خوف طاری کرتا تھا۔بکثرت سونے اور چاندی کی صلیبیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھی اور مختلف رنگوں کے جھنڈوں کے ساتھ لہرا رہی تھیں۔رومیوں کے سالار وردان اور قبقلار اپنے لشکر کے سامنے کھڑے تھے۔انکا محافظ دستہ زریں اور جنگی سازوسامان کے لحاظ سے بڑی شاہانہ شان والا لگ رہا تھا۔

مسلمان سالاروں نے اپنے اپنے دستوں کو جہاد کی ترغیب اور فضیلت بیان کی اور میدان جنگ سے پسپا ہونے کے بارے قرآنی آیات وعید کے طور پر سنائیں۔اسکے بعد خالد بن ولیدؓ ساق کی طرف گئے جہاں خواتین اسلام اور بچے تھے۔آپؓ نے عورتوں کو مخاطب کر کے کہا اپنے خاوندوں، بھائیوں اور باپوں کیلئے دعا کرتی رہنا۔تم دیکھ رہی ہو کہ دشمن کی تعداد کتنی زیادہ ہے اور ہم کتنے کم ہیں۔ایسا ہوسکتا ہے کہ دشمن ہماری صفیں توڑ کر پیچھے آجائے۔خدا کی قسم، مجھے پوری امید ہے کہ اپنی عزت اور ناموس بچانے کیلئے تم مردوں کی طرح لڑوگی۔ہم انہیں تم تک نہیں پہنچنے دیں گے لیکن وہ سب کچھ ہوسکتا ہے جو ہم نہیں چاہتے۔اگر کسی مسلمان کو لڑائی سے بھاگتا ہوا دیکھو، تو خیمہ کی چوب سے انہیں مارنا اور اسکے بال بچوں کو اسے دکھا کر پوچھنا کہ انہیں کہاں چھوڑ جاتے ہو۔تمہاری اس حرکت سے شاید بھاگے ہوئے مسلمان کے دل میں جذبہ اور غیرت آجائے۔عورتوں میں سے عفیرہ بنت عفارؓ نے جواب دیا اے امیر! کیا وجہ ہے کہ ہمیں آگے جا کر لڑنے کی اجازت نہیں۔

ضرار کی بہن خولہ بنت ازورؓ نے جواب دیا۔یا امیر! ہمیں کسی کے حملہ اور سختی کی کچھ پرواہ نہیں آپ اطمینان رکھیں۔حضرت خالد نے فرمایا تمہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، یہ کہہ کر آپ مسلمان مردوں کی صفوں میں واپس آگئے۔

واقدی میں تحریر ہے کہ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے حملہ کے انتظار میں تھے۔

رومیوں کی صفوں سے ایک معمر پادری سیاہ زرہ پہنے ہوئے آگے آیا اور عربی زبان میں کہنے لگا۔ تم میں سردار کون ہے جو میرے پاس آکر بات کرے۔ خالد بن ولید تشریف لے گئے۔ پادری نے دریافت کیا، کیا آپ سالار اور امیر القوم ہیں؟ آپؓ نے فرمایا جس وقت تک میں اطاعت خدا اور سنت رسول ﷺ قائم ہوں اس وقت تک یہ لوگ مجھے اپنا امیر اور سالار سمجھے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر میں ایک گھڑی کیلئے ان باتوں سے منحرف ہوجاؤں تو پھر نہ میری ان پر اطاعت ہے نہ سالاری وامارت۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ معمر پادری پر خاموشی طاری ہوگئی اور کچھ دبے ہوئے لہجے میں بولا، شاید یہی وجہ ہے کہ تم ہم پر غالب اور فاتح ہو۔ اسکے بعد کہنے لگا اے عرب سے فتح کی امید لے کر آنے والے! تم نے ایسے ملک کی طرف رخ کیا ہے جن کی طرف کبھی کسی بادشاہ کو آنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔ فتح تو بہت دور کی بات ہے۔ اہل فارس آئے اور بھاگ گئے، کئی دوسرے بھی آئے مگر وہ سب کے سب ناکام ہوگئے۔ اب تم آئے تجھے ہمارے خلاف کچھ کامیابیاں ضرور ملی ہیں، لیکن یہ خیال دماغ سے نکال دیں کہ تو ہر میدان میں فتح ہی پائے گا۔ ہمارے سالار اعلیٰ وردان نے مجھے ازراہ شفقت وہمدردی تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس نے تیری فوج کو کاٹ دینے کی بجائے مجھے یہ پیغام دیا ہے کہ اپنی فوج کو ہمارے ملک سے واپس لے جا۔ میرا آقا تمہارے لشکر کے ہر فرد کو ایک ایک کپڑا، ایک ایک عمامہ اور ایک ایک دینار اور آپ کو سو دینار، دس کپڑے اور دس عمامے اور آپ کے خلیفۃ ابوبکرؓ کو ایک ہزار دینار اور سو کپڑے دینے کیلئے تیار ہے۔ ہمارا لشکر ریت کے ذروں کے برابر ہے۔ ہماری فوج ان جیسی نہیں، جس سے آپ کا مقابلہ ہوا ہے بلکہ قیصر روم نے اس میں بڑے بڑے بہادر جرنیل اور تجربہ کار پادری روانہ کئے ہیں۔ اب بول تیرا جواب کیا ہے انعام چاہتا ہے یا اپنی اور اپنی فوج کی تباہی و بربادی؟

خالد بن ولیدؓ نے سوچے بغیر جواب دیتے ہوئے فرمایا ٹھیک ہے، ہماری دو شرطوں میں سے ایک شرط قبول کرلیں۔ اپنے آقا وردان سے کہنا کہ اسلام قبول کرلو یا جزیہ کیلئے تیار ہوجاؤ۔ اگر نہیں تو ہماری تلواریں ہمارے درمیان فیصلہ کرلیں گی۔ تمہارے کپڑے عمامے اور دینار تو ہم ویسے بھی وصول کرلیں گے۔ یہ سن کر راہب چلا گیا اور اپنے سالار وردان کو خالدؓ کا پیغام پہنچا دیا۔ وردان یہ سن کر غصے سے آگ بگولا ہوگیا۔ عرب کے ڈاکوؤں کی یہ جرأت! جن لوگوں سے ان کا اب تک مقابلہ ہوا ہے ہمیں بھی ویسا ہی تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ میں ان سب کو ایک ہی حلے میں ختم کرسکتا ہوں۔

وردان نے اپنا گھوڑا اپنی سپاہ کی طرف گھما کر حملے کا حکم دیا۔ حملے کا حکم سنتے ہی رومیوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رومیوں کی یہ حرکت اور پیش قدمی دیکھ کر قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: "تحقیق اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے ان کے جان اور مال خرید لئے، عوض اس کے، کہ ان کے واسطے بہشت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کے راستے میں۔۔۔ (التوبہ: 111)"

اور حملے کا حکم دیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوراً آگے بڑھ کر معاذ رضی اللہ عنہ کو روک دیا اور فرمایا معاذ رضی اللہ عنہ! جب سورج سر پر آ کر آگے جانے لگے، ہم تب حملہ کریں گے۔ لڑائی کو عصر کے وقت تک طول دینا، کیونکہ عصر کا وقت ایسا وقت ہے جس میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی ہے۔ چونکہ سالار اعلیٰ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور نائب سالار اعلیٰ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ لہٰذا انکے حکم کے بغیر مسلمان حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری طرف سے رومی مسلسل تیر اور پتھر برساتے رہے۔ تب مسلمانوں میں بے چینی آنے لگی۔ وہ حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن انکے سالار انہیں حملے کا حکم نہیں دے رہے تھے۔ رومیوں کے تیروں اور پتھروں سے کئی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ مسلمان جب شہید اور زخمی ہونے لگے تو حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کس چیز نے ہمیں حملے سے روکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن یہ گمان کر لیں کہ ہم ان سے ڈر کر بزدل ہو گئے ہیں۔ اگر وقت کا انتظار ہے تو کیوں نہ ہم میں سے چند جوان نکل کر انکے مقابلے کیلئے چلے جائیں اور حملے کے وقت تک لڑائی کو طول دیتے رہیں پھر وقت آنے پر ہم سب حملہ کریں گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ضرار! اس کام کیلئے تم ہی موزوں ہو۔ ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ! میری بھی یہی خواہش تھی۔ ضرار رضی اللہ عنہ نے زرہ اور خود پہنا۔ یہ زرہ آپ نے ایک رومی سردار سے چھینی تھی ضرار آگے گئے تو اس دور کے رواج کے مطابق رومیوں نے تیر اور پتھر برسانا بند کر دیئے اور انفرادی مقابلوں کیلئے تیار ہو گئے۔ حضرت ضرار تین گھنٹوں سے زیادہ مسلسل انفرادی مقابلے لڑتے رہے۔ فتوح الشام میں واقدی نے یہ انفرادی مقابلے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ واقدی میں تحریر ہے کہ حسان بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ضرار کے مقتولین کو گن رہا تھا جس وقت مقابلے میں آنے والے نئے رومی سالار کو قتل کر دیتے تو میں شمار کر لیا کرتا تھا۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے کل تیس رومیوں کو مارا تھا۔ آپ کے اس حملہ

نے رومیوں میں ایک ہلچل مچادی تھی۔ رومی حضرت ضرارؓ کو انسان ماننے کیلئے بھی تیار نہیں تھے بلکہ انہیں ایک جن اور شیطان پکارتے۔ (نعوذ باللہ)

اب سورج اس مقام پر آ گیا تھا کہ جس مقام پر حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے رومیوں پر تیز اور شدید حملے کا حکم دے دیا۔ مجاہدین تو پہلے ہی سے حملے کے انتظار میں تھے۔ ان میں اتنا قہر بھرا ہوا تھا کہ رومی سالار وردان کو کوئی چال چلنے کی مہلت ہی نہ ملی وہ اپنے محافظ دستے کے ساتھ کھڑا مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ رومی اپنی تعداد کے بل بوتے پر جبکہ مسلمان رب کی خوشنودی اور روحانی طاقت کے بنیاد پر لڑ رہے تھے۔ یہ معرکہ بڑا ہی خونریز اور شدید معرکہ تھا۔ مسلمان دستوں نے قلب سے حملہ کرتے ہوئے رومیوں کی ترتیب کو گڈ مڈ کر دیا تھا۔ دونوں فریق خوب گھمسان کی لڑائی لڑے، حتی کہ سورج غروب ہونے لگا اب دونوں فریق جدا جدا ہونے لگے۔ اجنادین کی پہلے روز کی لڑائی میں صرف تیس مسلمان شہید ہوئے تھے، اسکے برعکس رومیوں کے تین ہزار افراد مارے گئے، جن میں دس والیان ملک بھی شامل تھے۔

رات کو فریقین کے سالار اپنے اپنے نقصان کا جائزہ لے رہے تھے اور اگلی کاروائی کے متعلق لائحہ عمل بنا رہے تھے۔ رومیوں کا سالار اعلیٰ وردان کو بہت تشویش ہو رہی تھی اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر جنگ کی صورتحال یہی رہی تو یقیناً فتح مسلمانوں کی ہوگی اس لئے ہمیں کچھ سوچنا ہوگا۔

واقدی لکھتے ہیں کہ وردان نے اتنی پر جوش نصیحت اور وعظ والی تقریر کی کہ سارے رومی چیخ چیخ کر رو پڑے۔ ہر ایک شخص غصہ سے بھر گیا اور سب نے وعدہ کیا کہ ہم آخر دم تک لڑیں گے اور جب ہم میں ایک فرد بھی موجود ہے تو لڑائی برقرار رکھیں گے۔ وردان یہ سن کر بے حد خوش ہوا اور اپنے سالاروں کو مشورہ دینے کیلئے زور سے پکارا۔ سالاروں میں سے ایک سالار نے جواب دیا کہ ہمیں ان کے سالار کو کسی مکر و فریب کے ساتھ قتل کر دینا چاہیے کیونکہ میدان جنگ میں لشکر کا ٹھہرنا اور لڑنا سالار کے ساتھ ہوتا ہے اگر انکا سالار مارا گیا تو پھر یہ سب کے سب خود شکست کھا کر بھاگ جائیں گے۔

وردان فوراً بیدار ہو کر کہنے لگا۔ بہت خوب، بہت اچھی تجویز ہے اور فوراً ایک عیسائی عرب کو بلایا۔ تاریخ میں اس عیسائی عرب کا نام داؤد بتایا جاتا ہے۔ وردان نے داؤد کو بتایا کہ فوراً مسلمانوں کے سالار خالد بن ولیدؓ سے ملو اور اسے بتانا کہ میں رومی سالار کا ایلچی ہوں اور امن کا پیغام لایا

ہوں کہ وہ مجھے صبح سویرے ملے اور ہمارے ساتھ صلح کی بات کرلیں۔ اسے یہ بھی کہنا کہ اس بات چیت میں صرف وہ اور میں اکیلے ہوں گے۔

داؤد معمولی بندہ نہیں تھا وہ قیصر روم کا ایلچی اور نمائندہ تھا۔ وردان کو انکی عقل وفراست اور فصاحت وبلاغت پر پورا یقین تھا۔ اول تو داؤد نہیں مانا کیونکہ داؤد صلح کی بات پر ہرگز راضی نہیں تھا۔ لیکن جب وردان نے اسے پورا قصہ سنایا تو وہ راضی ہو گیا۔ طے یہ پایا تھا کہ جب خالدؓ، وردان سے ملنے آرہا ہو، تو دس آدمی راستے میں گھات میں بیٹھے ہوئے ہوں اور وہ خالدؓ پر ناگہانی حملہ کریں اور انہیں وہیں قتل کردیں۔

داؤد مسلمانوں کے خیموں میں چلا گیا اور اپنا تعارف کرایا کہ وہ رومیوں کا ایلچی ہے اور انکے سپہ سالار کیلئے صلح کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اسے اسی وقت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچا دیا گیا۔ داؤد نے اپنا تعارف کرایا اور بولا کہ میں رومیوں کی طرف سے ایلچی ہوں اور امن کا پیغام لایا ہوں۔ ہمارا سالار وردان خون ریزی کو برا سمجھتا ہے اور فریقین سے جتنے لوگ قتل ہو چکے ہیں اسے ان کا بہت زیادہ حزن وملال ہے۔ حضرت خالدؓ ایلچی کی تمام گفتگوں غور سے سن رہے تھے اور غور وفکر کرنے کے بعد فرمایا اگر وردان کے دل میں مکر وفریب ہے تو تمھیں یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ جتنا مکر وفریب ہم میں ہے، شاید اس فن میں ہمارے برابر کوئی دوسرا نہ ہو۔ وہ ایسی باتیں کرکے خود کو موت کے منہ میں لے جانا چاہتا ہے۔ ہاں۔۔۔! اگر اس کا یہ قول حق اور صداقت پر مبنی ہے تو میں تمہارے اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کے بغیر کسی اور بات پر صلح نہیں کر سکتا۔

داؤد نے کہا کہ صلح تمہاری خواہش ہی کے مطابق ہوگی لیکن جس وقت آپ ملنے جارہے ہو تو دونوں فریق تنہائی میں ملاقات کریں گے۔ داؤد آداب بجالا کر چل پڑا۔ ابھی خیمے کے دروازے پر تھا کہ دوبارہ واپس پلٹا گویا خالد کا رعب اس کے دل پر چھا گیا تھا۔ داؤد بول پڑا، اے عربی بھائی! میں تجھے دھوکا دینے آیا تھا اس نے وردان کی سازش پوری کی پوری بیان کردی اور یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے وردان کے دس آدمی لشکر کے دائیں طرف ریت کے ٹیلے کے قریب ہوں گے اور یہ بھی بتایا کہ اس کے بدلے میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کیلئے آپ سے امان چاہتا ہوں۔ داؤد نے واپس جاکر وردان کو خبردار کیا کہ خالد مقررہ وقت پر آئیں گے۔

حضرت خالدؓ نے یہ تمام ماجرہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو بتایا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے فرمایا ابوسلیمان پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان شاء اللہ تن تنہا جاؤں گا اور اکیلے اس کیلئے کافی ہوں گا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا مجھے یقین ہے کہ تم ان سب کو کافی ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں حکم نہیں دیا کہ جان بوجھ کر معرض ہلاکت میں پڑ جاؤ، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ : ''جتنی قوت اور گھوڑے ان کے مقابلے کے واسطے مہیا کر سکتے ہو کرو، تا کہ اس سے اللہ کے اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے۔''

دشمن نے تمہارے مقابلے کیلئے دس آدمی تیار کئے ہیں۔ اس طریقے سے وہ خود گیارہواں شخص ہے۔ آپ ان کے مقابلے میں زخمی یا خدانخواستہ قتل بھی ہو سکتے ہیں۔ مجھے اس لعین سے تمہارے متعلق اس وقت تک اطمینان نہیں ہوسکتا جب تک ہم بھی اس کی طرح دس آدمی متعین کر کے ان کی کمین گاہ کے قریب نہ چھپا دیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے تفصیلی حکمت عملی بتاتے ہوئے فرمایا کہ اپنے دس منتخب سپاہیوں کو حکم دیں کہ دشمن کی کمین گاہ کے قریب چھپ جائیں۔ جس وقت وہ لعین اپنے آدمیوں کو آواز دے تو ہمارے دس آدمی ان پر حملہ کر دیں گے اور ان شاء اللہ ان کیلئے کافی ہوں گے۔ ادھر ہم اپنے گھوڑوں پر تیار رہیں گے جس وقت تم خدا کے دشمن سے فارغ ہو جاؤ گے تو ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ ان کی فوج پر حملہ کریں گے۔ ہمیں باری تعالیٰ کی ذات سے پوری امید ہے کہ وہ ہماری مدد کریں گے۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا بہت خوب تجویز ہے۔ میں امین الامت کے خلاف کبھی نہیں کرسکتا۔ اسکے بعد آپ نے دس مجاہدین منتخب کئے اور حضرت ضرار بن الازورؓ کو ان پر کماندار مقرر کیا اور انہیں بتایا کہ کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے۔ دوسری طرف وردان نے اپنے دس آدمی رات کو ہی متعین کر دیئے تھے۔ خالدؓ نے اپنا دستہ رات کے آخری پہر میں بھیجا۔ آپؓ نماز فجر پڑھ کے مقررہ جگہ پر پہنچ گئے۔ وردان بھی شاہانہ لباس زیب تن کئے ہوئے اور سر پر تاج پہنے ہوئے اس جگہ پر پہنچ گیا۔ جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو وردان بول پڑا، اے عرب کے بدّو اور بھوکے! لڑائی سے باز آؤ اور اگر تمہیں مال چاہیے تو ہم تمہیں بطور صدقہ و خیرات کچھ عنایت فرمائیں گے۔

خالد بن ولیدؓ نے فرمایا نصرانیت کے کتے! تمہارا مال و دولت تو ہم ویسے ہی لے لیں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حلال کیا ہے۔ میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں اسلام قبول کرلیں یا جزیہ

دے دیں۔ وردان نے جھپٹ کر خالد کو اپنے بازوں میں جکڑ لیا اور اپنے آدمیوں کو للکار کر آواز دی، جلدی آؤ۔ خالد نے دیکھا کہ دس نوجوان، رومی فوجی لباس میں ملبوس انکی طرف دوڑ رہے ہیں، خالدؓ کو اپنا آخری وقت نظر آنے لگا۔ خالدؓ کو خیال آیا کہ ضرار اور انکے ساتھی یا تو بروقت نہ پہنچ سکے یا انکے ہاتھوں مارے گئے۔ جب قریب آئے تو ایک سپاہی نے اپنی زرہ اور قمیص اتار کر پھینک دی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ اصل میں ضرارؓ اور انکے ساتھی تھے انہوں نے گھات میں بیٹھے ہوئے رومی نوجوانوں کو بڑے اطمینان کے ساتھ قتل کیا تھا اور انکی وردیاں پہنی تھیں تا کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ یہ دیکھ کر وردان کے بازوں سست پڑ گئے اور حضرت خالدؓ سے کہنے لگا۔ میں تمھیں تمہارے معبود کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ مجھے تم خود ہی قتل کرنا، اس شیطان سے چونکہ مجھے سخت نفرت ہے لہٰذا اسکے ہاتھوں سے قتل نہ کروانا۔

وردان دہشت زدہ ہو کر امان امان پکارنے لگا کہ حضرت ضرارؓ نے بغیر کسی سوچ اور انتظار کے وردان کا سر قلم کیا۔ وردان کا سر حضرت خالدؓ کی تلوار کے نوک پہ تھا اور میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو اس حالت میں دیکھ کر اپنے لشکر کو مخاطب کر کے آواز دی۔ اے دین اسلام کے پیروکاروں! حملہ کرو۔ یہ کہہ کر آپ نے حملہ کر دیا اور آپؓ کے حملے ہی کے ساتھ تمام لشکر نے ہلہ بول دیا۔ رومیوں کا سالار اعلیٰ قتل ہونے کے باوجود وہ جم کر مقابلہ کر رہے تھے۔ انکے سالار بھی اب مسلمانوں کے سالاروں کی طرح لڑ رہے تھے کیونکہ وہ اپنے سالار اعلیٰ وردان سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا چاہتے تھے کہ مرتے دم تک لڑیں گے لیکن پسپا نہیں ہوں گے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جنگ کی شدت اور خونریزی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ دونوں جانب جانی نقصان ہو رہا تھا لیکن رومیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کے لوگ زیادہ مر رہے تھے۔ یزید بن ابو سفیانؓ کے چار ہزار کا دستہ جو خواتین اور بچوں کی حفاظت پر مامور تھا انہوں نے بھی دشمن کے قلب پر حملہ کر دیا۔

طبری کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی لڑائی کا حال دیکھ کر رومی سالار قبقلار پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے رومیوں سے کہا کہ تم میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو کیونکہ آج کا دن بڑا منحوس دن ہے، میں نے اپنی پوری زندگی میں آج جیسا سخت دن نہیں دیکھا۔ میں اس کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے اس کا سر قلم کیا تو وہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ رومیوں کا مرکزی پرچم گر پڑا اور مجاہدین نے نعرہ لگایا "خدا کی قسم ہم نے رومیوں کے دونوں سپہ سالاروں کو قتل کر دیا ہے۔" رومی جن کے حکم

سے لڑ رہے تھے وہ دونوں قتل کئے جا چکے تھے۔ لہٰذا رومی اپنی جان بچانے کے چکر میں بھاگنے لگے۔ جن میں سے بعض قیساریہ (فلسطین) بھاگے اور بعض نے دمشق کا رخ کیا۔ مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ آج تک اس سے پہلے کبھی کسی دوسری لڑائی میں نہیں آیا تھا۔ سونے چاندی کی صلیبیں اور زنجیریں بے حد و بے حساب ہاتھ آئیں۔

واقدی کہتے ہیں کہ اجنادین کی فتح کا واقعہ ہفتہ کے روز ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ (۳۰ جولائی ۶۳۴ء) کو ظہور میں آیا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کے چار سو پچھتر آدمی شہید ہوئے جبکہ اسکے برعکس رومیوں کے مقتولین کی تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ جنگ سے فارغ ہو کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو خط لکھا، جس میں جنگ کی پوری تفصیل لکھی تھی۔ خالد کا یہ خط پہلے مسجد نبوی میں پڑھ کر سنایا گیا۔ پھر مدینہ کی گلیوں میں لوگوں کو اکٹھا کر کے سنایا گیا۔ مدینہ فتح اور مسرت کے نعروں سے گونجنے لگا۔ خط میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اب انکا اگلا ہدف دمشق ہوگا۔

جب مدینہ اور گردونواح کے لوگوں کو یہ خبر ملی کہ اسلامی لشکر رومیوں پر ایک اور فتح حاصل کر کے دمشق کی طرف بڑھ رہے ہیں تو ہزاروں مسلمان اسلامی لشکر کا حصہ بننے کیلئے جہاد میں نکلنے کیلئے تیار ہو گئے۔ ان میں ابوسفیان، انکی بیوی ہند اور عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ جیسے لوگ بھی روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

اجنادین میں چند دن گزارنے کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی طرف کوچ کرنے لگا۔ قیصر روم ہرقل نے اسلامی لشکر کا راستہ روکنے کے لئے یرموک کے قریب واقوصہ کے مقام پر اپنا ایک لشکر بھیجا تھا۔ اس لشکر کو یہ احکامات ملے تھے کہ وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ دنوں تک روکے رکھے۔ وجہ یہ تھی کہ قیصر روم مختلف جگہوں سے اپنے فوجی دستے دمشق بھیج رہا تھا تا کہ دمشق کو ناقابل تسخیر بنایا جائے۔ ہرقل اس کوشش میں تھا کہ اس کے تمام دستے مسلمانوں سے پہلے دمشق پہنچ جائیں۔

واقوصہ کے مقام پر جب رومی مسلمانوں سے مدمقابل ہوئے تو وہ دِفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ اُن کا انداز لڑائی کو طول دینے والا تھا لیکن اِسلامی لشکر نے ہر پہلو سے حملے کر کے اُن کو

بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ رُومی بے شمار لاشیں چھوڑ کر میدانِ جنگ سے بھاگ گئے۔

اِسلامی لشکر وہاں اتنا ہی رُکا کہ اپنے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر دفن کیا اور چل پڑے۔ یہ واقعہ اگست 634ء (جمادی الآخر ۱۳ھ) کو پیش آیا۔

☆☆☆

اسلامی لشکر یہاں سے نکل کر ایک بستی مَرج الصّفر کے قریب پہنچا۔ یہاں پر جاسوسوں کے ذریعے علم ہُوا کہ دمشق سے کچھ فاصلے پر رُومیوں کی بارہ ہزار فوج اکٹھی ہوگئی ہے۔ ان دستوں کا مقصد اسلامی لشکر کو دمشق جانے سے روکنا تھا۔ رومی لشکر کے دو سالار تھے۔۔۔ ایک عزازیر اور دوسرا کُلوس۔۔۔

یہاں پر اسلامی لشکر اور رُومیوں کے مابین ایک خونریز جنگ ہوئی اور رُومیوں کے دونوں سالار عزازیر اور کلوس زندہ پکڑے گئے۔ رومیوں کی کثیر تعداد ہلاک ہوگئی اور باقی لشکر دمشق کی طرف بھاگ گیا۔

دمشق شہر جنّتِ شام کے نام سے مشہور تھا۔ دمشق کا سالار قیصرِ روم ہرقل کا داماد توما (Thomas) تھا۔ توما ایک جنگجو، بہادر اور پکا مذہبی آدمی تھا اور اپنے مذہب عیسائیت کے فروغ اور تحفظ کے لیے ہر وقت سرگرم رہتا تھا۔

واقدی اور بعض دوسرے مؤرخین کے مطابق اسلامی لشکر نے دمشق کا محاصرہ دو بار کیا تھا۔ پہلی بار فتح بصرہ کے بعد اور اجنادین سے پہلے۔ ان کے مطابق مسلمانوں نے چند دِنوں کے لیے دمشق کو محاصرے میں لے لیا لیکن جب اسلامی لشکر کو رومی لشکر کی اجنادین کی طرف پیش قدمی کا پتہ چلا، تو محاصرہ کو ختم کیا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے اجنادین کا رُخ کیا۔ پہلا محاصرہ بغیر کسی نتیجہ کے ختم کر لیا تھا۔ (واللہ اعلم)

20 اگست 634ء (۲۰ جمادی الثانی ۱۳ ھجری) کو اسلامی لشکر نے دمشق پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ دمشق کے اندر رُومی فوج کی تعداد سولہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اسلامی لشکر میں بیس ہزار مجاہدین تھے۔ باقی فوج مختلف مقامات پر رومیوں کی کمک روکنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ دمشق ایک بڑا شہر تھا اور اس کے چھ دروازے تھے ہر دروازے کا اپنا نام تھا۔

بابِ توما، بابِ شرقی، بابِ جابیہ، بابِ فرادیس، بابِ کیسان اور بابِ صغیر

خالد بن ولیدؓ نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے مشورے کے مطابق ہر دروازے پر تقریباً تین ،تین ہزار نفوس پر مشتمل دستہ مقرر فرمایا اور ہر دروازے کے لیے ایک ایک سالار کو مقرر کیا۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ بابِ جابیہ پر امیر مقرر ہوئے اور اپنے لیے طائفی چرم کا ایک خیمہ (نہایت پُرانا اور معمولی خیمہ) نصب کر دیا۔ واقدی میں تحریر ہے کہ ابومحمد عبداللہ بن حجاز انصاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا حضرت رفاعہ بن عاصمؓ سے، جو دمشق کے محاصرہ میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی فوج میں شامل تھے، پوچھا کہ اُس وقت امین الامت ابوعبیدہؓ کیوں اتنے سادہ اور معمولی خیمے میں ٹھہرے تھے؟ حالانکہ اُن کے پاس اجنادین اور بصرہ سے حاصل شدہ مالِ غنیمت میں بے شمار قیمتی خیمے موجود تھے اور وہ ویسے ہی ویسے رہے؟ حضرت رفاعہ بن عاصمؓ نے فرمایا، بیٹا! یہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی کسرنفسی، عاجزی اور خاکساری تھی تاکہ وہ دُنیا کی زینت اور اس کی محبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ وہ دُنیا کی محبت سے مکمل طور پر غافل اور آخرت کی طرف راغب بندے تھے اور اپنے رب کی خوشنودی، طلب آخرت اور دین اسلام کی نصرت کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ دن کو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے اور رات کو عبادت کرتے۔

بابِ توما پر حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کو امیر مقرر کیا گیا۔ حضرت رافع بن عمیرہؓ کو باب شرقی پر، یزید بن ابوسفیانؓ کو بابِ صغیر پر، قیس بن ہبیرہؓ کو بابِ کیسان پر جبکہ عمرو بن العاصؓ کو باب فرادیس پر سالار مقرر کیا گیا۔

حضرت ضرار بن الازورؓ کو دو ہزار سواروں کا محرک دستہ دے کر اُن پر امیر مقرر فرمایا۔ اس دستے کا کام قلعے کے اِرد گرد چکر لگانا تھا تاکہ ہر دروازے کے لشکر کے بارے میں معلوم کر سکے اور اگر کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو، تو بروقت مدد کر سکیں۔

دمشق کے تمام دروازوں کے محاصرے کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے حکم دیا کہ رومی قیدی سالار عزازیر اور کلوس کو پیش کیا جائے۔ اُنہیں قلعے کی فصیل کے قریب لے جایا گیا تاکہ رومی قلعے سے اُنہیں دیکھ سکیں۔

خالدؓ نے بلند آواز سے کہا ''کیا تم دونوں اسلام قبول کرتے ہو؟''

دونوں نے اکٹھے جواب دیا: نہیں۔

خالدؓ نے ضرارؓ کو اشارہ کر کے ان دونوں کا سرتن سے جُدا کرا دیا۔ واقدی لکھتے ہیں کہ حضرت ضرارؓ نے عزازیر کو قتل کیا تھا جبکہ رافع بن عمیرہؓ نے کلوس کا سرتن سے جدا کیا تھا۔ رومیوں نے یہ دیکھ کر دیواروں سے تیروں کے بوچھاڑ برسائے۔

☆☆☆

دمشق کا محاصرہ رُومیوں کی تاریخ کا سب سے بڑا احادثہ اور المیہ تھا۔ کیونکہ دمشق روم کا سب سے بڑا تجارتی شہر تھا۔ قیصرِ روم کو تو یہ یقین نہیں ہو رہا تھا کہ بھوکے ننگے مسلمان ایک دن دمشق پر قبضہ کرنے آئیں گے۔ شہنشاہِ ہرقل حمص سے انطاکیہ پہنچ گیا اور وہاں اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ مگر اب انطاکیہ کی فضا ہنسی اور مسکراہٹوں سے محروم ہو گئی تھی۔ اُسے اپنے قاصدوں کے ذریعے روز بروز جو جنگی خبریں ملتی تھیں، اُن سے اُس کی ذہنی اور جذباتی حالت پاگلوں والی ہو گئی تھی۔

مَرج الصُفر میں رومی فوج کی شکست کی خبر سُن کر وہ بے قابو ہو گیا تھا۔ اُس نے انطاکیہ میں لوگوں کو فوج میں بھرتی کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔ گرجوں میں پادری اور راہب صرف اس موضوع پر وعظ و نصیحت کرتے تھے کہ اگر زیادہ سے زیادہ لوگ فوج میں بھرتی نہ ہوئے تو عیسائیت کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہم سب سے زبردستی ہمارا مذہب تبدیل کرایا جائے گا اور مسلمان ہماری بیویوں اور بیٹیوں کو کنیز بنا لیں گے۔ ہرقل نے انطاکیہ میں ایک بہت بڑی فوج تیار کر کے دمشق کی طرف روانگی کا حکم دے دیا۔

اِدھر محاصرے کے کئی دن گزر گئے۔ ہر روز کسی نہ کسی دروازے پر رومی دستے باہر آتے اور مسلمانوں پر حملہ کرتے لیکن رومی دفاعی جنگ لڑتے تھے اور مختصر سی جھڑپ کے بعد قلعے میں واپس چلے جاتے۔

ایک روز خالد بن ولیدؓ بابِ شرقی پر رومیوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف تھے کہ مسلمانوں کا ایک جاسوس اُن کے پاس آیا۔ اُس کا گھوڑا پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ وہ سہما ہوا اور ہیبت زدہ تھا۔ خالدؓ نے سوار سے پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ جاسوس بولا ''رومیوں کی ایک بڑی فوج حمص سے آگے آ رہی ہے تعداد دس ہزار سے زیادہ ہی ہوگی۔ آگے ہمارا ایک دستہ موجود ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارا چھوٹا سا دستہ اُن کے مقابلے میں قتل ہو سکتا ہے لہٰذا آپ جلد از جلد کمک بھیجیں۔

یہ خبر سن کر خالد بن ولیدؓ فوراً باب شرقی سے باب جابیہ پہنچے اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو اطلاع دی اور کہا یا امین الامت! میرا ارادہ ہے کہ میں تمام لشکر کے ساتھ آگے بڑھ کر رومی فوج کے مقابلے کے لیے جاؤں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے فرمایا: میری رائے یہ نہیں ہے کہ ہم آگے بڑھ کر حملہ کریں کیونکہ اہلِ دمشق خالی جگہ دیکھ کر یہاں اپنا قبضہ جما لیں گے اور اپنے لیے خورد و نوش اور ہتھیار وغیرہ جمع کر لیں گے۔ مزید یہ کہ رومی فوج اندر بھی جا سکتی ہے جس سے ان کا دفاع اور بھی مضبوط ہو جائیگا۔ خالد بن ولیدؓ نے ابوعبیدہؓ کا مشورہ تسلیم کرتے ہوئے فرمایا تو پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ بہتر صورت یہ ہے کہ ہم اپنے لشکر میں فنونِ حرب کا ماہر اور بہادر شخص منتخب کر کے اُس کی سالاری میں ایک دستہ آگے بھیجیں اور بقیہ لشکر محاصرے کو جاری رکھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ بول پڑے: امین الامت کے مشورے سے بہتر مشورہ اور کیا ہو سکتا ہے اور فرمایا کہ ہماری لشکر میں ایک ایسا شخص موجود ہے، جو موت سے نڈر، فن حرب کا ماہر اور بہادروں کا بہادر ہے اور جس کے باپ اور چچا بھی جہاد میں شہید ہو چکے ہیں۔ ابوعبیدہؓ نے دریافت کیا وہ شخص کون ہے؟

خالد بن ولیدؓ بول پڑے۔۔۔ ضرار بن ازور۔۔۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا واللہ! تم نے ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو واقعی ہمہ صفت موصوف ہے۔

خالد بن ولیدؓ نے فوراً حضرت ضرار بن الازورؓ کو طلب فرمایا اور اُنہیں سارا ماجرا سنایا اور فرمایا ابن الازور! میرا ارادہ ہے کہ میں تم کو پانچ سو ایسے جانباز دے کر دشمن کے مقابلہ کے لیے روانہ کروں۔ جنہوں نے اپنی جانیں جنت کے عوض اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دی ہیں۔ اگر تم اپنے آپ میں مقابلے کی طاقت اور لڑائی کی ہمت دیکھو، تو مقابلہ کرنا ورنہ اطلاع دینا، میں تمہیں مزید کمک بھیجوں گا۔ لیکن ہاں! احتیاط کرنا، جوش میں آکر اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ حضرت ضرارؓ نے کہا ابن ولیدؓ! آپ نے آج میرے دل کی بات کہہ دی ہے اور ساتھ ہی منتخب دستہ لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت ضرارؓ اپنا لشکر لے کر بیت لہیا (یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آذر بت تراشا کرتا تھا) پہنچے۔ اسلامی لشکر رومیوں کا کثیر لشکر دیکھ کر حضرت ضرارؓ سے کہنے لگا کہ

بہتر ہے یا تو واپس لوٹ چلیں یا مزید کمک کے لیے دمشق کی طرف قاصد روانہ کیا جائے۔

حضرت ضرارؓ اور نائب سالار رافع بن عمیرہؓ نے دونوں تجاویز ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان تعداد کے بل بوتے پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کی اُمید پر لڑتے ہیں۔

رومیوں کے لشکر کے پاس بکثرت جنگی سازوسامان اور اشیائے خوردونوش تھا جو محصور اہل دمشق کی امداد کی غرض سے انطاکیہ سے روانہ ہوا تھا۔

ضرارؓ اور رافع بن عمیرہؓ نے پر جوش تقریر کر کے مجاہدین کے دلوں میں شوقِ شہادت کو بیدار کیا اور رُومیوں پر حملے کا حکم دے دیا۔ پہلے تو ضرارؓ منظم طریقے سے رومیوں پر حملے کرتے رہے لیکن جب دیکھا کہ رومی پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں، تو ضرارؓ جوش میں آ کر نیم برہنہ ہو کر دشمن کے قلب میں جا گھسے اور کئی سالاروں کو جہنم واصل کیا۔

رومیوں نے ضرارؓ کو اکیلے اپنے لشکر کے قلب میں پا کر نعرہ لگایا کہ یہ ہے برہنہ جنگجو اور سالار، انہیں زندہ پکڑو۔ ضرارؓ کو کئی گہرے زخم بھی آئے بالآخر رومیوں نے حضرت ضرارؓ کو زندہ پکڑ کر باندھ لیا۔

رومی ضرارؓ کو زندہ پکڑ کر اپنے شہنشاہ ہرقل کے پاس بطورِ تحفہ بھیجنا چاہتے تھے تا کہ ہرقل سے بڑا اِنعام و اکرام وصول کر سکیں۔

ضرارؓ کی گرفتاری کی خبر سن کر رافع بن عمیرہؓ نے فوراً کمان سنبھالی اور رُومیوں پر شدید حملے کا حکم دے دیا۔ رافعؓ ضرارؓ کو رہا کرانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن رومیوں کی صفیں ایک مضبوط دیوار بن چکی تھیں۔

خالد بن ولیدؓ کو جب حضرت ضرارؓ کی گرفتاری اور مسلمانوں کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپؓ کو بے حد صدمہ ہوا۔ اور مخبر سے پوچھا کہ رومی کتنے ہیں؟ مخبر نے جواب دیا۔ بارہ ہزار سوار۔ آپؓ نے فرمایا، واللہ! مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ دُشمن کی تعداد اس قدر زیادہ ہے۔

اس کے بعد خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس ایک شخص کو بھیج کر مشورہ طلب کیا۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے مشورہ دیا کہ تم خود اپنے ساتھ کچھ دستے لے کر اُن کی مدد کے لیے پہنچو۔ مجھے تم پر پورا یقین ہے کہ تم رومیوں کو شکست دے سکتے ہو اور اگر ضرارؓ زندہ ہوا تو اُنہیں چھڑا سکتے ہو۔

حضرت خالد بن ولید ؓ نے یہ سن کر فرمایا، واللہ! آپ نے سچ فرمایا، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خدا کے راستے میں اپنی جان دینے سے بخل کرتے ہیں۔

خالد بن ولید ؓ نے اپنے دستوں کو فوراً روانگی کا حکم دیتے ہوئے بیت لھیا پہنچ گئے جہاں رافع بن عمیرہ ؓ رومیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ ابھی خالد بن ولید ؓ نے حملے کا حکم نہیں دیا تھا کہ ایک گھڑ سوار مسلمانوں کی صفوں سے نکل کر رومیوں پر ٹوٹ پڑا۔ گھڑ سوار کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دُوسرے ہاتھ میں برچھی تھی۔ سر پر سبز رنگ کا عمامہ پہنا ہوا تھا اور اپنے چہرے کو چھپایا ہوا تھا جس کی وجہ سے اُس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اُس گھڑ سوار نے نہ صرف مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا بلکہ رومیوں کے لیے بھی ایک قہر ثابت ہوا تھا۔ جو رومی بھی اُس کے سامنے آتا، وہ اُس کی برچھی یا تلوار کا شکار ہو جاتا تھا۔ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں برچھی ہونے کے باوجود اُس نے گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک رومی کو گرا کر دُور چلا جاتا اور اگر رُومی اُس کے تعاقب میں جاتا، یہ سوار گھوڑے کو یکلخت گھما کر اپنے تعاقب میں آنے والے کو ختم کر دیتا۔

رافع بن عمیرہ ؓ اور اُن کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ یہ خالد بن ولید ؓ ہیں۔ جب رافع ؓ نے خالد ؓ کو اپنے لشکر کے ساتھ پایا تو بول پڑے، اے سالار! یہ گھوڑ سوار جو اپنی جان کو خدا کے راستے میں بے خوف وخطر پیش کر رہا ہے اور خدا کے دُشمنوں کو بے دریغ قتل کر رہا ہے، کون ہے؟

حضرت خالد ؓ بول پڑے، خدا کی قسم! میں خود اس سے ناواقف ہوں اور اس کی شجاعت اور دلیری سے متحیر اور متعجب ہوں۔

مؤرخین کی تحریروں کے مطابق وہ ایک بار خالد ؓ کے سامنے سے گزرا، تو خالد ؓ بن ولید نے چلا کر اُسے رُکنے کو کہا لیکن وہ نہ رُکا اور رُومیوں کے لشکر میں جا گھسا۔

رافع ؓ نے خالد ؓ بن ولید کو چلا کر کہا، ابن ولید! آپ حملے کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ خدا کی قسم! یہ جنگ اکیلے اس سوار کی نہیں ہے۔

مجاہدین اُس سوار کی حیرت ناک شجاعت کو دیکھ کر جوش سے پھٹ رہے تھے اور وہ بھی حملے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ خالد ؓ نے حملے کا حکم دیا۔ مجاہدین اپنے سالار کی ہدایات کے مطابق لڑ رہے تھے لیکن وہ سوار اپنے لشکر سے الگ تھلگ اپنی طرز کی لڑائی لڑ رہا تھا۔ اس سوار کے جنگ کا انداز ہی

کچھ اور تھا۔ خالدؓ نے اُس سوار کے پاس جا کر کہا : رُک جا، اے جان پر کھیلنے والے! کون ہے تو؟ سوار نے گھوڑے کو ذرا سا روکا اور اس سے پہلے کہ کچھ بتاتا، دوبارہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ خالدؓ کے محافظوں نے فوراً گھوڑے کو گھیرے میں لے لیا اور خالدؓ کے سامنے پیش کیا۔ اُس نے اپنی تلوار اور برچھی سے اتنے زیادہ رومیوں کو ہلاک کیا تھا کہ دونوں ہتھیار پورے کے پورے خون سے لال ہو گئے تھے اور ان سے خون بہہ کر اُس سوار کے ہاتھوں تک چلا گیا تھا۔ خون کے چھینٹوں کی وجہ سے کپڑے بھی لال ہو گئے تھے۔

خالدؓ بن ولید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا تو سوار نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

خالدؓ بن ولید نے کہا تیری شجاعت کی وجہ سے میرا دل بے چین ہے آخر تو ہے کون؟

آخر خالد بن ولیدؓ کے بے حد اِصرار پر وہ سوار نسوانی زبان میں بول پڑا۔ اے امیر! "میں آپ سے کسی نافرمانی کے باعث اِعراض نہیں برت رہی ہوں بلکہ مجھے آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے شرم مانع ہے۔ آپ میرے لیے غیر محرم ہیں، تو جسے بہادری اور شجاعت سمجھ رہا ہے، یہ کام دراصل میرے دردِ دِل نے مجھ سے کرایا ہے اور میرا رنج ہی مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے"۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے پھر پوچھا، آخر تم ہو کون؟

سوار نے جواب دیا "میں ضرارؓ کی بہن خولہ بنت ازورؓ ہوں"۔

خالدؓ بن ولید رو پڑے اور کہا "خوش نصیب ہے ازورؓ، جس کے گھر میں ضرارؓ جیسے بیٹے اور خولہؓ جیسی بیٹی نے جنم لیا۔ ہم آپ کے بھائی کو ان شاء اللہ! ضرور چھڑائیں گے"۔

خالدؓ بن ولید کے ساتھ چونکہ چار ہزار سوار آئے تھے جس کی وجہ سے اُن کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی اُنہوں نے رومیوں پر حملہ کر کے ان پر قیامت برپا کر دی۔ مسلمانوں کے ہر فرد میں غیض و غضب پایا جاتا تھا۔ بہت سارے رومی کٹ کٹ کر مر رہے تھے لیکن اپنی اکثریت اور سالار کی وجہ سے پسپا ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ حضرت خولہؓ رومی فوج کے قلب میں گھس کر دائیں بائیں اپنے گھوڑے کو دوڑاتی تھیں۔ اُن کی آنکھیں بھائی کو تلاش کرتی جاتی تھیں اور زور زور سے چلا کر یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں:

"ضرارؓ کہاں ہیں میں آج انہیں نہیں دیکھتی اور نہ میرے اقرباء اور میری قوم دیکھتی ہے۔

اے میرے اکلوتے اور ماں جائے بھائی! میرے عیش کو تم نے مکدر کر دیا ہے اور میری نیند کو کھو دیا ہے''

۔

کہتے ہیں کہ ان کے یہ اشعار سن کر تمام مسلمان رونے لگے۔ لڑائی برابر ہوتی رہی اور باوجود تلاش کے حضرت ضرارؓ کا کہیں سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اب آفتاب ڈھل چکا تھا اور لڑائی ختم ہونے کو تھی، اتفاق سے چند رومی سوار خالدؓ کے پاس اپنی جان کی امان لینے آئے اور اُن سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ضرارؓ کو سو سواروں کی نگرانی میں انطاکیہ روانہ کر دیا گیا ہے۔

یہ سن کر خالدؓ بن ولید نے فوراً رافع بن عمیرہؓ کو بلایا اور اُنہیں ضرارؓ کے زندہ ہونے کے بارے میں اطلاع دی اور کہا کہ مختصر راستے سے حمص کا راستہ روک لیں۔ رافعؓ اپنے ساتھ چنے ہوئے سو شہسوار لے گئے حضرت خولہؓ کے اصرار پر وہ بھی اُس دستے کا حصہ بن گئی۔

رافع بن عمیرہؓ نے اپنے لشکر کے ساتھ فوراً روانہ ہو کر حمص کا راستہ روک لیا۔ رافعؓ نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کسی فوج یا دستے کے گزرنے کی کوئی علامت یا گھوڑوں کے سموں کا کوئی نشان نہ پایا۔ رافعؓ سمجھا کہ ابھی دشمن کا دستہ وہاں سے نہیں گزرا ہے اور وہاں پر ایک کمین گاہ میں دشمن کی گھات میں چھپے رہے ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ ایک سو رومی ضرارؓ کو گھوڑے پر بٹھائے لے جا رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں کو رسیوں سے باندھا گیا تھا۔

واقدی میں تحریر ہے کہ حمید بن سالم کہتے ہیں کہ میں بھی اُس وقت رافع کے اُن سو شہسواروں میں تھا۔ جس وقت ہم نے رومیوں کو دیکھا تو نعرۂ تکبیر بلند کر کے رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہمارے ایک ایک سوار نے رومیوں کے ایک ایک سوار کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور یوں آناً فاناً سارے رومی قتل کر دیئے گئے۔ حضرت خولہؓ نے فوراً اپنے بھائی کو رسیوں سے آزاد کیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب بہن بھائی ملے تو وہ منظر رقت آمیز بھی تھا اور ولولہ انگیز بھی۔ خولہؓ بول پڑی اے میرے بھائی! میرے دل کی تپش کو دیکھ، کس طرح تیرے فراق میں جل رہا ہے۔ اپنے زخم دکھاؤ اے میرے بھائی۔ ضرارؓ بول پڑا ''اے میری بہن! میرے زخم مت دیکھو اور مجھے بھی نہ دکھاؤ کیونکہ ابھی ان کے دیکھنے کا وقت نہیں ہے''۔

اِدھر ضرارؓ رہا ہو گئے اور دوسری طرف حضرت خالدؓ بن ولید نے رومیوں کو شکست دے کر

انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور اسلامی لشکر کے دونوں مقاصد پورے ہو گئے۔ ایک مقصد حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی رہائی کا اور دوسرا مقصد اہل دمشق کو کمک اور رسد سے محروم کرنا۔ لیکن اصل مقصد دمشق کا فتح کرنا ہی تھا جو ابھی فتح نہیں ہوا تھا اور وہاں پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں لڑائی شروع تھی۔

اہل دمشق کو جب اپنی کمک کی شکست اور پسپائی کی خبر ہوئی تو پورے شہر کے اندر خوف اور مایوسی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ شہر والے پہلے سے ہی کمک اور خوراک کی رسد کی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انہیں اطلاع ملی کہ کمک کو مسلمانوں نے راستے میں ختم کر دیا ہے، تو شہر والے رومی سالار توما کے پاس گئے اور عرض کیا اے ہمارے سردار! ہمارے شہر پر جو آفت اور بربادی نازل ہوئی ہے، آپ اس سے خوب واقف ہیں۔ اس مصیبت اور آفت کو رفع کرنے کی ہم میں مزید طاقت نہیں ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ ہم ان عربوں سے مصالحت کر لیں اور وہ جو کچھ مانگیں انہیں دے دیں۔'' توما یہ سن کر کھل کھلا کر ہنسا اور کہنے لگا ''تف ہے تم پر دشمن کو تم لوگوں نے ہی ہمت اور جرأت دِلوائی ہے۔ مجھے اپنے بادشاہ کے سر کی قسم! میں تو ان عرب کے بدوؤں کو لڑائی کے قابل اور اس کا اہل بھی نہیں سمجھتا اور نہ اس بات کے قابل جانتا ہوں کہ وہ میرے مقابلے میں ٹھہر بھی سکتے ہیں۔ تم لوگ اپنے شہر میں اطمینان سے رہو اور کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ میں ان سے اپنی قوم کا پورا پورا بدلہ لوں گا اور ان کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ آئندہ اس طرف کا رخ بھی نہیں کریں گے''۔

توما نے سردارانِ شہر کو اپنی کثرت، ہتھیار اور ساز و سامان کے بل بوتے پر جنگ کے لیے آمادہ کر کے رخصت کیا اور انہیں کہا کہ تم لوگ بالکل خوف نہ کرو، میں کل تمہارے ساتھ خود ان سے لڑائی کے لیے نکلوں گا اور ان کے سرداروں کو چن چن کر قتل کروں گا اور انہیں مار کر بھگاؤں گا۔

رات گزر گئی۔ صبح نمودار ہونے پر اسلامی لشکر کے ہر امیر نے اپنی اپنی جماعت کو نماز پڑھائی، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح نے اپنی جماعت کو نماز پڑھا کر لڑائی پر جانے کا حکم دیا اور اُن سے فرمایا: ''تمہیں جہاد فی سبیل اللہ سے کسی بھی حالت میں دل نہیں توڑنا چاہیے جو شخص آج جتنی محنت اور مشقت کرے گا، کل (روزِ قیامت) وہ اُتنا ہی راحت اور آرام پائے گا۔ تیر چلانے میں زیادہ احتیاط سے کام لو۔ گھوڑوں پر ہرگز سوار نہ ہونا کیونکہ خدا کے دُشمن تم سے بلند جگہ پر ہیں جنہیں تیر چلانے کا اچھا موقع

میسر ہے۔ پیدل لڑنے سے تم اپنی جان کی حفاظت آسانی سے کر سکتے ہو اور تیروں کو اپنی ڈھال سے روک سکتے ہو۔ ایک دوسرے کو مدد دیتے رہنا اور دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانا''۔

صبح ہوتے ہی دمشق کے تمام دروازے کھل گئے اور ہر دروازے سے رومی مقابلہ کے لیے نکل آئے۔ بابِ توما پر سب سے زیادہ فوج توما کی سربراہی میں مقابلہ کے لیے نکل آئی۔ باقی دروازوں پر معمولی جھڑپ کے بعد رومی واپس قلعے میں بھاگ گئے اور قلعے کے دروازے بند کر لیے۔

اصل لڑائی بابِ توما پر ہو رہی تھی۔ اُس دروازے پر اسلامی سالار شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ مامور تھے۔ اُن کے پاس چار سے پانچ ہزار تک کی نفری تھی۔ توما نے قلعے کے دروازوں اور برجوں سے تیروں کی بوچھاڑ کی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر بھی برس رہے تھے۔ تیروں اور پتھروں کے سائے میں توما اپنے لشکر کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس کا یہ طریقۂ کار اتنا کارگر ثابت ہوا کہ مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ سے کئی مسلمان شہید ہو گئے۔

واقدی کہتے ہیں کہ ملعون توما اتنی بے جگری اور بہادری سے لڑ رہا تھا، گویا وہ اپنی قوم کی گزشتہ تمام شکستوں کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ شہداء میں سے ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بھی تھا، جن کو ایک زہر آلود تیر لگا۔ اُنہوں نے اگرچہ وہ تیر فوراً نکال لیا لیکن اُنہوں نے اُس کا زہر اپنے جسم میں محسوس کیا اور جام شہادت نوش فرمایا۔

ابان بن سعید کی شادی ابھی اجنادین کے مقام پر اُم ابان بنت عتبہ بن ربیعہ سے ہوئی تھی جن کے ہاتھ اور سر سے شب عروسی کی مہندی اور عطر کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا تھا۔

اپنے خاوند کی شہادت کی خبر سُن کر وہ فوراً شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے دستے میں جا پہنچی اور اپنے شوہر کی لاش ڈھونڈنے لگی۔ جب لاش مل گئی تو کمان اور ترکش اُٹھائی اور دوڑ کر قلعے کے دیواروں تک پہنچ گئی۔ سامنے دیوار پر رومیوں کا پادری صلیب اعظم پکڑے ہوئے کھڑا تھا۔ یہ اُس دور کا رواج تھا کہ صلیب فوج کے ساتھ رکھتے تھے تاکہ فوج کا یہ احساس زندہ رہے کہ وہ صلیب کی ناموس کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ اُم ابان نے کمان میں تیر ڈالا اور اُس پادری کی طرف چھوڑ دیا تیر سیدھا جا کر اُس پادری کی گردن میں اُتر گیا اور پادری صلیب اعظم سمیت قلعے کی دیوار سے باہر کی طرف آ گرا۔

ابان شہید کی بیوہ نے بلند آواز سے نعرہ لگایا میں نے اپنا انتقام لے لیا اور اپنے لشکر میں آ کر

مسلسل تیر برساتی رہیں۔ جونہی صلیب آ گرا، مسلمانوں نے اُسے اُٹھا کر شرحبیل بن حسنہ کے حوالے کر دیا۔

توما کو اپنے پادری اور صلیب اعظم کے چھین لینے کی خبر پہنچی تو وہ شرحبیل بن حسنہ کی طرف بڑھا اور قلعے کی دیواروں سے تیر اور پتھر برسانے کا حکم دیا۔ مسلمان دوبارہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

مؤرخ واقدی اور بلاذری کہتے ہیں کہ توما ایسا گرج رہا تھا جیسے کوئی اونٹ بدمستی کی حالت میں بڑی بلند اور غصیلی آوازیں نکالتا ہے۔ حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کی حالت اور مشرکوں کا غلبہ دیکھ کر بلند آواز سے اپنے دستے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

یا معاشر المسلمین! جنت کی طلب میں اپنی موت کو بھول جاؤ۔ اپنے خالق کو راضی کر لو اور یاد رکھو، وہ بھاگنے یا پیٹھ دکھانے سے راضی نہیں ہوتا۔ بڑھ کر حملہ کرو اور دشمن خدا کے لشکر میں گھس جاؤ۔ خداوند تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا۔

کاتب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پکار سن کر مجاہدین رومیوں کے لشکر میں گھس گئے اور زندگی اور موت کی جنگ لڑتے رہے۔ مجاہدین پر ایسا وقت آیا تھا کہ وہ پسپائی کا مطالبہ کر رہا تھا مگر اسلامی لشکر پسپائی کے نام سے ناواقف تھے اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتے تھے۔

توما گرج رہا تھا اور کئی مسلمانوں کو شہید کر چکا تھا۔ اُسے مسلمانوں کا مرکزی پرچم نظر آیا اور ساتھ ہی شرحبیل کو بھی دیکھا۔ توما نے بڑھ کر شرحبیل رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ شرحبیل رضی اللہ عنہ توما کا ہر وار روکتے۔ شرحبیل رضی اللہ عنہ بھی مانے ہوئے شہسوار اور جنگجو تھے یہ دونوں آپس میں زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جو سیدھا توما کی دائیں آنکھ میں اُتر گیا۔ تیر کھاتے ہی توما چلاتے ہوئے پیچھے چلا گیا۔

مؤرخین نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ یہ تیر ابان بن سعید شہید کی بیوہ اُم ابان نے چلایا تھا۔

اپنے سالار کے پسپا ہونے پر رومیوں کا حوصلہ ٹوٹ پڑا اور وہ قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور بے شمار رومی لاشیں گرائیں۔

ادھر مسلمانوں نے نعرہ بلند کیا کہ رومی سالار کو ایک عورت نے مارا ہے۔ رومی اب قلعہ بند ہو گئے تھے اور دروازوں اور برجوں سے مسلمانوں کی للکار سن رہے تھے مگر اب ان میں لڑائی کی ہمت نہیں تھی مسلمانوں کا بھی خاصا نقصان ہوا تھا۔ کچھ تو تیروں اور پتھروں سے شہید ہو گئے تھے اور کچھ توما

کے شدید حملے کے مقابلے میں۔ شرحبیلؓ اپنے جانی نقصان سے کافی پریشان نظر آرہے تھے۔

شرحبیل بن حسنہؓ اور ان کے دوسرے سالار اس غرض سے کہ رومی سالار شدید زخمی ہے اور جنگ کے قابل نہیں ہے، رات کو آرام کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ توما کی ایک آنکھ میں تیر لگا ہے اسی وجہ سے رومی ایک دو دن باہر آ کر حملہ نہیں کریں گے۔ اس کے برعکس شرحبیلؓ کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ توما نے ایک کرشمہ دِکھایا وہ صحیح معنوں میں ایک جنگجو تھا۔ چونکہ ایک تو وہ شاہی خاندان کا فرد تھا، اس لیے سلطنت روم کی محبت اُس کے دل میں جگہ بنا چکی تھی اور دوسری بات یہ کہ وہ ایک پکا مذہبی آدمی تھا اور اُس وقت رومی سالاروں میں سے توما سے زیادہ اور کوئی زاہد اور عابد نہیں تھا۔ اس لیے وہ اپنے مذہب کے نام پر لڑتا تھا۔

حکماء نے تیر نکالنے کی تدابیر سوچیں اور چاہا کہ اسے پکڑ کر کھینچ لیں مگر وہ کسی تدبیر سے نہ نکل سکا۔ توما شدت درد سے چیخ رہا تھا اور اس کے نکلنے کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ آخر کار توما نے حکیموں سے کہا ''تیر کو کاٹ دو اور باقی اندر ہی رہنے دو اور میری آنکھ پر پٹی باندھ دو''۔

توما کے اردگرد قوم کے سرداران بھی جمع ہو گئے تھے۔ سردارانِ قوم نے کہا کہ اگر سالارِ اعلیٰ بُرا نہ مانیں، تو ہمیں اُن سے صلح کر لینی چاہیے۔ ہم میں مزید ان سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ توما یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اے بدبختو! اتنا سوچو کہ ہم سے صلیب اعظم چھینی گئی اور تم اب بھی عرب کے ان غلاموں سے صلح کی بات کرنا چاہتے ہو۔ میں یقیناً ان سے اپنی صلیب واپس لوں گا اور اپنی اس آنکھ کے بدلے اُن کی ہزار آنکھیں پھوڑ کر رہوں گا تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اپنا انتقام لے لیا ہے۔ میں صرف انہیں شکست نہیں دوں گا بلکہ حجاز تک ان کا تعاقب کرتا رہوں گا اور ان کے خلیفہ ابوبکرؓ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

اس نے اپنے سالاروں کو بلوایا اور انہیں حکم دیا کہ ہم آج رات مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔ تم تین اور دروازوں، باب صغیر، باب جابیہ اور باب شرقی سے حملہ کرنا، مگر اپنے آپ کو لڑائی میں زیادہ نہ اُلجھائیں بلکہ انہیں اپنے ساتھ لڑائی میں مصروف رکھیں۔ اصل حملہ میں خود باب توما سے کروں گا۔ دوسرے دروازوں سے ان کے حملے کرانے کا مطلب یہ تھا کہ شرحبیل بن حسنہؓ کو کسی طرف سے مدد نہ مل سکے۔

توما اپنے ساتھ کثیر تعداد لے کر آدھی رات کو مقابلہ کے لیے نکل پڑا اور اُسی ایک وقت پر باقی تین دروازوں سے بھی حملہ کروایا۔ دوسری طرف بعض مسلمان یا تو آرام کر رہے تھے اور بعض عبادت میں مصروف تھے۔ مسلمانوں نے شوروغوغا سن کر سب کو جگا کر لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔

فتوح الشام میں واقدی لکھتے ہیں کہ تمیم بن عدی، جو اُس وقت امین الامت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ کے لشکر میں موجود تھے، کہتے ہیں کہ میں نے دمشق کی لڑائی میں حضرت ابوعبیدہ ؓ سے زیادہ اس معرکہ میں کوئی دوسرا سردار لڑتے نہیں دیکھا۔ جس وقت رومی ہم پر شب خون مار رہے تھے، میں اس وقت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ کے خیمے میں موجود تھا آپ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے چیخنے اور چلانے کی آواز سنی۔ آپ نے نماز کو مختصر کیا اور فرمایا۔۔۔ **لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم**۔۔۔ اور فوراً خیمے سے باہر نکل پڑے۔ اس کے بعد خود بھی مسلح ہوئے اور فوج کو بھی مرتب کیا اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ آپ سب سے آگے آگے رومیوں پر حملہ کرتے، کبھی دائیں سے تو کبھی بائیں سے حملہ کرتے اور کبھی قلب سے حملہ کرتے اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ترغیب بھی دیتے رہے۔

باب جابیہ پر رومیوں کا سالار جرجی بن قالا تھا۔ جو نہایت جنگجو تھا، مگر وہ ابوعبیدہ ؓ بن جراح کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور زندگی کی بازی ہار گیا۔ رومیوں کے قدم اُکھڑ گئے اور دروازوں کی طرف بھاگنے لگے لیکن مسلمانوں نے ابوعبیدہ ؓ کے حکم کے مطابق ان کا تعاقب جاری رکھا۔ دروازوں کے قریب پہنچتے ہی تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی لیکن مسلمان ان میں اتنے گھس گئے تھے کہ رومیوں کو خدشہ ہوا کہ اپنے آدمیوں پر تیر نہ برسائیں، اس احساس کی وجہ سے اُنھوں نے تیر برسانے موقوف کر دیئے۔ ابوعبیدہ ؓ نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حکم دیا کہ ایک بھی رومی سپاہی قلعے کے اندر نہ جانے دیں اور بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

واقدی کہتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کی مکمل تحقیق کی، تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت ابوعبیدہ ؓ کے مقابلے میں جس قدر رُومی آئے تھے، خواہ وہ بچہ تھا یا بڑا، سب کے سب قتل ہو گئے تھے اور ایک بھی رومی بچ کر قلعہ میں داخل نہیں ہوا تھا۔

باب شرقی پر خالد ؓ بن ولید نے رافع بن عمیرہ ؓ کی امداد کے لیے پہنچ کر رومیوں پر اتنا شدید حملہ کیا تھا کہ ان کے پیر اُکھڑ گئے اور قلعے کے اندر داخل ہو کر دروازے بند کر دیئے۔

باب صغیر پر یزید بن ابوسفیانؓ کے دستوں کی حالت کمزور ہوگئی تھی رومیوں نے ان پر بڑا شدید حملہ بولا تھا۔ یزید بن ابوسفیانؓ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن رومی ان پر حاوی نظر آرہے تھے۔ ضرار بن الازورؓ دو ہزار شہسواروں کے ساتھ اُن کی مدد کو پہنچے اور رومیوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔

اصل لڑائی بابِ توما پر شروع تھی، جہاں توما نے خود حملہ کیا تھا۔ شرحبیلؓ کی نفری ایک تو تھوڑی رہ گئی تھی کیونکہ باقی یا تو شہید ہو چکے تھے یا زخمی ہو کر جنگ کے قابل نہیں رہے تھے اور جو جنگ لڑ رہے تھے وہ بھی پورے دن کے تھکے ہوئے تھے۔ کاتبِ رسول ﷺ کے لیے سخت امتحان تھا مگر ان حالات کے باوجود شرحبیل بن حسنہؓ اور ان کے دستے خوب ڈٹ کر لڑ رہے تھے۔ شرحبیلؓ نے دن کے حملے میں توما کی گرجدار آواز سنی تھی وہ اب بھی گرج رہا تھا اور اس کی زبان پر یہ جاری تھا، کہاں ہے مسلمانوں کا سالار؟ جس نے ہمارا صلیب چھینا ہے۔ میں سلطنت کا ایک رکن ہوں اور صلیب کا خیر خواہ ہوں''۔ شرحبیلؓ یہ گرجدار آواز سن کر حیران رہ گئے کہ توما باوجود اتنے زخمی ہونے کے اپنے دستوں کی قیادت کر رہا ہے۔ توما جس طرف سے بھی گزرتا، مسلمانوں کی لاشیں گراتا آگے جاتا۔

شرحبیلؓ یہ سن کر اُس کی طرف چل پڑے اور فرمایا ''میں ہوں تیرا مقابل اے بدبخت اور لعین! میں تیری قوم کا قاتل ہوں اور میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ تیری صلیب کا لینے والا، کاتبِ رسول ﷺ'' توما یہ سن کر شیر کی طرح شرحبیل بن حسنہؓ کی طرف بڑھا اور کہنے لگا، ''میں تجھ ہی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ آج تو میرے غضب سے نہیں بچ سکتا۔ میں اپنی ایک آنکھ کے بدلے ہزار آنکھیں لوں گا''۔

شرحبیلؓ نے کہا واللہ! تو دوسری آنکھ بھی دینے آیا ہے۔

دونوں آمنے سامنے ہوتے ہی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ دونوں سالار چونکہ تیغ زنی کے ماہر تھے اس لئے نہایت سلیقے سے ایک دوسرے کے وار کو روکتے۔ لڑائی طول پکڑتی جا رہی تھی اور دونوں حریف فن حرب وضرب کے کمالات دکھا رہے تھے۔ شرحبیلؓ تلوار کے جتنے بھی وار کرتے، توما اپنی ڈھال سے روک لیتا۔ آپ نے ایک زوردار وار کر کے توما کا کام تمام کرنا چاہا لیکن توما نے اُسی وار کو بھی اپنی ڈھال پر روک لیا۔ جس سے شرحبیلؓ کی تلوار دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر گئی۔ شرحبیل اب تلوار کے بغیر تھے۔ وار کو صرف روک سکتے تھے۔ توما کا حوصلہ بلند ہو کر بڑھ بڑھ کر وار کر رہا تھا۔ شرحبیلؓ کی زندگی خطرے میں پڑھ گئی تھی۔ وہ توما کا وار بھی روکتے اور ساتھ اپنے دائیں بائیں کسی کی تلوار ڈھونڈ

رہے تھے۔ اچانک دو مسلمان سواروں کی نظر شرحبیلؓ پر پڑیں اور بغرض امداد پہنچ گئے۔ توما اب وار کر کر کے تھک چکا تھا۔ سواروں کو دیکھ کر قلعے کی طرف بھاگ گیا۔ یہ دونوں سوار کوئی معمولی انسان نہیں تھے۔ ایک مانا ہوا شہسوار اور تیغ زن عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ اور دوسرا ابان بن فتحان تھا۔

رومی اپنے سالار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر ان کے پیچھے قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگ گئے۔ چونکہ شرحبیلؓ اور ان کے دستے نہایت تھکے ہوئے تھے اور اکثریت زخمی تھے، لہٰذا اُن کے تعاقب کو گوارا نہ کیا۔ رومی اپنے پیچھے بے شمار لاشیں چھوڑ کر قلعہ بند ہو گئے۔

الغرض دمشق کے تمام دروازوں پر رومیوں کو عبرتناک شکست ہو گئی۔ خود بابِ توما پر جو جانی نقصان ہوا وہ شمار سے باہر تھا۔ رومیوں کی آدھی سے زیادہ نفری قتل ہو گئی تھی۔ اس بار جب توما قلعے کے اندر داخل ہو گیا، تو شہریوں نے اُسے گھیر لیا اور کہا:

''اے سالار! ہم پہلے بھی آپ کو نصیحت کر چکے ہیں کہ ان کے ساتھ صلح کی جائے۔ شہریوں میں کافی بے چینی اور بدامنی پھیل چکی ہے۔ ہم مزید کسی نقصان کے متحمل نہیں ہو سکتے''۔

توما ایک جابر اور دلیر سالار تھا۔ اُس کی پختگی عزم میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اب وہ خاموش لوگوں کے طعنے سنتا رہا۔ اس کے چہرے میں شکست کے آثار صاف نظر آنے لگے تھے کیونکہ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو کسی طرح سے شکست نہیں دے سکتا۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ جب وہ ایک سالار کو اتنی لڑائی کے باوجود قتل نہ کر سکا اور وہ بھی بغیر تلوار کے، تو یہ کوئی دوسری مخلوق ہی ہو سکتی ہے۔

توما نے ہاری ہوئی آواز میں کہا: مجھے سوچنے دو، میں صلح کروں گا، لیکن کوئی ایسی شرط نہیں مانوں گا جو شہنشاہِ روم کی تذلیل کا باعث بنے۔

دراصل توما ذہنی طور پر شکست تسلیم کر چکا تھا۔ اُس کے سامنے اب یہی ایک مسئلہ رہ گیا تھا کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ باعزت سمجھوتہ ہو جائے۔ ساتھ ہی توما نے ایک خط ہرقل روم کے نام روانہ کیا کہ کیسے اسلامی لشکر نے ہمیں محصور بنایا ہے اور اہل دمشق اب صلح کے علاوہ کسی حال میں بھی جنگ پر راضی نہیں ہیں، لہٰذا آپ رحیم ہونے کے ناطے ہمیں اجازت دیجیئے۔

صلح پر راضی ہونے کے بعد توما نے اپنے مشیروں اور پادریوں کو بلایا کہ کس کے ساتھ صلح

کی جائے اور کن شرائط پر؟

پادریوں میں سے ایک بوڑھے شخص نے جو کتب سابقہ کا عالم تھا، کہنے لگا کہ خدا کی قسم! ہم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتے، چاہے شہنشاہ ہرقل خود بھی ہماری مدد کو آ جائے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ باب جابیہ پر مسلمانوں کے نائب سالار ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی بات کی جائے، کیونکہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ صلح پسند اور نرم مزاج انسان ہیں۔ اگر ان تک رسائی ہو جائے تو باعزت سمجھوتہ ہو سکتا ہے، اس کے برعکس مسلمانوں کے سالار اعظم خالد رضی اللہ عنہ بن ولید صاحب شمشیر، سخت مزاج اور خونریز پسند ہیں۔

عروہ بن شداد کہتے ہیں کہ اہل دمشق حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف بہ نسبت حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے زیادہ مائل تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خالد رضی اللہ عنہ صاحب شمشیر ہیں اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک سن رسیدہ بزرگ اور متقی انسان تھے اور صلح پسند تھے۔

محاصرہ دمشق کے وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اکیاون سال تھی۔ رومیوں نے اپنے پادری کی رائے مناسب سمجھ کر بابِ جابیہ پر جانے کا ارادہ کر لیا۔

☆☆☆

دوسری طرف باب شرقی پر اللہ تعالیٰ نے ایک یونانی جس کا نام یونس ابن مرقس تھا، خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ وہ رات کو قلعے کی دیوار سے ایک رسی کے ذریعے اترا تھا۔ محاصرہ دمشق کے دوران جس طرح رومی اپنے محاصرے سے بے چین تھے، یہ یونانی یونس ابن مرقس ایک لڑکی کی محبت کی وجہ سے بے چین اور اس کے حصول کے لیے اپنی جان کا خطرہ مول رہے تھے۔

یونس ابن مرقس نے خالد رضی اللہ عنہ کو اپنے آنے کا مقصد بتاتے ہوئے کہا کہ میں ایک یونانی لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔ محاصرہ دمشق سے ایک دن پہلے ہماری شادی ہوئی تھی لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور لڑکی کے والدین نے لڑکی کو میرے حوالے کرنے سے منع کر دیا کہ جب تک محاصرہ ختم نہیں ہوتا، ہم اپنی بیٹی آپ کے حوالہ نہیں کر سکتے۔ سالارِ اعلیٰ! میں اپنی محبت کے ہاتھوں اتنا مجبور ہوں کہ مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ دراصل مجھے لڑکی کی ماں کی نیت پر شک ہے وہ اپنی بیٹی کی شادی ایک دولتمند تاجر سے کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی بیٹی نے میری محبت کی خاطر اسے میرے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ کی فوج نے جب شہر کو محاصرے میں لیا تو اُسے

بہانہ مل گیا اور صاف انکار کر دیا کہ یہ وقت شادی کا نہیں ہے۔

خالد بن ولیدؓ نے تعجب کی حالت میں کہا ”تو میں کیا کر سکتا ہوں کیا میں یہاں محبت کی داستانیں سننے آیا ہوں؟ تو وہ بات فوراً کیوں نہیں کہہ دیتا، جو کہنے آیا ہے“۔

یونس ابن مرقس نے کہا، ”سالارِ اعلیٰ! آپ کو دمشق چاہیے اور مجھے اپنی بیوی۔ میں آپ کو ایک راز کی بات بتاتا ہوں کہ رومی تین چار دن تک لڑائی نہیں لڑیں گے“۔

خالدؓ نے پوچھا ”تمہیں کیسے پتا کہ تین چار دن تک رومی نہیں لڑیں گے؟“۔

یونس نے جواب دیا: ایک وجہ تو یہ ہے کہ دمشق کا سالار توما زخمی ہے اور شہر کے لوگ توما کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کی جائے، مگر سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کل رات اہل دمشق کا ایک جشن ہے۔ یہ لوگ کل رات کو ناچنے اور شراب پینے کی وجہ سے ایسے بدمست ہوں گے کہ ان کو ہوش نہیں ہوگا۔ میں آپ کو بابِ شرقی کے ساتھ قلعے کی فصیل دکھاتا ہوں، جہاں آپ کے چند آدمی رسی کے ذریعے آسانی سے قلعے کے اندر داخل ہو سکتے ہیں اور پھر دروازہ کھول کر آپ کی فوج شہر میں آسانی سے داخل ہو سکتی ہے۔

ان حالات میں اگرچہ اہل دمشق جشن نہیں منا سکتے تھے مگر چونکہ یہ ایک مذہبی جشن تھا، اس لئے مذہبی پیشواؤں نے رومی سالاروں کو جشن کے لیے آمادہ کر لیا ہے۔

تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ یونس ابن مرقس نے خالدؓ بن ولید کو اس بات پر قائل کیا تھا کہ وہ انہیں قلعے میں داخل کرانے میں مدد دے گا اور اس کے عوض وہ صرف اسے اپنی بیوی دلائے گا۔ خالدؓ نے اُس کی بات پر اس طرح یقین کیا تھا کہ یونس ابن مرقس اپنی بیوی کی خاطر مسلمان بننے کے لیے بھی تیار ہو گیا تھا اور اسلام قبول کر لیا۔

بابِ شرقی پر خالدؓ قلعے کے اندر داخل ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے اور بزورِ شمشیر قلعے کو فتح کرنے کا عزم کیا ہوا تھا۔ دوسری طرف رومی سالار توما صلح کرنے کی تدابیر سوچ رہا تھا۔ جب سالار توما نے ابوعبیدہؓ کے پاس اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ کیا تو ایک بار پھر اس نے معمر پادری سے دریافت کیا۔

اے ہمارے مذہبی پیشوا! کیا تمہیں یقین ہے کہ خالدؓ، ابوعبیدہؓ سے کی ہوئی صلح تسلیم کر لیں

گے؟ معمر پادری نے کہا: اسلامی فوج میں ابن ولیدؓ کے بعد حیثیت ابوعبیدہؓ کی ہے اور خلافت میں جو قدر و منزلت ابوعبیدہؓ کی ہے، وہ ابن ولیدؓ کی نہیں ہے۔ تمام مسلمان حتیٰ کہ خود خلیفۃ ابوبکرؓ اور ابن ولیدؓ ابوعبیدہؓ کا نہایت احترام کرتے ہیں اور ان کے کسی مشورے یا حکم کا انکار نہیں کرتے۔

توما نے یہ سن کر اطمینان کا سانس لیا اور صلح کے بارے منصوبہ تیار کیا کہ توما صرف اس شرط پر ہتھیار ڈالے گا کہ اُسے، اُس کی فوج اور شہر کے ہر اس باشندے کو جو شہر چھوڑ کر جانا چاہتا ہے، اُسے اُس کے مال و اسباب، عورتوں اور بچوں سمیت نکل جانے دیا جائے۔ شہر میں کسی بھی قسم کی خونریزی اور لوٹ مار نہیں ہوگی اور سوائے "جزیہ" کے ہم کچھ نہیں دیں گے۔

واقدی میں تحریر ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے شب گزشتہ کے خوف سے ایک دستہ پہرہ داری پر مقرر کیا تھا، جس پر عامر بن طفیل دوسی کو امیر مقرر کیا تھا۔ ہم اپنی مقررہ جگہ پر پہرہ دے رہے تھے کہ اچانک رومیوں کو پکارتے سنا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ صلح کا پیغام لائے ہیں اور جناب ابوعبیدہؓ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے دوڑ کر ابوعبیدہؓ کو خوشخبری سنائی کہ رومی صلح کرنے پر راضی ہیں۔ رومیوں کا وفد تقریباً سو آدمیوں پر مشتمل تھا جن میں رؤساء، راہب اور پادری بھی تھے، حضرت ابوعبیدہؓ کے خیمے کے پاس پہنچے۔ ابوعبیدہؓ انہیں مرحبا کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس وقت تمہارے پاس کسی قوم کا بزرگ آئے تو تم اس کی تعظیم کرو۔ جب صلح کی گفتگو شروع ہوئی تو رومی وفد کے ایک سردار نے کہا کہ اے عرب کے رحم دل سالار! ہم جزیہ دینے پر راضی ہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ شہر میں لوٹ مار نہ ہو، کسی کو قتل نہ کیا جائے اور جو شہری شہر کو چھوڑنا چاہیں، انہیں ان کے مال و اسباب کے ساتھ اجازت دی جائے۔

ابوعبیدہؓ نے کہا "اگرچہ اسلامی لشکر میں میری مثال ایک ادنیٰ خادم جیسی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم ہمارے امیر خالدؓ بن ولید کے پاس جاتے تو وہ بھی یہی کہتا، جو میں کہوں گا۔ ہمارے آگے جو جھک جاتا ہے اور ہم سے صلح کی بھیک مانگے، ہم اسے بخش دیتے ہیں کیونکہ اسلام ہمیں یہی حکم دیتا ہے۔ اگر کوئی آخر دم تک لڑے اور ہم بزور شمشیر اس سے ہتھیار ڈلوائیں تو پھر ہم اسے رحم کے قابل نہیں سمجھتے"۔

ابوعبیدہ رضؓ نے ان کی شرائط منظور کر لیں اور ایک صلح نامہ لکھ کر انہیں دے دیا مگر اس پر نہ آپ نے اپنے دستخط کیے اور نہ کسی کی گواہی کرائی کیونکہ سالارِ اعلیٰ خالد رضؓ کے ہوتے ہوئے آپ رضؓ مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے عہد نامہ رومیوں کے سپرد کر کے انہیں رخصت کرنا چاہا، تو انھوں نے آپ سے شہر میں داخل ہونے کے لیے کہا۔ آپ فوراً تیار ہو گئے اور چند سالار بھی اپنے ساتھ لیے، جن میں معاذ بن جبل رضؓ، ذوالکلاع حمیری رضؓ، سلمہ بن ہشام رضؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ جیسے نامور حضرات بھی تھے، باب جابیہ سے شہر میں داخل ہو گئے۔

تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے خالد رضؓ کو اطلاع دیے بغیر رومیوں کو امان دے دی اور ان سے محض جزیہ پر صلح کر لی تھی۔ دوسری بات یہ کہ جب ابوعبیدہ رضؓ قلعے میں چند جلیل القدر حضرات سمیت داخل ہو رہے تھے، تو ان سے کسی قسم کی ضمانت نہیں لی تھی کہ وہاں اندر جا کر کسی قسم کی بدعہدی نہیں کی جائے گی۔

تاریخ میں ان دونوں شبہات کا جواب واقدی میں ملتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے جس رات رومیوں سے مصالحت کی تھی اس رات آپ رضؓ نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

تفتح المدینہ انشاء اللہ تعالیٰ فی ھٰذہ اللیلة

ترجمہ: ان شاء اللہ تعالیٰ اسی رات کو یہ شہر فتح ہو جائے گا۔

پھر ابوعبیدہ رضؓ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو بہت عجلت اور پریشانی میں دیکھ رہا ہوں اس کا کیا سبب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ابوبکر رضؓ کے جنازہ میں شریک ہونا ہے۔ یہ دیکھ کر ادھر آپ رضؓ بیدار ہوئے تھے اور ادھر حضرت ابوہریرہ رضؓ نے آپ کو جگا کر صلح کی بشارت دی تھی۔

شاید رسول اللہ ﷺ فتح دمشق کی بشارت اور حضرت ابوبکر رضؓ کی وفات کی خبر کی وجہ سے ابوعبیدہ رضؓ خالد رضؓ کو بتانا بھول گئے ہوں کہ میں اہل دمشق سے صلح کرانے جا رہا ہوں (واللہ اعلم)۔

آپ رضؓ مع چند ساتھیوں کے ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دمشق میں داخل ہوئے تھے۔

دوسری طرف باب شرقی پر خالد رضؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے جان پر کھیل کر ایک رسی کے ذریعے قلعے کے اندر جانے میں کامیاب ہو گئے۔ قلعے کے اندر جا کر سب سے پہلے خالد رضؓ نے باب

شرقی کا دروازہ کھولا اور اپنے تمام دستے قلعے میں داخل کر دیئے۔

کسی بھی تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ خالدؓ نے اتنا بڑا خطرہ مول لینے کی اطلاع حضرت ابوعبیدہؓ کو کیوں نہیں دی تھی، حالانکہ ابوعبیدہؓ خالدؓ کے قائم مقام سالار تھے اور وہ کوئی بھی کام ابوعبیدہؓ کے مشورے کے بغیر نہیں کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ خالدؓ نے باقی دروازوں پر مقرر کسی بھی سالار کو یہ اطلاع نہیں دی تھی۔

شاید خالدؓ کی دروازوں پر مقرر سالاروں کو اطلاع نہ دینے کا مقصد یہ تھا کہ راز فاش نہ ہو جائے اور کسی طرح سے رومیوں کو خبر نہ ہو جائے (واللہ اعلم)۔

خالد بن ولیدؓ دشمنوں کے دستوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، وہ حیران تھے کہ شہر کی باقی فوج ان کے مقابلے کے لیے کیوں نہیں آ رہی؟ اسے خالدؓ دشمنوں کی ایک چال سمجھ رہے تھے، لہٰذا وہ بہت محتاط طریقے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ خالدؓ اب کسی بھی حال پر صلح کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کیونکہ باب شرقی پر خالد بن سعیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کے بھائی ایک مسموم تیر کے لگنے سے شہید ہو گئے تھے یہ دونوں مسلمانوں کے سالار تھے۔ صلح نہ کرنے کی دوسری وجہ باب توما پر مسلمانوں کا جانی نقصان تھا کیونکہ یہی توما شروع میں صلح کرنے پر رضامند نہیں تھا جس کی وجہ سے حضرت شرحبیلؓ کے دستے کے بہت سارے لوگ شہید ہو چکے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ قلعے کے وسطی حصے میں ایک گرجے کے پاس تھے اس گرجے کا نام کلیسائے مریم تھا، یہاں خود توما نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا استقبال کیا۔ توما کے ساتھ اُس کا ایک سالار ہربیس بھی تھا۔ خالد بن ولید آگے بڑھتے ہوئے آخر کار یہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے ابوعبیدہؓ کو توما کے ساتھ ایسے پر امن انداز سے دیکھا کہ ان کی تلواریں نیاموں میں تھیں تو خالد بن ولیدؓ حیران رہ گئے۔

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ اور ان کے دستے کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے ہاتھوں میں تلوار اور ڈھالیں تھیں۔ تلوار خون سے لال تھی، ان کے کپڑے خون کے چھینٹوں کی وجہ سے لال ہو گئے تھے اور پسینے میں نہائے ہوئے تھے۔ خالدؓ اور ابوعبیدہؓ ایک دوسرے کو حیرت کی حالت میں دیکھتے رہے۔ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''ابوسلیمان! خداوند تعالیٰ نے دمشق کو صلح کے ذریعے فتح کرادیا ہے اور مسلمانوں کو مزید لڑائی سے بچالیا ہے، لہٰذا ہمیں مزید خون خرابہ نہیں کرنا چاہیے''۔

خالدؓ نے حیرانگی کی حالت میں پوچھا ''امین الامتؓ! تم کون سی صلح کی بات کرتے ہو؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میں نے بزورِ شمشیر یہ شہر حاصل کیا ہے؟ خدا کی قسم، اہل دمشق نے مجھے صلح کے ذریعے اندر نہیں بلایا ہے اور میرے آدمیوں کا خون بہایا گیا ہے، اب میں ہرگز رومیوں کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ خیر و عافیت سے شہر سے نکل جائیں۔ شہر کے اندر جو کچھ بھی ہے، وہ سب ہمارا مالِ غنیمت ہے اور میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ صلح کس نے اور کیوں کی ہے''؟

امین الامت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے جواب دیتے ہوئے کہا ''ابوسلیمان! میں نے ان سے صلح کر لی ہے اور آپ یقین جانیئے کہ میں اور میرے دستے شہر میں پرامن طریقے سے داخل ہو گئے ہیں''۔

خالدؓ کی حالت اب غصے والی ہو گئی تھی وہ ابوعبیدہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے: آپ نے میرے حکم کے بغیر صلح کر لی جبکہ آپ کی رائے میرے تابع ہے، میں جب تک ان سب کو ایک ایک کر کے قتل نہ کر دوں، اُس وقت تک تلوار میان میں نہیں رکھوں گا۔

ابوعبیدہؓ نے کہا: واللہ! مجھے یہ خبر نہ تھی کہ کسی امر اور معاملے میں بھی تم میری مخالفت کرو گے۔ خدا کی قسم، میں ان لوگوں کو خداوند تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان دے چکا ہوں اور اپنے اوپر ان سب کی ذمہ داری لے لی ہے۔ میرے تمام ساتھی اس صلح پر راضی ہو گئے تھے۔ بدعہدی اور مکر و فریب ہماری عادتوں میں داخل نہیں ہے۔ ابوسلیمان! خدارا، مجھے بدعہدی اور بددیانتی کا مرتکب نہ کریں۔

واقدی اور بعض دوسرے مؤرخین کہتے ہیں کہ دُنیائے اسلام کے ان دونوں سالاروں کے لب و لہجے میں سختی پیدا ہو گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ دونوں سالار آپس میں الجھ پڑیں گے۔ خالدؓ اور ابوعبیدہؓ کے درمیان یہ جھگڑا اُن کی اَنا کا مسئلہ بن کر کوئی ناگوار صورت اختیار کر سکتا تھا، لیکن یہ اُس عظیم دور کا واقعہ ہے کہ جب مسلمان آپس کے کسی جھگڑے کو اپنا ذاتی مسئلہ نہیں بنایا کرتے تھے۔ ایک سالار کو محض اپنی عہد شکنی کا ڈر ہے تو دوسرے سالار کو توما کی فریب کاری پر غصہ آ رہا ہے۔

ابوعبیدہؓ کی جگہ اگر کوئی اور سالار ہوتا تو خالدؓ اسے سالاری سے معزول کر کے ایک عام سپاہی بنا دیتے یا اسے واپس مدینہ بھیج دیتے، لیکن یہ وہ ابوعبیدہؓ تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا خطاب دیا تھا۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ انہیں الاثرم بھی کہتے تھے کیونکہ غزوۂ اُحد کے دوران جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں خود کی کڑیاں چھبی ہوئی تھیں تو ابوعبیدہؓ نے ان کو اپنے دانتوں کے ذریعے نکالتے ہوئے ان کے دو دانت شہید ہو گئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بغیر دانتوں کے دانتوں والوں سے زیادہ خوبرو ہو گئے تھے۔ مشہور مؤرخ ابن قتیبہ اور واقدی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوعبیدہؓ سے خاصی محبت تھی۔ ان کا زہد، تقویٰ، امانت اور عہد کی پاسداری ضرب المثل تھی۔

ابوعبیدہؓ کے انہی اوصاف کی وجہ سے دمشق کے موقع پر وہ حضرت خالدؓ کے سامنے اپنے کئے ہوئے وعدے پر ڈٹے رہے۔ لشکر اسلام کے تمام سپاہیوں کو اس بات پر پورا یقین تھا کہ ابوعبیدہؓ صحیح معنوں میں امت کا خیر خواہ ہے اور وہ جو بھی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اختیار کرتے ہیں۔ خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ ابوعبیدہؓ کا بہت احترام کرتے تھے اور مجاہدین ان کے اشارے پر جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ وہی ابوعبیدہؓ آج خالدؓ سے پوچھے بغیر دمشق کے متعلق بڑا اہم فیصلہ کر بیٹھے تھے اور اسے بدلنے پر کسی طرح سے آمادہ نہیں تھے۔

ابوعبیدہؓ بول پڑے: اے ابوسلیمان! میں تجھے اپنا امیر مانتا ہوں لیکن یہ سوچ لیں کہ اگر آج ہم نے بدعہدی کی، تو آئندہ کوئی بھی شہر یا قلعہ صلح سے فتح نہیں ہو سکے گا کیونکہ پورے شام میں یہ بات پھیل جائے گی کہ مسلمان بدعہدی کرتے ہیں۔

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کے درمیان یہ بحث چلتی رہی کہ دوسری طرف خالدؓ کے دستے مسلسل قتل وغارت میں مصروف تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے گھوڑے کو تیزی کے ساتھ دونوں اطراف دوڑا کر زور سے چلا کر کہا: افسوس ہے تم لوگوں پر کہ میرے عہد کو توڑا جا رہا ہے۔ میں تمہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جب تک میرے اور خالدؓ کے درمیان کچھ فیصلہ نہ ہو جائے، اُس وقت تک کوئی حرکت نہ کی جائے۔

یہ سن کر مسلمانوں نے قتل وغارت روک لیا۔ اس وقت تک دوسرے سرداران لشکر بھی

آ چکے تھے، جس میں یزید بن ابی سفیانؓ ،شرحبیل بن حسنہؓ ،عمرو بن العاصؓ ،سعید بن زیدؓ ،ربیعہ بن عامرؓ،قیس بن ہبیرہؓ ،عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ ،ابان بن عثمانؓ اور ذوالکلاع حمیریؓ جیسے بہادران اسلام شامل تھے۔ سالاروں نے آپس میں بحث مباحثہ کر کے یہ رائے دی کہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے طریقہ پر گامزن ہونا زیادہ احسن ہے، ورنہ یہ خبر دور دور تک پھیل جائے گی کہ مسلمان دھوکہ باز ہیں اور صلح اور عام معافی کا وعدہ کرتے ہیں، پھر لوٹ مار اور قتل وغارت کرتے ہیں۔

کاتب رسول ﷺ شرحبیل بن حسنہؓ نے کہا: ہم نے دیکھا ہے کہ بعض شہر ہمیں مزاحمت کے بغیر مل گئے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے بارے میں ان لوگوں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کی شرطیں سخت نہیں ہوتیں اور رحم دلی سے پیش آتے ہیں۔ ابن ولیدؓ! ہمیں اس روایت کو برقرار رکھنا چاہیے، ورنہ پھر کوئی شہر ہمیں بغیر لڑائی کے نہیں ملے گا۔

خالدؓ نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا تم سب نے مجھے مجبور کر دیا ہے، مجھے آپ لوگوں کی رائے قبول ہے۔

رومی سالار توما اور ہربیس ذرا دور کھڑے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے، خالدؓ نے ان کی طرف دیکھا، پھر غصہ تیز ہو گیا: سوائے ان دونوں رومی سالاروں کے، میں سب اہل دمشق کو امان دیتا ہوں۔

ابوعبیدہؓ نے کہا : ابنِ ولیدؓ! تجھ پر اللہ رحم کرے، انہی دونوں کے ساتھ تو میرا معاہدہ ہوا ہے۔ میں نے تمام اہل دمشق کو اپنی حفاظت میں لینے کی ضمانت دی ہے۔ اب جب تم نے میرے فیصلے کو قبول کر ہی لیا ہے تو ان دونوں کو بھی جانے دو۔

خالدؓ نے فرمایا خدا کی قسم، اگر یہ دونوں تمہاری امان میں نہ ہوتے تو میں ان دونوں کو قتل کر دیتا۔

مؤرخ بلاذری اور واقدی نے لکھا ہے کہ توما اور ہربیس کے پاس ایک آدمی کھڑا تھا، جو عربی زبان سمجھتا تھا۔ وہ مسلمانوں کی باتیں ان دونوں کو سناتا جا رہا تھا۔ آخر کار انہیں عام معافی کے اعلان سے آگاہ کر دیا گیا۔

توما نے خالدؓ اور ابوعبیدہؓ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اجازت دی جائے کہ شہر

کو چھوڑ کر اپنی منزل تک جا سکیں۔ ابوعبیدہؓ نے توما کو اجازت دیتے ہوئے کہا تمہیں اجازت ہے اور جس راستے سے چاہو، جا سکتے ہو لیکن یہ سن لیں تم جہاں رکو گے یا قیام کرو گے اگر ہم نے اس جگہ پر قبضہ کر لیا تو ہم سے اپنی حفاظت کی توقع نہ رکھنا، کیونکہ تمہارے ساتھ جو معاہدہ ہوا ہے یہ صرف اس مقام تک ہے جہاں تم جا رہے ہو، یہ دوستی کا معاہدہ نہیں ہے۔

توما اور ہربیس نے کہا ہمیں منظور ہے بس ہمیں تین دن کی مہلت دے دیں۔ تین دنوں کے بعد ہم اس معاہدے کو ختم سمجھیں گے۔ تین دنوں بعد اگر آپ کا کوئی آدمی ہم تک پہنچ جائے تو اسے جواز ہوگا کہ وہ ہمیں غلام بنائے یا قتل کر دے۔

خالدؓ نے کہا: بس ان تین دنوں میں کہیں غائب ہو جانا جہاں تک میں نہ پہنچ سکوں اور ہاں ایک بات یاد رکھنا، اپنے ساتھ سوائے چند دنوں کے کھانے پینے کے علاوہ تم کوئی چیز نہیں لے جا سکتے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا: ابوسلیمان! تیری یہ شرط اس معاہدے کے خلاف ہے جو میں نے ان کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اپنا مال واسباب اور جو کچھ چاہے لے جا سکتے ہیں۔ میں انہیں یہ حق دے چکا ہوں۔

خالدؓ نے ایک مرتبہ پھر اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا: لے جائیں، جو کچھ اٹھا سکتے ہیں لے جائیں لیکن تم میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ ہتھیار نہیں لے جائیگا۔

ہربیس نے کہا ہمیں ہتھیاروں کا اپنے ساتھ رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ دوران سفر ہم آنے والی مصیبتوں سے محفوظ ہو کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔

ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ ہر ایک شخص کے واسطے ایک ایک ہتھیار کی اجازت ہے مثلاً ایک تلوار یا ایک برچھی، ایک کمان یا ایک خنجر۔

توما نے کہا ہمیں یہ منظور ہے۔ اس کے بعد توما حضرت ابوعبیدہؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا مجھے ان (یعنی خالد بن ولیدؓ) کی طرف سے خوف ہے، لہٰذا آپ ہمیں ایک عہد نامہ جس میں یہ تمام شرائط مستور ہوں، لکھ کر اور گواہی کرا کر دے دیجئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہؓ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور غصے میں توما سے کہنے لگا ''خاموش اے ملعون! تیری ماں تجھے گم کر دے، ہم اہل عرب ہیں، ہم نہ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ بد

عہدی کرتے ہیں اور یہ (حضرت خالدؓ) ہمارے امیر ہیں جو ہم سب میں سچے اور عہد کے پابند ہیں، ان کا قول قولِ صادق اور ان کا عہد عہد واثق ہوتا ہے"۔

جزیہ کی رقم ایک دینار فی کس اور کچھ مقدار اناج وغیرہ مقرر ہوئی جو اہل دمشق نے حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس جمع کرائی۔

☆☆☆

وہ منظر مجاہدین کے لیے بڑا ہی تکلیف دہ تھا جب رومی فوج دمشق سے روانہ ہو رہی تھی۔ جو شہری دمشق نہیں رہنا چاہتے تھے وہ بھی فوج کے ساتھ جا رہے تھے۔ توما کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی جو شہنشاہ روم ہرقل کی بیٹی تھی۔ وہ اس وقت کی نہایت خوبصورت اور جوان عورت تھی۔ توما اور ہربیس نے اپنی قوم کو کوچ کرنے اور مال واسباب ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ رومیوں نے اپنے مال واسباب ایک جگہ جمع کر کے ڈھیروں پر ڈھیر لگا دیئے۔ مؤرخ بلاذری اور واقدی لکھتے ہیں کہ مال تجارت اور منڈی کے مال کے علاوہ سونے چاندی کے بے شمار ذخائر تھے جو لوگ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ ہرقل کا ریشمی کپڑوں کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ تین سو بار برداری اونٹوں پر لے جایا جا رہا تھا ان ریشمی کپڑوں پر سونے چاندی کا کام بھی ہوا تھا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس قدر مال واسباب دیکھ کر دُعا کے لیے ہاتھ اٹھایا۔

"اے خداوند تعالیٰ! یہ سامان تو میرے مجاہدین کا حق تھا۔ یا اللہ! اس مال کو مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنا دیجئے، بے شک آپ دعاؤں کے سننے والے ہیں"۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس وقت رومی دمشق چھوڑ رہے تھے اسی وقت یونس ابن مرقس دوڑ کر حضرت خالدؓ کے پاس آیا اور کہا، امیر! تجھے دمشق مبارک ہو لیکن مجھے اپنی بیوی نہیں ملی۔

یونس ابن مرقس نے خالدؓ کو پورا ماجرا سناتے ہوئے کہا کہ میں اپنے بیوی سے ملا اور وہ میرے ساتھ رہنے پہ رضامند ہو گئی تھی لیکن جب میں نے یہ کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو وہ بالکل ہی بدل گئی اور کہا کہ جب تک تم اپنے مذہب میں واپس نہیں آؤ گے، میں قسم کھاتی ہوں کہ آج کے بعد تمہاری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کروں گی اور وہ دمشق چھوڑ کر چلی گئی۔

یونس ابن مرقس نے خالدؓ کو التجا کی کہ خدارا مجھے میری بیوی دلائیں۔

خالدؓ نے کہا چونکہ ابوعبیدہؓ نے اہل دمشق سے صلح کی ہے لہٰذا ہم تین دن تک کسی کو زبردستی نہیں روک سکتے۔

تین دن گزرنے کے بعد یونس پھر خالدؓ سے کہنے لگا سالار! میں نے سنا ہے کہ آپ کا ارادہ توما اور ان کے لشکر کا تعاقب کرنا تھا۔ خالدؓ نے کہا، ہاں تھا مگر اب نہیں ہے کیونکہ اب وہ بہت دور نکل چکے ہوں گے۔ یونس نے کہا اگر محض دوری ان کے تعاقب سے جناب کو مانع ہے تو میں اس ملک کے راستوں سے خوب واقف ہوں لہٰذا میں آپ کو ایسے راستوں سے لے جاسکتا ہوں کہ ان شاء اللہ! ہم انہیں ضرور پکڑلیں گے۔ میں آپ سے سوائے میری بیوی کے اور کچھ نہیں لوں گا۔ خالدؓ یہ سن کر فوراً تیار ہو گئے۔

زید بن ظریفؓ سے روایت ہے کہ حضرت خالدؓ نے دمشق کے اُمور حضرت ابوعبیدہؓ کے حوالہ کر دیئے اور خود چار ہزار شہسواروں کے ساتھ لشکر کے تعاقب میں نکل پڑے۔ اسلامی لشکر رومیوں کے نکلنے کے چوتھے دن روانہ ہوا تھا۔ یونس ابن مرقس لشکر کی رہنمائی کرر ہا تھا انہیں معلوم تھا کہ لشکر انطا کیہ کی طرف جا رہا ہے لہٰذا وہ سخت کٹھن راستوں سے چل کر انطا کیہ سے دور جبل بارق تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسلا دھار بارش برسائی۔ رومیوں کا خیال تھا کہ مسلمان اب یہاں نہیں پہنچ سکتے لہٰذا اپنے مال واسباب کھولے اور دھوپ میں خشک کرنے کے لئے پھیلا دیئے۔ یہ سمندر کے کنارے ایک کھلا میدان تھا۔ چونکہ رومیوں کے ساتھ ریشمی کپڑوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا، لہٰذا اس جگہ کا نام ''مرج الدیباج'' یعنی ریشم کا خیابان پڑ گیا۔

اسلامی لشکر نے رومیوں کو مرج الدیباج کے میدان میں غافل دیکھ کر چاروں طرف سے حملہ کیا۔ رومیوں کا سالار توما اور ہربیس حضرت خالدؓ بن ولید اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور چند ساعتوں بعد مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور دمشق کا سارا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔

واقدی لکھتے ہیں کہ اس مال غنیمت میں اتنا سارا ریشمی کپڑا مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا کہ اہل عرب کے پاس جب کوئی ریشمی کپڑا دیکھتا، تو دریافت کرنے پر معلوم ہوتا کہ یہ مرج الدیباج کے مال غنیمت میں سے ہے۔ لہٰذا یہ جگہ اسی نام سے مشہور ہوئی اور تمام مؤرخین نے اس معرکے کو معرکہ مرج الدیباج کے نام سے لکھا ہے۔

حضرت رافع بن عمیرہؓ نے تمام رومی عورتوں کو حراست میں لے لیا۔ وہاں آپ نے یونس ابن مرقس کو دیکھا جو عورت کی ایک لاش کے سامنے بیٹھا دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ یونس کو جب اپنی بیوی نظر آئی تو وہ فرار ہونے لگی اور جب اسے پتہ چلا کہ یونس انہیں پکڑ لے گا تو اس نے اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالا اور خنجر نکال کر اپنے سینے میں گھونپ دیا اور وہ گر کر مر گئی۔

مسلمانوں نے لڑائی سے فارغ ہو کر جب مال غنیمت اکٹھا کر لیا اور دمشق واپس جانے کا ارادہ کر لیا تو خالدؓ نے یونس ابن مرقس سے اپنی بیوی کے متعلق پوچھا کہ اسے اپنی بیوی ملی یا نہیں۔

یونس ابن مرقس نے روتے ہوئے جواب دیا کہ انہیں اپنی بیوی ملی مگر زندہ نہیں، اس نے اپنے خنجر سے اپنے آپ کو مار دیا ہے۔

رافع بن عمیرہؓ نے کہا مجھے آپ کی بیوی سے کئی گنا خوبصورت اور جوان عورت معلوم ہے جو اس وقت ہماری حراست میں ہے۔ میں آپ کو تحفہ میں وہی دوں گا۔

رافع بن عمیرہ نے جب اس عورت کو طلب کر لیا تو حضرت خالدؓ بن ولید نے اس عورت کا حسن و جمال دیکھ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا اور فرمایا سبحان اللہ! اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، قبول فرماتا ہے۔

خالد بن ولیدؓ نے یونس کو مخاطب کر کے کہا بھلا اس عورت سے خوبصورت اور کوئی ہو سکتی ہے؟ لہٰذا میں اس عورت سے تمہاری شادی کراؤں گا۔ یونس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا نہیں سالار محترم! میں اس لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ یہ شہنشاہ ہرقل کی بیٹی اور توما کی بیوہ ہے۔ ہرقل اپنی بیٹی کو واپس لینے کے لیے اپنی تمام تر سلطنت کی فوج اکٹھی کر کے دمشق پر حملہ کر دے گا یا فدیہ دے کر اس لڑکی کو آزاد کرائے گا۔ خالدؓ خاموش ہو گئے اور دمشق کی طرف کوچ کا حکم فرمایا ابھی اسلامی لشکر دمشق کی طرف آدھا ہی سفر طے کیا تھا کہ انطاکیہ سے کچھ گھوڑ سوار آئے اور مسلمانوں کے امیر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ میں شہنشاہ ہرقل کا ایلچی ہوں شہنشاہ ہرقل کو اطلاع ملی ہے کہ آپ نے ہماری فوج اور دمشق سے ہجرت کرنے والوں پر حملہ کیا ہے۔ شہنشاہ ہرقل نے اپنی بیٹی واپس مانگی ہے اور کہا ہے کہ جس قدر فدیہ لینا چاہتے ہیں لے لیں اور یہ بھی کہا ہے کہ بخشش اور رحم آپ

کی خصلتوں میں سے ہے لہٰذا اگر آپ فدیہ نہیں لینا چاہتے تو مجھے میری بیٹی بخش دیجئے۔خالدؓ نے کہا اگر واقعی تمہارے شہنشاہ نے بخشش مانگی ہے تو اس کی بیٹی کو بخشش کے طور پر لے جاؤ وہ آزاد ہے۔

یونس نے ٹھیک کہا تھا کہ ہرقل اپنی بیٹی کو آزاد کرا کے لے جائے گا۔خالدؓ نے یونس کو اپنے حصے میں سے مال غنیمت دینا چاہا لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ باقی عمر شادی نہیں کرے گا۔اس نے اپنی باقی عمر اسلام اور جہاد کے لیے وقف کر دی اور اس کے بعد وہ صرف دو سال زندہ رہا کیونکہ جنگ یرموک کے موقع پر وہ شہید ہو گیا تھا۔

خالد بن ولیدؓ جب کثیر مال غنیمت کے ساتھ دمشق پہنچ گئے تو ابوعبیدہؓ اور ان کے ساتھیوں نے ان کا پر جوش استقبال کیا اور اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے۔مال غنیمت کو تقسیم کیا اور خمس کو الگ کر کے مدینہ بھیجنے کا ارادہ کیا۔اس کے بعد آپ نے خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے نام ایک خط لکھا جس میں دمشق کی فتح کی خوشخبری اور پوری تفصیل لکھی۔خط میں یہ بھی لکھا کہ ابوعبیدہؓ نے شہر کو صلح کے ذریعے جبکہ میں نے بزور شمشیر فتح کر لیا ہے۔خالدؓ نے خط کو ملفوف کر کے اس پر مہر لگا کر عبداللہ بن قرط کو دے کر مدینہ روانہ کیا۔

☆☆☆

کئی دن گزرنے کے بعد ایک دن حضرت ابوعبیدہؓ خالدؓ کے خیمے میں آئے۔حضرت خالدؓ نے آنے کی وجہ پوچھی تو آپؓ نے جواب دیا، خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ وصال فرما گئے ہیں اور اب عمر بن خطابؓ خلیفہ ہیں۔

خالد بن ولیدؓ یہ سن کر حیران رہ گئے اور پوچھا کب؟

ابوعبیدہؓ نے جواب دیا: بائیس جمادی الثانی۔

ابوعبیدہؓ نے نئے خلیفہ کا خط خالدؓ کو دے کر پڑھنے کو کہا۔

خالدؓ خط پڑھنے لگے۔یہ خط خلیفہ عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کے نام لکھا تھا، خط کا متن یہ تھا:

امیر المؤمنین عمرؓ کی طرف سے ابوعبیدہؓ کے نام!

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور درود وسلام محمد رسول اللہ ﷺ۔میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں اللہ لازوال ہے جو ہمیں گمراہی سے

بچاتا ہے اور اندھیرے میں روشنی دکھاتا ہے۔ میں تمہیں مسلمانوں کے تمام امور پر مامور کرتا ہوں اور تجھے خالدؓ بن ولید کے لشکر کا امیر مقرر کرتا ہوں۔ فوراً امارت کو سنبھالو۔ ذاتی مفاد کے لیے مسلمانوں کو کسی مشکل میں نہ ڈالنا، انہیں ایسے لشکر کے مقابلے میں نہ بھیجنا جس کے متعلق تو نے پہلے دیکھ بھال اور حکمت عملی نہ بنائی ہو، نیز مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے احتیاط رکھو۔ دنیاوی لالچ سے اپنے آپ کو بچانا۔ اللہ نے تجھے میری آزمائش کا اور مجھے تیری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ تمہارے اسلاف وہاں پہنچ چکے ہیں اور ہم سب اس دارِفانی سے عنقریب کوچ کرنے والے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی ترغیب دیتے رہنا۔

والسلام۔

اس خط کا مطلب یہ تھا کہ امیر المؤمنین عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر کے حضرت ابوعبیدہؓ کو سالار اعلیٰ بنا دیا تھا اور اب لشکر کے تمام امور حضرت امین الامت ابوعبیدہؓ کے سپرد ہو گئے تھے۔

☆☆☆

حضرت ابوبکر صدیقؓ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ بمطابق ۲۳ اگست 634ء کو منگل کی شام کو وصال فرما گئے تھے۔ مؤرخین آپ کی وفات کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ آپ کو ایک یہودی نے چاول میں زہر ملا دیا تھا اور بعض مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ آپ ایسی حالت میں ٹھنڈے پانی سے نہائے تھے جب آپ کا جسم گرم اور پسینے سے شرابور تھا۔ فوراً بخار ہو گیا اور پندرہ روز مسلسل بخار میں مبتلا رہے۔ آپ کا عہد خلافت دو سال تین مہینے اور دس روز رہا۔ بعض دوسرے مؤرخین کے مطابق دو سال تین مہینے اور چھبیس دن تھا۔ البتہ تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ آپ نے تریسٹھ سال کی عمر پائی تھی۔

تاریخ گواہ ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے دور خلافت میں معجزہ نما کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ارتداد کا جو فتنہ سرزمین عرب میں پھیل گیا تھا اسے ابوبکرؓ نے بہت کم وقت میں اپنے قلیل اسلامی لشکر کے ذریعے دفنا دیا تھا۔

خلافت کے خلاف اُٹھنے والی بغاوت کو پرامن طریقے سے حل کر کے نہ صرف عرب میں امن کی فضا قائم کی بلکہ فارس اور روم جیسی عظیم سلطنت سے ٹکر لینے کے لیے بھی اسلامی لشکر کو بھیج دیا

تھا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؓ نے اسلامی سلطنت کو مضبوط کر کے آنے والے خلفاء کے لیے راہ ہموار کر دی تھی۔آپؓ نے حضرت عمرؓ کو صحابہ کی مشاورت کے بعد اپنی زندگی میں ہی خلیفہ مقرر کر دیا تھا جسے تمام مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے اپنی آخری وصیت عثمان بن عفانؓ سے لکھوائی تھی،جس کا متن یہ ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم! یہ وصیت ہے جو ابوبکرؓ بن ابو قحافہ نے اس وقت لکھوائی ہے جب وہ دنیا سے رخصت ہو کر موت کے بعد کی زندگی میں داخل ہو رہا تھا۔ایسے وقت میں پکا کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور جس نے کبھی سچ نہ بولا ہو،وہ بھی سچ بولنے لگتا ہے۔میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو تمہارا خلیفہ مقرر کرتا ہوں تم سب پر اس کی اطاعت فرض ہے۔میں نے تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔اگر عمرؓ نے تم پر زیادتی کی اور عدل وانصاف نہ کیا تو وہ ہر انسان کی طرح اللہ کے حضور جواب دہ ہوگا۔مجھے امید ہے کہ عمرؓ عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑے گا۔میں نے جو فیصلہ کیا ہے اس میں تمہاری بھلائی اور خیر کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچا''۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ وصیت لکھواتے لکھواتے سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر غشی طاری ہوگئی تھی انہوں نے یہاں تک لکھوایا تھا''میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو۔۔۔''اور ان پر غشی طاری ہوگئی۔ عثمان بن عفانؓ نے باقی فقرہ خود مکمل کر لیا''تمہارا خلیفہ مقرر کرتا ہوں تم سب پر اس کی اطاعت فرض ہے۔میں نے تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر نہیں رہنے دی''۔

حضرت ابوبکرؓ جب ہوش میں آگئے تو حضرت عثمانؓ کو کہا : پڑھو جو میں نے لکھوایا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے پڑھ کر سنایا اور جو عبارت اپنی طرف سے لکھی تھی وہ بھی پڑھ کر سنائی۔

خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیقؓ نے کہا: سبحان اللہ! خدا کی قسم،تو نے جو سوچ کر لکھا ہے وہ سوچ غلط نہیں تھی۔تو نے یہ سوچ کر عبارت پوری کی کہ اگر میں غشی کی حالت میں رخصت ہو گیا تو نامکمل وصیت خلافت کے لیے جھگڑے کا باعث بن سکتی ہے۔

عثمان بن عفانؓ نے کہا: بے شک میں نے یہی سوچ کر عبارت مکمل کر دی ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے عثمان بن عفانؓ کے الفاظ نہ بدلے اور وصیت مکمل لکھوا دی۔

☆☆☆

اب امیر المؤمنین عمرؓ بن خطاب تھے۔ مؤرخ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آپؓ پہلے شخص ہیں جنہیں امیر المؤمنین کا نام دیا گیا اور سب سے پہلے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے آپؓ کو مخاطب کر کے یہ سلام کیا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کا پہلا کام یہ کیا تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو ان کی جگہ پر امیر مقرر کر دیا۔ ابن کثیر میں روایت ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ پہلے شخص تھے جنہیں ''امیر الامراء'' کا نام دیا گیا۔ قتادہ سے مروی ہے کہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی مہر کا نقش۔۔۔ کان الخمس للہ۔۔۔ تھا یعنی پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے۔

خلافت کے دوسرے روز آپ نے مسجد نبوی میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ کے لیے مسلمانوں کو اکٹھا کر لیا۔ آپؓ نے بہت تفصیلی خطبہ دیا۔ جس کے کچھ الفاظ یہ تھے۔

''قوم اس اونٹ کی مانند ہے جو اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اسے جہاں بٹھا دیا جاتا ہے، وہ اسی جگہ بیٹھا اپنے مالک کا انتظار کرتا ہے۔ رب کعبہ کی قسم، میں تمہیں صراط مستقیم پر چلاؤں گا۔'' آپ نے اور بھی بہت سارے وعظ و نصیحت کیے اور اپنے خطبہ کے آخر میں کہا۔

''میں نے خالدؓ بن ولید کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا ہے اور اب امین الامت ابوعبیدہ بن الجراحؓ تمام افواج کے سالار اعلیٰ اور شام کے مفتوحہ علاقوں کے امیر ہوں گے''۔

مسجد میں جتنے بھی لوگ تھے وہ حضرت خالدؓ کی معزولی پر حیران رہ گئے لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ حضرت عمرؓ سے اس فیصلے کے بارے میں باز پرس کرتے۔ بالآخر مسجد میں قبیلہ بنی مخزوم سے ایک نوجوان غصے سے امیر المؤمنین پر پھٹ پڑا اور امیر المؤمنین کو مخاطب کر کے بولا۔

''اے عمرؓ! کیا تو اس سالار کو معزول کر سکتا ہے جو اللہ کی تلوار ہے، کیا تم زبردستی اس تلوار کو نیام میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو آخر تم نے یہ حکم کیوں جاری کر دیا ہے؟''

اس نوجوان نے جس تلخی سے بات کی تھی وہ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ مسجد میں سناٹا طاری ہو گیا۔ سب کی نظریں عمرؓ کے چہرے پر جم گئیں لیکن اس کے برعکس امیر المؤمنین کے چہرے پر غصے یا خفگی کا ہلکا سا تاثر بھی نہ تھا۔

امیر المؤمنین عمرؓ نے نہایت سلیقے سے جواب دیتے ہوئے کہا ''یہ لڑکا مجھ سے خفا ہو رہا ہے میں اسے جانتا ہوں یہ ابن ولیدؓ کا چچا زاد بھائی ہے'' اتنا کہہ کر امیر المؤمنین مسجد نبوی سے باہر چلے گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ خالد بن ولیدؓ کی معزولی کا خط اپنے سرہانے رکھ کر لیٹ گئے اور پوری رات خالدؓ بن ولید کی معزولی کے بارے میں سوچنے لگے۔ صبح اٹھ کر آپؓ نے مسلمانوں کی امامت کی اور ممبر پر کھڑے ہو گئے۔ آپؓ نے فرمایا:

"یا معاشر المسلمین! میں نے اپنے کندھوں پر ایک بہت بڑی اور بھاری امانت کا بوجھ اٹھالیا ہے۔ میں دراصل ایک چرواہا تھا۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ ہمارے عرب میں اونٹوں اور بکریوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ وتبارک نے ہم سے اپنے رسول مقبول ﷺ کے ذریعے بہت زیادہ مال غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا جو شخص اس امانت کا اہل نہیں، میں اس کو اس پر امیر مقرر نہیں کر سکتا۔ میں کیوں نہ اس پر ایک ایسے بندے کو منتخب کروں جو ادائے امانت میں لاثانی ہو اور جن کے بارے میں، میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے امین الامت کا خطاب سنا ہے۔

ابن ولیدؓ سے میری کوئی ذاتی رنجش یا شکوہ نہیں ہے لیکن وہ ایک امیر خاندان کے فرد ہیں اور ابھی تک ان کی عادتیں امیروں جیسی ہیں۔ شاعر جب ان کی تعریف کرتا ہے تو وہ اس کو انعام سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ میدان جنگ میں جب کوئی اس کے سامنے اپنی بہادری کے جوہر دکھاتا ہے تو اس کو اپنے حصے سے زیادہ نوازتے ہیں اور ضعیف اور کمزور مسلمانوں کے واسطے کچھ نہیں رکھتے۔ میں نے اپنی پوری سُوجھ بوجھ کے ساتھ ابو عبیدہؓ کو امیر مقرر کیا ہے جو کہ فن حرب وضرب کا ایک ماہر سالار، امین اور پرہیز گار شخص ہے، لہٰذا تمہیں اس پر کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ مجھے ابو بکرؓ کے دور خلافت میں پتہ چلا تھا کہ ابن ولیدؓ نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم محض اس کی شان میں قصیدہ کہنے پر دیے تھے، اگر اس نے یہ رقم مال غنیمت میں سے دی ہے تو یہ مجرمانہ خیانت ہے اور اگر اپنے حصے میں دی ہے تو یہ مجرمانہ اسراف ہے۔ اسلام میں خیانت اور اسراف کا تصور نہیں ہے، لہٰذا میں اسے معزول کرتا ہوں"۔

یہ کسی حد تک صحیح تھا کہ خالد بن ولیدؓ امیری میں پرورش پانے کی وجہ سے اخراجات کے معاملے میں محتاط نہیں تھے اور اس کا اظہار وہ خود بھی کیا کرتے تھے۔

☆☆☆

حضرت ابو عبیدہؓ دمشق کے اُمور سر انجام دینے اور آگے کی حکمت عملی بنانے میں مصروف تھے۔ ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک عربی عیسائی حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور

آپؓ کو مخاطب کر کے بولا اے سالار! آپ نے چونکہ میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے جسے میں تا مرگ فراموش نہیں کر سکتا، اس لیے میں آپ کی خدمت میں ایک عرض پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو مال غنیمت اور لشکر کے لئے سازوسامان چاہیے تو طرابلس کے قریب ''ابوالقدس'' نامی ایک قلعہ ہے۔ جہاں ایک عظیم الشان سالانہ میلہ لگتا ہے۔ اس میلہ میں دور دور کے تاجر بیچنے کے لیے مال تجارت لاتے ہیں۔ بڑی قیمتی اشیاء اور سونے چاندی سے آراستہ ریشمی کپڑوں کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں، یہ نہایت آسان شکار ہوگا کیونکہ میلے میں کوئی رومی فوج وغیرہ نہیں ہوتی۔

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے اپنے تمام سالاروں کو بلایا اور انہیں پوری تفصیل بتا دی۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا چونکہ ابوالقدس دشمن کا علاقہ ہے اور ہم دشمن کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں لہٰذا ہمیں اس میلے پر حملہ کرنا چاہیے۔ ایک تو ہمیں مال غنیمت مل جائے گا دوسری بات یہ کہ رومیوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔

ابوعبیدہؓ نے باری باری سب کو دیکھا اور کہنے لگے : تم میں سے کون اس چھاپہ مار کاروائی کے لیے جانا چاہتا ہے؟

ابوعبیدہؓ کی نظریں خالدؓ بن ولید کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ آپؓ حضرت خالدؓ کو متوجہ کرانا چاہتے تھے مگر آپ نے ان کی معزولی کی وجہ سے صاف لفظوں میں کہتے ہوئے شرم و حیا کے سبب احتراز کیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید خاموش رہے۔

وسط لشکر میں سے ایک نوجوان آپ کے سامنے کھڑا ہوا، اس کی داڑھی ابھی صحیح نہیں نکلی تھی کہنے لگے : سالار اعلیٰ! میں جاؤں گا۔

حضرت ابوعبیدہؓ اس کے جذبے اور اولوالعزمی سے نہایت خوش ہوئے اور اس کے ساتھ پانچ سو سواروں کا دستہ دے کر روانہ کر دیا۔ یہ نوجوان کوئی معمولی بندہ نہیں تھا۔ اس کا نام عبداللہ بن ابی جعفر طیارؓ تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی جعفرؓ کے بیٹے تھے جو معرکہ موتہ میں رومیوں کے خلاف لڑ کر شہید ہو گئے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ شکل و صورت میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہہ تھے۔

واقدی لکھتے ہیں ان پانچ سو سواروں میں ایسے جانباز بھی تھے، جو غزوہ بدر، غزوہ اُحد اور دیگر

دوسرے غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ جب حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ اطمینان کرلیا کہ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا وہم اور گمان بھی نہیں ہوسکتا تو آپؓ نے لشکر کو رخصت ہونے کا حکم فرمایا۔

واثلہ بن اسقعؓ فرماتے ہیں کہ جس رات ہم ابو القدس کی طرف نکلے، تو شعبان کی پندرہ تاریخ تھی (عیسوی سن کے مطابق یہ 14 اکتوبر 634ء کی رات تھی)۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا یہ رات نہایت مبارک رات ہے اور اسی رات رزق اور موت لکھی جاتی ہے۔

طلوع صبح کے وقت عبداللہ ابن جعفرؓ کا دستہ میلے کے قریب پہنچا۔ اسلامی دستے نے اپنے آپ کو حملے کے لیے تیار کیا لیکن اُس عیسائی عرب نے جو کہ اسلامی لشکر کا رہبر تھا، اس نے مسلمانوں کو حملے سے روکا کہ میں پہلے جا کر میلے کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوں۔

یہ عربی عیسائی واپس آ کر نہایت گھبرایا ہوا اور بے چین سا لگ رہا تھا۔ عبداللہ ابن جعفرؓ نے بے چینی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ! مجھے مسیح کی قسم! میں نے مال غنیمت کے حصول کے لیے جو کچھ آپ سے کہا تھا، وہ حق اور سچ تھا۔ میں جب میلے میں گیا، تو میلہ شروع ہو چکا ہے لیکن رومی فوج کی ایک کثیر تعداد میلے کی حفاظت کے لیے آچکی ہے۔ تعداد پانچ ہزار کے قریب ہوگی لہٰذا ان سے لڑنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ سب لوگ واپس چلے جائیں۔

واقدی اور بعض دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ سن کر مسلمان تذبذب کا شکار ہو گئے اور حملے کا ارادہ منسوخ کر کے لوٹ جانے کا ارادہ کرلیا۔

عبداللہ ابن جعفرؓ نے اسلامی لشکر سے رائے لینی چاہی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں لوٹ جانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا: میں بغیر کسی عذر خاص کے واپس نہیں لوٹ سکتا۔ تم میں سے جو شخص میری مدد کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جو شخص لوٹ کر واپس جانا چاہتا ہے، میری طرف سے اجازت ہے، جا سکتا ہے۔

عبداللہ ابن جعفرؓ کا دوٹوک جواب سن کر سب مجاہدین حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور

لبیک کہہ کر میلے کی طرف بڑھے۔ میلے پہنچ کر عبداللہ ابن جعفرؓ نے حملے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کا حملہ کرنا تھا کہ سارے کے سارے رومی فوجی اسلامی لشکر پر شیروں کی طرح جھپٹے۔ پانچ سو جانبازوں کا مقابلہ پانچ ہزار رومیوں سے تھا۔ اسلامی لشکر اپنے سے دس گنا لشکر کے گھیرے میں آگئے تھے۔ جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ وہ رومیوں کے گھیرے میں آگئے ہیں تو خود بخود گول ترتیب میں ہو گئے۔ اس سے یہ خدشہ تو دور ہوا کہ پیچھے سے کوئی حملہ کرے گا لیکن آخر مسلمان کب تک لڑتے، کیونکہ اپنے سے دس گنا لشکر کو وہ نہ تو سارے کے سارے قتل کر سکتے تھے اور نہ بھگا سکتے تھے۔

حضرت ابوہبیرہ بن عبدالعزیز بن ابی قیسؓ جو سابق الایمان اور صاحب ہجرتین ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ حنین جیسے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہا، اس کے بعد اجنادین اور دیگر معرکوں میں بھی شریک ہوا، لیکن جنگ ابوالقدس میں عبداللہ ابن جعفرؓ کے ساتھ جب میں لڑا تو میں پہلے تمام غزوات بھول گیا۔ یہ جنگ ان سب پر بھاری تھی۔ یہ جنگ ایسی تھی کہ ہمیں کسی دوسرے مسلمان بھائی کی طرف دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا۔ جب میں مسلمانوں کی تکبیروں کی آواز سنتا تو دل میں خیال آتا کہ ساتھی زندہ ہیں اور لڑ رہے ہیں، لیکن جب تکبیروں کی آواز بند ہوتی تو یک دم ذہن میں خیال آتا کہ سارے کے سارے شہید ہو چکے ہیں مسلسل تلواریں چلانے سے ہمارے بازوں شل اور سست ہو گئے تھے۔ عبداللہ ابن جعفرؓ کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ قریب تھا کہ بے دم ہو کر اپنے گھوڑے سے گرتے۔ ابوذر غفاریؓ باوجود بوڑھے ہونے کے نہایت بہادری اور جذبے سے لڑ رہے تھے۔ ہم سب یہ لڑائی اپنی زندگی کی آخری لڑائی سمجھ کر لڑنے لگے اور اپنی شہادت کا پورا یقین ہو گیا تھا۔ قریب تھا کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا لیکن تکبیر کی آوازیں سن کر حملے کے لیے پھر تیار ہو جاتے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے میلے پر حملہ کیا تو بھگدڑ مچ جانے سے پہلے حضرت عبداللہ بن انیسؓ انتہائی تیز رفتار گھوڑے سے دمشق پہنچ گیا تھا۔ دمشق پہنچ کر ابوعبیدہؓ سے فرمایا کہ اگر جلد از جلد ابوالقدس کمک روانہ نہ ہوا تو وہ سارے کے سارے شہید ہو جائیں گے۔

ابوعبیدہؓ یہ سن کر سخت رنجیدہ ہو گئے اور بے اختیار زبان سے۔۔۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔۔۔ نکلا اور حضرت خالدؓ کو مخاطب کر کے بولا:

''ابوسلیمان! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کی مدد کے لیے چلے جاؤ کیونکہ میں اس کام کے لیے تجھے ہی قابل سمجھتا ہوں''۔

حضرت خالدؓ نے تلوار اُٹھاتے ہوئے کہا: امین الامت! میں آپ کے حکم کا ہی منتظر تھا۔ ان شاء اللہ! میں بہت جلد ان کی مدد کے لیے جا پہنچوں گا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا: ابوسلیمان! میں تم سے کہتا ہوا شرماتا تھا۔

خالدؓ بن ولید نے کہا: خدا کی قسم! اگر عمرؓ مجھ پر کسی بچے کو بھی امیر بناتے، تب بھی میں اس کی اطاعت کرتا اور پھر آپؓ تو سابق الایمان اور امین الامت ہیں۔ خدا کی قسم! میں تیرے قدموں کی خاک کی بھی برابری نہیں کرسکتا۔ میں نے اپنی زندگی اللہ کی راہ میں وقف کر دی ہے، اب چاہے مجھ پر امیر کوئی بھی ہو، اس سے مجھ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مؤرخ واقدی اور طبری لکھتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، فوراً اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے پہنچیں۔

حضرت خالدؓ اپنے ساتھ ضرار بن الازورؓ اور رافع بن عمیرہؓ جیسے سالار مقرر کر کے اپنے دستے کے ساتھ ابوالقدس کے لیے روانہ ہو گئے۔

رافع بن عمیرہؓ کہتے ہیں کہ ہم اتنی عجلت کے ساتھ نکلے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے واسطے زمین کی طنابیں کھینچ لی تھیں۔ غروب آفتاب کے قریب ہم اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے میدان جنگ میں کُود پڑے تھے۔

واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ ہم اپنی جانوں سے ناامید ہو گئے تھے۔ شام کا وقت تھا کہ حضرت خالدؓ مع اپنے ساتھیوں کے میلے میں پہنچ گئے۔ خداوند تعالیٰ عبداللہ بن جعفرؓ، ابوذر غفاریؓ اور مسیب بن نخبۃ الفرازیؓ کو جزائے خیر دے انھوں نے اللہ کی خوشنودی کے لیے جان پر کھیل کر رومیوں کو روکے رکھا تھا۔ حضرت ضرارؓ جب عبداللہ بن جعفرؓ تک پہنچے تو ان کے آستینوں نیزان کے تمام بدن پر اونٹ کی کلیجی جیسے خون کے لوتھڑے جمے ہوئے تھے۔ خالد بن ولیدؓ کی کمک سے مسلمانوں میں جان آ گئی اور سب ایک ساتھ رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اب مسلمانوں کی تعداد رومیوں سے زیادہ ہو گئی تھی رومی گھیرے میں آ گئے تھے معرکہ بڑا خونریز اور شدید تھا۔ مسلمانوں نے رومیوں کو

بری طرح سے کاٹا اور تھوڑی ہی دیر میں رومی سوار معرکے سے نکل نکل کر بھاگنے لگے اور آخر کار اپنے پیچھے بہت ساری لاشیں چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے اپنے زخمیوں اور شہیدوں کو اٹھایا زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور شہیدوں کو وہی دفن کیا اور کامیاب و کامران لوٹے۔

دمشق میں حضرت ابوعبیدہؓ اپنے لشکر کی خبر سننے کے لیے بے چین بیٹھے تھے، انہیں اپنے سالار تسلیاں دیتے رہے لیکن وہ مطمئن نہیں تھے۔

اسلامی لشکر دمشق پہنچ کر اپنے ساتھ کثیر مال غنیمت لے آیا لیکن اپنے ساتھیوں کی شہادت اور زخمیوں کی خبر سن کر حضرت ابوعبیدہؓ نہایت مغموم ہو گئے۔

واقدی لکھتے ہیں کہ یہ جنگ اور فتح تین شخصوں کی طرف منسوب کی گئی۔ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ، حضرت عبداللہ بن انیس جنہوں نے مسلمانوں کو خبر دی تھی اور حضرت خالدؓ بن ولید۔ ابوعبیدہؓ نے مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) خلافت کے لیے مدینہ روانہ فرمایا اور اس کے ساتھ امیر المؤمنین عمرؓ کو پوری تفصیل لکھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی بے تحاشہ تعریف کی تھی اور امیر المؤمنین عمرؓ سے التجا کی تھی کہ حضرت خالدؓ کی دادرسی اور تعریف کے لیے خط روانہ کر دیں۔

☆☆☆

ہرقل انطاکیہ میں بیٹھا ہوا ایک ہی خبر سنتا کہ فلاں قلعہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے، فلاں میدان سے رومی بھاگ کر انطاکیہ پہنچ گئے، مسلماں فلاں قلعے کی طرف پیشقدمی کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی خبروں نے ہرقل کی نیندیں چرالی تھیں۔ اس نے اپنے وزیروں، سالاروں اور مشیروں کو بلا کر ہر میدان میں شکست کی وجہ پوچھی کہ کیا وجہ ہے کہ باوجود ہم زیادہ تعداد میں ہونے کے ہر میدان میں شکست کھا جاتے ہیں؟

سالاروں میں سے ایک سالار نے کہا کہ مسلمان اپنے مذہب کی بنیاد پر لڑتے ہیں جبکہ ہم نے اپنے مسیح کے دین کو بھلا دیا ہے اور ہمارے فوجی عیش و عشرت کی زندگی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

دوسرے سالار نے کہا کہ مسلمانوں کی کامیابی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جس شہر کے لوگ مسلمانوں سے جزیہ پر صلح کر لیتے ہیں، ان کے ساتھ مسلمان بہت اچھا سلوک کرتے ہیں اور ان کی عورتوں اور جوان لڑکیوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے

ہیں اور ان کے مذہب کا احترام کرتے ہیں۔ یہ خبریں اتنی مشہور ہو گئی ہیں کہ ہماری عوام فوج کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور صلح کرنے پر راضی ہو جاتی ہے اس کا کوئی علاج ہونا چاہیے۔ ہرقل نے کہا، اس کا علاج صرف مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دے کر ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے۔

ہرقل نے شام کے مختلف علاقوں سے فوج اکٹھی کر کے اردن کے مغربی کنارے بیسان پر اسّی ہزار فوج بھیج دی۔ ہرقل نے اپنی فوج رخصت کرتے وقت کچھ ضروری ہدایات دی۔ حقیقت میں ہرقل کا مقصد دمشق کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا تھا کیونکہ دمشق ہی وہ شہر تھا جہاں پر مسلمان اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے۔

دمشق فتح کرنے کے بعد ابوعبیدہ بن جراح نے جاسوسی کا نظام بہت بہتر کیا تھا اور اپنے جاسوس دور دراز علاقوں میں بھیجے تھے ایک روز دمشق میں ایک جاسوس آیا جو نہایت سرعت اور پریشانی کی حالت میں تھا۔ اس نے ابوعبیدہ کو بتایا کہ رومیوں کا ایک کثیر لشکر بحیرہ روم کے راستے اردن کے مغربی کنارے میں پہنچ گیا ہے۔ جاسوس نے یہ اطلاع بھی دی کہ رومیوں کا لشکر ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ جاسوس نے اپنے اندازے کے مطابق تعداد ایک لاکھ بتائی تھی حالانکہ اصل تعداد اسّی ہزار تھی۔

ابوعبیدہ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور کہا:

"مجاہدین اسلام! شکر ادا کرو اس ذات باری کا، جس نے ہر میدان میں ہمیں فتح عطا کی۔ میں تمہیں احساس دلاتا ہوں کہ ہم اللہ کی راہ میں اتنے دور آئے ہیں جہاں سے ہماری واپسی ناممکن ہے۔ اللہ نے ہمیں سخت امتحان میں ڈالا ہے اگر ہم اس امتحان میں پورے اترے تو یہ آگے آنے والی نسلوں کے لیے ایک روایت بن جائے گی۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم نہ مال غنیمت کے لیے لڑتے ہیں اور نہ زمین کے ٹکڑے کے لیے۔ ہمارا فرض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو پوری دنیا میں پھیلانا ہے۔ اب اسی فرض کے سامنے دشمن نے ہمارے سامنے دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔

دشمن کے ایک لاکھ لشکر کا ہمارے مقابلے کے لیے نکلنے کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دمشق پر حملہ کریں گے۔ اگر دمشق ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا تو پھر ہمارے لیے کہیں بھی قدم جمانا مشکل ہو جائیگا لہٰذا ہمیں دمشق کی حفاظت کے لیے جان پر کھیلنا ہوگا"۔

☆☆☆

ذیقعد ۱۳ ھجری بمطابق جنوری 635ء میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے تیس ہزار لشکر لے کر فحل کی طرف کوچ کرلیا۔ آپ نے حضرت یزید بن ابو سفیانؓ کو دمشق پر امیر مقرر کر کے انہیں اپنا نگران مقرر فرمایا اور خود فحل کی طرف نکل پڑے۔

اسلامی لشکر نے فحل پہنچ کر وہاں دریا کے کنارے ایک دلدل پائی۔ یہ دلدل ایک میل دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دلدل اصل میں رومیوں نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے بنائی تھی۔ انہوں نے بیسان کے مقام پر دریا میں پتھروں کا بند باندھا تھا اور دریا کے دونوں کنارے توڑ دیئے تھے یہ سطح سمندر سے نیچے اور نشیبی علاقہ تھا اس لیے مسلمان دلدل میں سے نہیں گزر سکتے تھے۔

ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے لشکر کو دلدل سے کچھ دور ہٹا کر پیچھے کر دیا اور انہیں جنگی ترتیب میں کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے شرحبیل بن حسنہؓ کو قلب لشکر پر امیر مقرر کر دیا۔ دائیں ہاتھ پر خود کھڑے ہو گئے اور بائیں طرف پر عمرو بن العاصؓ کو سالار مقرر فرمایا۔ حضرت خالدؓ کو ہراول پر امیر مقرر کر دیا جبکہ سوار دستے کی کمان ضرار بن ازورؓ کے سپرد کر دی۔

رومی سالار سقلار تھا جو ایک تجربہ کار اور جنگجو سالار تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس دلدلی علاقے میں ایک ایسی جگہ بھی تھی جہاں کے نیچے زمین سخت تھی اور آسانی سے گھوڑوں کے ذریعے گزرا جا سکتا تھا لیکن اس قسم کے راستے کا علم صرف رومیوں کو تھا۔

سقلار نے اپنے سالاروں کو بلایا اور کہا:

"عظمت روم کے پاسبانو! آج تمہارا دشمن ہمارے پھندے میں آ گیا ہے۔ مسلمان دلدل میں سے نہیں گزر سکے لہٰذا انہوں نے دریا کے دوسری طرف فحل کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ہے۔ ہم آج رات مسلمانوں پر شب خون ماریں گے کیونکہ وہ رات کو گہری نیند میں سوئے ہوں گے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ دلدل انہیں ہم سے محفوظ رکھے گی۔ ہم نے آج رات اپنے خون کا بدلہ لینا ہے اور شہنشاہ ہرقل کا یہ وہم دور کرنا ہے کہ ہم مسلمانوں کو کبھی شکست دے نہیں سکتے"۔

۲۷ ذیقعد ۱۳ ھجری بمطابق 23 جنوری 639ء کا سورج غروب ہو گیا تو رومی سالار سقلار نے اپنے لشکر کو حملے کا حکم دے دیا، انہوں نے اپنے لشکر کو دلدل کے محفوظ والے راستے سے گزارا۔

سقلار نے دیکھا کہ اسلامی لشکر پہلے ہی سے لڑنے کی ترتیب میں تیار ہے۔ اسلامی لشکر کی ایک خوبی تھی کہ جب اور جہاں بھی وہ رات کو قیام کرتے تو پہرہ داری کے لیے کچھ دستے مقرر کرتے اور انہیں آگے بھیج دیتے۔ جب سقلار اپنے لشکر کے ساتھ دلدل میں سے گزر رہا تھا تو ایک جاسوس نے مسلمانوں کو اطلاع دی کہ رومی لشکر آگے بڑھ رہا ہے، لہٰذا مسلمان پہلے ہی سے جنگی ترتیب میں ہو گئے تھے۔

سقلار نے مسلمانوں کو جنگی ترتیب میں دیکھ کر حملے کا حکم دیا۔ رومی مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کرتے رہے لیکن اسلامی لشکر رات کو دفاعی جنگ لڑتے رہے۔ سقلار اپنے دستوں کے ساتھ جوق در جوق حملے کرتا اور مسلمان نہایت سلیقے سے اس کا حملہ روکتے رہے۔ رومی ہر حملے میں بے شمار لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتے۔ آخر مسلمانوں کے کچھ دستوں نے رومی سالار سقلار کو گھیرے میں لے لیا۔ سقلار کو ان کے محافظوں نے حصار میں لے رکھا تھا لیکن محافظ سقلار کو بچانے میں ناکام رہے اور مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں آ گیا۔

مجاہدین نے بلند آواز سے نعرہ بلند کیا:

''خدا کی قسم! ہم نے رومی سالار کو قتل کر دیا ہے، رومیوں اپنا پرچم اٹھاؤ''۔

رومیوں نے جب دیکھا کہ ان کا پرچم نظر نہیں آ رہا تو نہایت بددل ہو گئے لیکن کسی نائب سالار نے پرچم اٹھا لیا اور لڑائی جاری رکھی۔ فریقین ساری رات لڑتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میدان جنگ لاشوں سے بھرتا جا رہا تھا کئی مسلمان بھی شہید ہو گئے تھے لیکن اس کے برعکس رومیوں کی اموات کئی گنا زیادہ تھیں۔

قلب کے سالار شرحبیل بن حسنہؓ نے للکار کر بولا :

اسلام کے علمبردارو! تم نے رومیوں کو انہی کے خون میں نہلایا ہے تم نے ساری رات ان کے حملے روکے ہیں، اب ہماری باری ہے''۔

اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا اور مسلمان شیروں کی طرح رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ رومی حملوں سے تھک چکے تھے مسلمان چونکہ دفاعی جنگ لڑ رہے تھے لہٰذا انہوں نے اپنی جسمانی طاقت کو ضائع نہیں ہونے دیا تھا یہ ہلہ اتنا شدید اور تیز تھا جس طرح ایک تازہ دم لشکر دشمن پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ اس حملے نے رومیوں کو تتر بتر کر دیا اور رومیوں کی ترتیب گڈ مڈ ہو گئی۔ لشکر کے میمنہ اور میسرہ سے تاریخ ساز سالار

ابوعبیدہ بن جراحؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے دشمن پر حملہ کر کے سکڑنے پر مجبور کر دیا کہ قلب سے شرحبیل بن حسنہؓ نے حملہ کر کے رومیوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔

گھڑسوار دستوں کے سالار ضرار بن ازورؓ نے اپنے معمول کے مطابق خود اور قمیص پھینک کر نیم برہنہ ہو گئے تھے اور کافروں کے اندر گھس گئے تھے۔ اس لڑائی میں اگرچہ مسلمانوں کی نفری رومیوں کی نسبت بہت کم تھی لیکن اس کمی کو ان سالاروں نے ذاتی شجاعت، جارحانہ قیادت اور عسکری فہم وفراست سے پورا کیا تھا اور سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی کہ رومی بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

رومی اپنی کثیر جانی نقصان اور خون آلودہ لاشیں دیکھ کر ایسی بے ترتیبی سے بھاگے کہ انہیں دلدل کا خیال تک نہ آیا اور اپنے ہی بنائے گئے جال میں پھنس گئے۔ اب آگے دلدل تھی اور پیچھے اسلامی لشکر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے دلدل میں پھنسے ایک ایک رومی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں شریک سارے کے سارے رومی قتل ہو گئے تھے۔ بہرحال رومیوں کی بہت کم تعداد نے بھاگنے میں کامیاب ہو کر اپنی زندگی بچائی تھی۔

یہ لڑائی چونکہ فحل کے مقام پر ہوئی تھی لہٰذا معرکہ فحل کے نام سے مشہور ہے۔ بعض مؤرخین اس کو ذات الروعہ (کیچڑ کی لڑائی) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

سالار اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید کے ساتھ حمص کا رخ کیا اور شرحبیل بن حسنہؓ فحل سے آگے بڑھ کر بیسان پہنچ گئے۔

☆☆☆

بیسان رومیوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ یہ لوگ پہلے ہی سے اسلامی لشکر کی آمد کا انتظار کر رہے تھے لیکن شہریوں میں خوف وہراس پھیل چکا تھا۔ شرحبیل بن حسنہؓ نے یہاں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور بلند آواز سے رومیوں کو للکارا۔

''اے رومیو! خون خرابے کے بغیر قلعہ ہمارے حوالے کر دو، ہتھیار ڈال دو اور جزیہ قبول کر لو۔ اگر جزیہ قبول نہیں کرو گے تو بیسان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور پھر ہم سے بخشش کی امید نہ رکھنا''۔

شرحبیل بن حسنہؓ نے کئی دِنوں تک قلعے کا محاصرہ جاری رکھا آخر ایک روز رومی محاصرے

سے تنگ آ کر لڑائی کے لیے باہر آ گئے اور مسلمانوں پر حملہ بول دیا۔ دشمن اپنی تعداد کے بل بوتے پر اس طرح لڑے کہ قریب تھا کہ مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیتے لیکن اسلامی لشکر کے سالار کاتب رسول ﷺ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ایسی چالیں چلیں کہ خود قلعے سے دور ہٹ کر دشمن کو یہ احساس دلایا کہ وہ پسپائی اختیار کر رہے ہیں، ساتھ ہی چند بہادر شہسوار قلعے کے دروازوں کی طرف بھیج دیئے اور آگے سے شدید حملہ بول دیا۔ اب رومی قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگ رہے تھے کہ پیچھے سے اسلامی لشکر نے انہیں کاٹنا شروع کر دیا۔ رومی فوج مسلمانوں کے بیچ میں آ گئی تھی رومی ایسے تتر بتر ہوئے کہ امان امان کے نعرے بلند کرتے ہوئے قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگے۔

رومیوں کا شدید جانی نقصان ہوا اب ان میں مزید لڑنے کی ہمت ہی نہیں رہی تھی آخر کار انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور جزیہ کی شرط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ یہ شرائط عین دمشق کی صلح کی طرح تھی۔

فروری 635ء (ذی الحجہ ۱۳ھ) کے آخری ہفتے میں بیسان مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ بیسان کے چند دنوں بعد اہل طبریہ نے بھی مسلمانوں سے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی اور یوں پورا اردن نہایت پر امن طریقے سے خلافت کا حصہ بن گیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اردن کا امیر مقرر کر کے سارے امور اُن کے حوالے کر دیے۔

☆☆☆

شہنشاہ ہرقل کو اطلاع مل چکی تھی کہ فحل کے مقام پر ان کے سالار سقلار اپنی کثیر نفری کے ساتھ قتل ہو چکا ہے اور انہوں نے مسلمانوں کو پھنسانے کے لیے جو دلدل بنائی تھی، وہی دلدل رومی فوجیوں سے بھری پڑی ہے۔ انہیں یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ بیسان کے قلعہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور یوں پورا اُردن اب خلافت اسلامی کا حصہ بن گیا ہے۔ ان خبروں نے شہنشاہ ہرقل کی نیندیں حرام کی ہوئی تھی۔

ہرقل ہمت ہارنے والا شہنشاہ نہیں تھا۔ اس کی زندگی جنگ وجدل اور فتح وشکست میں گزری تھی۔ اسے روم کی شہنشاہی 610ء میں ملی تھی اور اپنے دور حکومت کے ابتدائی بیس سال دشمنوں

کے خلاف لڑنے میں گزار دیئے تھے۔ اُس نے سلطنت روم کی سرحدیں شام، فلسطین، اردن، ترکی، یونان اور شمالی افریقا تک پھیلائی ہوئی تھیں۔

ہرقل نے مارچ 635ء (۱۴ ھجری) میں اپنے سالاروں کو بلایا:

''میں اپنی فوج میں وہ جذبہ نہیں دیکھ رہا جو مسلمانوں میں ہے۔ اپنے تمام سپاہیوں کو اطلاع دیں کہ اپنے مذہب اور عقیدے کے بل بوتے پر لڑیں اور کچھ نہیں تو اپنی عزت اور وقار کی خاطر تو لڑیں۔ تمھیں اپنی جوان بیٹیوں اور بہنوں کی پرواہ نہیں۔ میں نے اپنی زندگی کے بیس سال مسلسل لڑ کر سلطنت روم کی عظمت کو بلند کیا ہے اور اب بھی وہی عظمت میں بحال کروں گا لیکن تمھیں مسلمانوں کے خلاف مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور سب کچھ بھلا کر نئے سرے سے لڑنا ہوگا''۔

ہرقل کی تقریر سن کران کے سالاروں نے پر جوش آواز میں جواب دیا کہ سلطنت روم کی عظمت کی خاطر ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔

ہرقل نے کہا جوش باتوں میں نہیں، میدان جنگ میں دکھایا جاتا ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تم اپنی جانیں قربان کر دو گے لیکن تاریخ یہ دیکھے گی کہ تمہاری جانیں کس کام آئیں اور تم دشمن کو مار کر مرے تھے یا میدان جنگ میں مارے جانے والے سپاہیوں کی طرح صرف مارے گئے تھے۔

سلطنت روم کے پاسبانو! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ دمشق کا دفاع کمزور ہے، ہمیں ہر حال میں دمشق مسلمانوں سے آزاد کرانا ہے کیونکہ یہ ہمارا فوجی مرکز تھا جسے مسلمانوں نے اپنا مرکز بنالیا ہے۔

اس نے اپنے ایک سالار شنس سے کہا کہ وہ حمص سے اپنے دستے لے کر دمشق پہنچے۔

اپنے ایک دوسرے سالار تھیوڈورس سے مخاطب ہو کر بولا تم اپنے ساتھ زیادہ سے زیادہ نفری لے کر دمشق کی طرف کوچ کرو۔ تمہارا کام دمشق تک پہنچنے والے اسلامی لشکر کی کمک کو روکنا ہے تاکہ مسلمانوں کی امداد کے لیے کوئی دستہ وہاں پہنچ نہ سکے۔

ہرقل نے اپنے سالاروں کو رخصت کرتے وقت تاریخی اہمیت کے حامل کچھ الفاظ کہے تھے جواب بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

''جو قوم اپنی شکست کو بھول جاتی ہے، اسے زمانہ بھول جاتا ہے اور جو قوم اپنے دشمن سے نظریں پھیر لیتی ہے وہ ایک روز اسی دشمن کی غلام بن جاتی ہے۔ تمہاری عظمت سلطنت کی عظمت کے

ساتھ وابستہ ہے۔ سلطنت کی عظمت کا دفاع نہیں کرو گے تو بے وقار زندگی بسر کرو گے اور گمنام مرو گے“۔

ہرقل کے ان الفاظ نے سالار تھیوڈورس اور شنس کو اتنا متأثر کیا تھا کہ وہ اسی وقت دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

اسلامی لشکر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فحل سے حمص کی طرف جا رہا تھا۔ حمص فحل سے تقریباً اسی میل کے فاصلے پر تھا۔ حمص اور فحل کے درمیان ایک سبزہ زار تھا۔ یہ علاقہ نہایت خوبصورت اور روح پرور تھا۔ اس علاقے کا نام ”مرج الروم“ تھا۔ ابھی اسلامی لشکر مرج الروم سے کچھ فاصلے پر تھا کہ ایک مسلمان جاسوس شکاری کے روپ میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جاسوس سے پوچھا : کیا خبر لائے ہو؟

مسلمان جاسوس نے کہا کہ مرج الروم کے مقام پر دشمن کی ایک کثیر تعداد خیمہ زن ہے اور ان کی امداد کے لیے ایک دوسرا دستہ بھی مرج الروم کی طرف آ رہا ہے۔ اس جاسوس نے جس رومی فوج کی موجودگی کی اطلاع دی تھی، مؤرخین کی مطابق وہ رومی سالار تھیوڈورس کے دستے تھے اور جو رومی فوج آ رہی تھی وہ رومی سالار شنس کا دستہ تھا۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام سالاروں کو بلایا اور ان سے فرمایا :

”ہمیں اپنے ایک جاسوس کے ذریعے پتہ چلا ہے کہ رومی فوج کے دو لشکر مرج الروم کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ رومیوں کا مقصد دمشق پر حملہ ہوسکتا ہے لہٰذا ہمیں بھی دو حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے“۔

تمام سالاروں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مشورے کی تائید کی اور کہا جو آپ بہتر سمجھتے ہیں وہی کیجئے، ہم تیار ہیں۔ اس کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کی رکابوں میں کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے اپنے تمام لشکر کو مخاطب کیا:

”مجاہدین اسلام! دشمن نے ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ کیا تم نے کفر کے پہاڑوں کے سینے چاک نہیں کئے؟ کیا شرک اور ارتداد کی چٹانوں کو تم نے پہلے روندا نہیں؟ یہ رومی فوج جو

ہمارے راستے میں خیمہ زن ہے اگرچہ یہ تعداد میں ہم سے بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں ایمان کی وہ طاقت نہیں جو تم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ ہوتا ہے، باطل کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اپنے دل میں رکھو اور اپنے آپ کو ایک اور معرکے کے لیے تیار کرلو"۔

تمام مجاہدین یک آواز ہو کر بلند آواز سے کہنے لگے ہم تیار ہیں لبیک یا امین الامۃ۔

حضرت ابو عبیدہؓ کے مشورے کے مطابق اسلامی لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک حصے کے سالار خالد بن ولیدؓ مقرر ہوئے جبکہ دوسرے حصے کی قیادت امین الامت نے خود اپنے پاس رکھی۔

جب اسلامی لشکر مرج الروم کے مقام پر پہنچ گیا تو رومی لشکر کے دونوں دستے پہلے ہی سے لڑائی کے لیے تیار کھڑے تھے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ جس جگہ مرج الروم کا واقعہ پیش آیا تھا آج کل وہاں کوفہ کا شہر آباد ہے۔

ابو عبیدہؓ نے اپنے لشکر کو رومی سالار شنس کے دستوں کے سامنے صف آراء کیا، جبکہ خالدؓ بن ولید رومی سالار تھیوڈورس کے دستوں کے سامنے صف آراء ہوئے۔ مرج الروم کا واقعہ مشہور مؤرخ ابن کثیر، ابن خلدون اور ہنری سمتھ نے تقریباً ایک جیسے حالات وواقعات کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

سورج غروب ہو گیا لیکن کسی لشکر نے کوئی حرکت نہ کی۔ شاید دونوں لشکر ایک دوسرے کے حملے کا انتظار کر رہے تھے لیکن کسی لشکر نے پہل نہ کی اور رات کا اندھیرا چھا گیا۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے رومی لشکر کے کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود حملے میں پہل نہ کرنے کو دشمن کی ایک چال سمجھی لہٰذا انہوں نے کچھ دستوں کو آرام کا مشورہ دیا اور کچھ دستوں کو پہرہ داری پر لگا دیا۔

اسلامی لشکر کے دوسرے حصے کے سالار خالدؓ بن ولید تھے وہ نہ خود سوئے اور نہ اپنے لشکر کے دوسرے حصے کو سونے دیا کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ رومی رات کے اندھیرے میں شب خون ماریں گے۔

آدھی رات کے وقت خالدؓ کو رومیوں کے پڑاؤ کی طرف سے کچھ ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ جس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ دشمن کسی نہ کسی سرگرمی میں مصروف ہے۔ خالدؓ دشمن کے پڑاؤ کی طرف آگے نکل گئے تاکہ دشمن کے ارادوں کے متعلق معلوم کر سکیں۔ وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں

رومی سالار تھیوڈورس کے دستوں کو ہونا چاہیے تھا لیکن اب وہاں کوئی بھی رومی موجود نہیں تھا۔ خالدؓ دوسرے سالار شنس کے دستوں کی طرف گئے تو معلوم ہوا کہ وہاں رومی دستے اب بھی موجود ہیں۔ وہاں سے دور ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے پہرہ داری پر مقرر کردہ دستے بھی موجود تھے جو دشمن کے ارادوں اور نقل وحرکت پر جاسوسی کا کام کررہے تھے۔

خالد بن ولیدؓ بڑی سرعت سے حضرت ابوعبیدہؓ کے خیمہ میں پہنچے اور انہیں بتایا کہ رومیوں کی آدھی فوج غائب ہوگئی ہے۔

دونوں سالار رومیوں کی آدھی نفری اچانک غائب ہونے پر غوروسوچ کررہے تھے کہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے کہا : ممکن ہے کہ رومیوں کی آدھی نفری دمشق پر حملہ کرنے چلی گئی ہو۔ خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کی تجویز سے اتفاق کیا اور کہا : ہرقل نے ضرور ایسا ہی سوچا ہوگا۔

ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے خالدؓ بن ولید کو مخاطب کرکے فرمایا ''کیوں نہ آپ دمشق روانہ ہوجائیں اور یزید بن ابی سفیانؓ کی مدد کریں۔ میں یہاں پر ٹھہر کر باقی لشکر کو روکے رکھوں گا''۔

خالدؓ بن ولید نے ابوعبیدہؓ کی رائے کی تائید کی اور اسی وقت دمشق کی طرف کوچ کیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہرقل نے بڑی کارگر ترکیب سوچی تھی اس نے اپنے سالاروں کو تاکید کی تھی کہ اسلامی لشکر کو دمشق کی حفاظت سے غافل رکھو اور دمشق کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑاؤ۔ لہٰذا انہوں نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کے دستوں کو مرج الروم کے مقام پر روکے رکھا اور رات کے وقت نہایت خاموشی کے ساتھ دمشق چلے گئے۔

مرج الروم میں صبح طلوع ہوتے ہی رومی سالار شنس نے ابوعبیدہؓ کے دستوں پر حملہ کیا۔ ابوعبیدہؓ پہلے ہی سے لڑائی کی ترتیب میں کھڑے تھے انہوں نے بھی رومیوں پر حملے کا حکم دیا۔ ابوعبیدہ بن جراحؓ نے اپنے لشکر کو حسب معمول تین حصوں میں تقسیم کیا۔ میمنہ، میسرہ اور قلب۔ قلب کی کمان امین الامت خود ہی کررہے تھے اسلامی لشکر نے رومیوں کے دونوں پہلوں پر حملہ کرکے ان کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔

ابوعبیدہ بن الجراحؓ قلب سے آگے بڑھے اور رومی سالار شنس کو اپنے مقابلے کے لیے للکارا۔ رومی سالار شنس سرتاپاؤں آہنی لباس میں ملبوس نہایت شاہانہ انداز میں ابوعبیدہؓ کے مقابلہ میں

نکل آیا۔ دونوں سالاروں نے ایک دوسرے پر وار کیے اور دونوں کی تلواریں ٹکرائیں ہر سالار مخالف پر فیصلہ کن وار کرتا لیکن دونوں سالار نہایت سلیقے سے ایک دوسرے کے وار کو روکتے۔ طرفین فن حرب وضرب کے کمالات دکھانے لگے۔ شنس نے ذرا دور جا کر گھوڑے کو موڑا۔ حضرت ابوعبیدہؓ ان کے تعاقب میں گھوڑے کو ایڑ لگا کر اچانک مڑے، ابھی شنس سیدھا بھی نہیں ہوا تھا کہ ابوعبیدہؓ کی تلوار اس کے کندھے پر پڑی ،لیکن اس کے زرہ نے اسے بچالیا۔ دونوں پھر حملے کے لیے تیار ہوئے۔ شنس نے تلوار اٹھا کر ابوعبیدہؓ پر وار کیا، ابوعبیدہؓ نے تلوار کو ڈھال پر روک کر دوسرے ہاتھ سے برچھی کی طرح وار کر کے تلوار اس کی بغل میں اتار دی۔ شنس نے زخم سے بے تاب ہو کر گھوڑے کو دوڑانا چاہا، لیکن ابوعبیدہؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کی ٹانگ پر بھر پور وار کیا اور شنس کی ٹانگ کاٹ ڈالی۔ وہ اپنے گھوڑے پر گر رہا تھا کہ ابوعبیدہؓ نے ایک وار کر کے اس کی گردن کاٹ ڈالی شنس کا سر پورا تو نہ کٹا لیکن الگ ہو کر لٹکنے لگا۔ اس کی لاش گھوڑے سے اس طرح گری کہ ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ ابوعبیدہؓ نے شنس کے گھوڑے کو تلوار کی نوک چھبوئی۔ گھوڑا بدک کر دوڑ پڑا اور اپنے سالار کی لاش گھسیٹتا ہوا میدان جنگ میں دوڑتا رہا۔

اس کے ساتھ ہی ابوعبیدہؓ نے اپنے قلب کے دستے کو دشمن کے قلب پر حملے کا حکم دے دیا۔ رومی اپنے سالار کے قتل ہونے سے بدظن ہو گئے تھے۔ اسلامی لشکر کے دونوں پہلوں نے ایک تیز ہلہ بول دیا جس کی وجہ سے رومی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے پیچھے بہت ساری لاشیں اور زخمیوں کو چھوڑ کر حمص کی طرف بھاگ گئے۔

مرج الروم کا یہ معرکہ محرم الحرام ۱۴ ھجری بمطابق مارچ 635ء میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

☆☆☆

اسی صبح دمشق کے باہر بھی خونریزی ہو رہی تھی۔ ہرقل کا یہ خیال کہ مسلمانوں کو دمشق کی حفاظت سے غافل رکھا جائے، غلط ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ابوعبیدہؓ نے پہلے ہی سے دشمن کا ارادہ بھانپ لیا تھا۔ لہٰذا خالدؓ بن ولید، یزید بن ابوسفیانؓ کی مدد کے لیے دمشق پہنچ گئے تھے۔

یزید بن ابی سفیانؓ کو رومی سالار تھیوڈورس کے دستوں کی آمد کی خبر پہلے ہی ہو گئی تھی انہوں نے اپنے چھوٹے سے دستے کو شہر سے باہر نکال کر صف آراء ہونے کا حکم دے دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مسلمان محاصرے میں لڑنے کے عادی نہیں تھے۔ انہیں محاصرے کا تجربہ تو تھا لیکن محصور ہو کر لڑنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ دوسرا محصور ہو کر لڑنا انہیں نہ صرف ناپسند تھا ، بلکہ اسے اپنی بزدلی اور عار سمجھتے تھے۔ یہی بات تھی کہ یزید بن ابی سفیانؓ اپنے چند جانبازوں کے ساتھ قلعے سے باہر دشمن کے مدمقابل صف آراء ہوئے تھے۔

رومی سالار تھیوڈورس جب دمشق پہنچا تو مسلمانوں کو قلعے سے باہر منتظر پایا۔ تھیوڈورس کو معلوم تھا کہ دمشق کے دفاع کے لیے مسلمانوں کی صرف یہی نفری ہے، جو باہر کھڑی ہے۔ اس نے اپنی کثیر تعداد کے مقابلے میں چند مسلمانوں کو دیکھ کر جوش میں آکر کہا کہ عرب کے ان بدوؤں کو کچل ڈالو۔ دمشق تمہارا ہے۔

دشمن کی کثیر تعداد کے مقابلے میں مسلمان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ رومی بڑھ بڑھ کر مسلمانوں پر حملے کرتے رہے۔ صورت حال ایسی تھی کہ نہ صرف دمشق ہاتھوں سے جارہا تھا بلکہ مجاہدین میں سے کسی کا بھی زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔

یزید بن ابی سفیانؓ نے اپنی قلیل تعداد کو دیکھ کر دستوں کو پھیلنے کا حکم دے دیا اور انہیں دفاعی جنگ لڑنے کا حکم دیا۔ اب مسلمان صرف اپنے آپ کو تلواروں اور تیروں سے بچاتے تھے، وہ جوابی حملہ نہیں کر سکتے تھے۔

آدھا دن گزر گیا، سورج سر کے اوپر آ گیا تھا۔ رومی سالار تھیوڈورس پیچھے سے تازہ دم لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے آگے بھیجتا، لیکن مسلمانوں کے جسم اب جواب دینے لگے تھے۔ ان کے بازو شل اور گھوڑے تھک گئے تھے۔ تقریباً سب کے سب زخمی اور کئی ساتھی شہید ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے ذہنی طور پر شکست کو تسلیم کر لیا تھا لیکن وہ پسپائی کے عادی نہیں تھے اور جیتے جی وہ یہ بھی نہیں سننا چاہتے تھے کہ دمشق مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ ان کی تنظیم ٹوٹ گئی تھی اب تمام مجاہدین انفرادی طور پر لڑ رہے تھے یزید بن ابی سفیانؓ سالار سے سپاہی بن گئے تھے۔

اچانک رومیوں کے عقب میں شور اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے رومیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں کو اب پتہ ہی نہیں تھا کہ رومیوں پر کون سی آفت ٹوٹ پڑی ہے۔ یزید بن ابی سفیانؓ نے بلند آواز سے کہا اسلام کے علمبردارو! اللہ کی مدد آ گئی ہے اپنے حوصلے بلند رکھو۔

شکست خوردہ مسلمانوں کے جسموں میں جان آ گئی کہ اتنے میں ان کے کانوں میں ایک آواز پڑی۔

انافارس الضدید۔۔۔انا خالد بن ولید۔۔۔

یزید بن ابی سفیانؓ نے گلا پھاڑ پھاڑ کر اعلان کیا : خدا کی قسم! ابن ولیدؓ آ گیا ہے۔ اللہ کی مدد پہنچ گئی ہے۔ اللہ نے تمہاری فریاد سن لی ہے۔

اگلے چند لمحات میں جنگ کا پھانسہ پلٹا اور رومیوں کی قتل عام شروع ہوگئی۔ خالدؓ کو دور سے رومیوں کا پرچم نظر آیا وہ فوراً اپنے محافظوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور رومی سالار تھیوڈ ورس سے مدمقابل ہوئے۔ خالدؓ نے تھیوڈورس کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا اور ایک ایسا وار کیا کہ وہ اپنے گھوڑے پر دوہرا ہو گیا۔

رومی اب اپنی جانیں بچانے کے فکر میں تھے۔ صرف وہ رومی خوش قسمت تھے جو وقت پر بھاگ گئے باقی تمام لشکر دمشق سے باہر تلواروں کی ضد میں آ گیا تھا۔ رومیوں نے بے شمار مال غنیمت چھوڑ کر حمص کا رخ کیا۔ خالد بن ولیدؓ لڑائی سے فارغ ہو کر اپنے لشکر سمیت واپس مرج الروم پہنچ گئے اور امین الامت کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ امین الامت ابوعبیدہؓ نے رومیوں کو پہلے ہی سے شکست دی تھی اور اُن کے سالار شنس کو قتل کر دیا تھا۔

☆☆☆

امین الامت ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو اس حکم نامے کے ساتھ حمص کی طرف روانہ کر دیا کہ وہاں پہنچ کر محاصرہ کرلیں اور خود ایک دوسرے اہم مقام بعلبک کی طرف روانہ ہوئے۔ امین الامت بعلبک کی طرف ابھی تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ راستہ میں اسامہ بن زیدؓ امیر المؤمنین عمرؓ کا پیغام لے آئے۔ یہ خط امیر المؤمنین نے ابوعبیدہؓ کے نام بھیجا تھا جس میں جبلہ بن الایہم کے ایمان لانے کا واقعہ اور بعد میں مرتد ہونے کا ذکر کیا تھا (جبلہ بن الایہم کے ایمان لانے اور بعد میں مرتد ہونے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے)۔ نیز یہ بھی لکھا تھا کہ آپ حمص کی طرف فوج کشی کروا گر وہ صلح کرنا چاہیں تو صلح کرلیں اور اگر انکار کریں تو ان سے لڑو۔

ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے امیر المؤمنین عمرؓ کا پیغام بلند آواز سے تمام مجاہدین کو سنایا اور

حمص کا رخ کیا۔ حضرت خالد بن ولید پہلے ہی سے حمص پہنچ چکے تھے اور شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ابوعبیدہ رض کے جانے سے شہر کا محاصرہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔ اہل حمص نے ابوعبیدہ رض کے پاس اپنے روسا اور سردار بھیج دیئے اور صلح کے متعلق گفتگو کی۔ ابوعبیدہ رض نے بارہ ہزار دینار اور دوسو ریشمی کپڑوں پر ایک سال کیلئے صلح کی۔ معاہدہ یہ ہوا کہ مسلمان ایک سال تک حمص پر حملہ نہیں کریں گے اور اگر اس دوران رومی فوج نے اس علاقے میں مسلمانوں کے خلاف کوئی بھی جنگی کاروائی کی تو مسلمان صلح کے معاہدے کو منسوخ سمجھ کر جوابی کاروائی کریں گے۔ واقدی کے مطابق یہ صلح شوال ۱۴ ھجری سے شوال ۱۵ ھجری تک طے ہوئی تھی۔

مؤرخ واقدی اور ابن اثیر لکھتے ہیں کہ صلح ہوتے ہی شہر کے دروازے کھل گئے۔ اسلامی لشکر نے شہر کے اندر داخل ہوتے ہی خرید و فروخت شروع کر دیا۔ رومی مسلمانوں کے حسن اخلاق سے کافی متاثر ہوئے۔ بعض لوگوں نے مجاہدین کو تحفے پیش کئے تو مجاہدین نے ان کی بھی قیمت ادا کی۔ مجاہدان سے کہتے تھے کہ صلح کے بعد مال غنیمت اور تحفے ہم پر حرام ہیں۔ اہل حمص کے ساتھ عارضی صلح کرنے کے بعد ابوعبیدہ بن جراح رض حماۃ پہنچ گئے۔ اہل حماۃ نے صلح کی درخواست منظور کر کے جزیہ ادا کرنے پر رضا مند ہو گئے۔ آپ نے ان سے صلح کر کے ایک تحریری عہدنامہ انکے حوالہ کر دیا اور عبادہ بن صامت رض کو ان پر نائب مقرر کر کے شیزر کی طرف کوچ کیا۔ لوگ مسلمانوں کے اخلاق سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ یہاں کے لوگوں نے اسلامی لشکر کا باقاعدہ استقبال کیا اور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کی۔ اسلامی لشکر نے کئی دوسرے قصبوں بلاد عواصم اور معرۃ النعمان وغیرہ کے ساتھ بھی صلح کے معاہدہ کر کے خلافت میں شامل کر دیا۔ یہ تمام علاقے بغیر کسی جنگ وجدل اور جانی نقصان کے فتح ہو گئے تھے

☆☆☆

حمص اور اسکے گردونواح سے صلح کرنے کے بعد لاذِقیہ نہایت مستحکم شہر تھا جو حمص سے آگے تقریباً ۱۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ساحل سمندر پر واقع تھا۔ یہ ایک قلعہ نما شہر تھا جس کا صرف ایک دروازہ تھا۔ مورخ بلاذری لکھتے ہیں کہ یہ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ چند سپاہی مل کر اسے کھولتے۔ ابوعبیدہ رض نے اپنے لشکر سمیت پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا اور انہیں پیغام بھجوایا کہ خونریزی سے اجتناب کر کے قلعے کو ہمارے حوالے کر دو۔ اہل لاذِقیہ اپنی جمیعت اور قلعے کی مضبوطی کی وجہ سے کسی بھی شرط

پر صلح کے لئے رضامند نہیں تھے لہٰذا قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیر برسانے لگے۔ اسلامی لشکر نے کئی دنوں تک محاصرہ جاری رکھا لیکن رومیوں پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑ رہا تھا۔ آخر کار امین الامت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو حکم دیا کہ قلعے کے گرد و نواح میں پوشیدہ غاریں کھود دیں جس میں آدمی گھوڑے سمیت چھپ سکے۔ جب بہت سی غاریں تیار ہو گئیں تو لشکر اسلام کو حکم دیا کہ محاصرہ ختم کر کے کوچ کریں۔ جب لشکر پسپا ہو کر آنکھوں سے اوجھل ہوا تو شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ مسلمان محاصرے سے تنگ آ کر پسپا ہو گئے ہیں۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لشکر کو غاروں میں چھپ جانے کا حکم دیا۔ اہل لاذقیہ صبح کو اطمینان کے ساتھ شہر کا دروازہ کھول کر کاروبار زندگی میں مصروف ہو گئے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے تمام مجاہدین غاروں سے نکل کر شہر میں داخل ہو گئے اور رومی مجبوراً صلح پر راضی ہو گئے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قلعہ کے برج پر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے خلافت کا جھنڈا لہرا دیا اور یوں بڑی آسانی سے لاذقیہ شہر کو فتح کر لیا۔

محاذ جنگ میں غاروں کی کھدائی آج کے جدید دور میں بھی مورچہ بندی کے لئے نہایت مفید تصور کی جاتی ہے جس کا آغاز جنگی چالوں کے ماہر، عظیم سالار ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

☆☆☆

لاذقیہ کے صلح کرنے کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشاورت سے بعلبک کا رخ کیا۔ بعلبک والے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ سخت اور کثیر فوج کے مالک تھے (بعلبک لبنان میں ہے جو اس وقت شام کا حصہ تھا۔ دمشق سے تقریباً پچھتّر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے)۔

بعلبک کا سردار ہربیس نامی ایک جنگجو اور بہادر جرنیل تھا۔ اسے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی سات ہزار باقاعدہ فوج لے کر قلعے کے باہر لڑائی کے لئے نکلا۔ ہربیس کے بعض سالاروں نے صلح کو بہ نسبت جنگ کے زیادہ مناسب سمجھا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا جب دمشق اور اجنادین کی فوجیں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں، تو ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ خواہ مخواہ لڑائی مول نہ لیں اور ان سے انکی شرائط پر صلح کر لیں۔ ہربیس نے غصہ میں آ کر کہا یہ میری شان کے خلاف ہے کہ میں عرب کے ان بدوؤں اور ڈاکوؤں سے ڈر کر صلح کر لوں۔ مجھے مسیح کی قسم میں ان سے ضرور انتقام لوں گا۔

ہربیس کا یہ جواب سن کر نائب سالار لڑائی سے پسپا ہو کر قلعے کی طرف واپس چلا گیا اور کہنے لگا میں اس معاملے میں تمہاری متابعت نہیں کر سکتا۔ تم نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ ان تمام ساتھیوں کو مکروفریب میں مبتلا کر کے انکی جانیں ضائع کر رہے ہو۔ ہربیس آمادہ جنگ ہوا تھا اور اپنے باقی ماندہ لشکر کو جنگی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔

واقدی میں تحریر ہے کہ حضرت عامر بن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں اس جنگ میں ابو عبیدہؓ کے دستوں میں تھا۔ ہم رومیوں کا لشکر باہر جنگی ترتیب میں دیکھ کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ رومی ہمارے پہلے حملے سے تتر بتر ہو گئے اور انکے سالار کو کئی زخم آئے۔ رومی سالار اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر پناہ کی طرف بھاگا اور تمام دروازے بند کر دیئے۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے اپنے دستوں کو آگے لے کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور باشندگان بعلبک کے نام ایک پیغام بھجوایا جس میں صلح کی ترغیب دی گئی تھی اور مزید خون خرابے اور جنگ و جدل سے ممانعت کی گئی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ نے خط پر اپنی مہر لگا کر ملفوف کر دیا اور ایک ایلچی کے ذریعے رومی سالار ہربیس کے پاس بھجوا دیا۔ ہربیس نے اپنی قوم کے رؤساء اور سرداروں کے سامنے خط پڑھ کر ان سے مشورہ طلب کیا۔ اہل مشورہ میں سے ایک سردار نے کہا کہ میری رائے میں ان عربوں سے صلح کرنا چاہیئے۔ اگر ہم نے ان سے لڑائی کی تو ہمارے آدمی مر جائیں گے، بچے اور بیوی غلام بن جائیں گے اور ہمارے سارے مال و اسباب لوٹ لئے جائیں گے، اس لئے میں یہی مشورہ دیتا ہوں کہ لڑائی سے صلح بہتر ہے۔

ہربیس یہ سن کر کہنے لگا مسیح تجھ پر رحم نہ کرے، میں نے آج تک تم سے زیادہ بزدل کبھی نہیں دیکھا۔ مجھے تم پر سخت افسوس ہے کہ تم مجھے یہ مشورہ دیتے ہو کہ عرب کے ان بدمعاشوں سے صلح کی جائے۔ ہربیس نے وہ خط پھاڑ کر ایلچی کے منہ پر دے مارا اور اسے رخصت کیا۔ ایلچی نے قلعے سے باہر آ کر ابو عبیدہؓ کو سارا ماجرا سنایا اور یہ بھی کہا کہ اہل بعلبک دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ صلح چاہتا ہے جبکہ دوسرا گروہ جنگ کا طالب ہے۔ ابو عبیدہؓ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اب ہمیں ان لوگوں پر سختی کرنی ہو گی کیونکہ یہ شہر ہمارے مقبوضہ شہروں کے درمیان واقع ہے اگر ہم نے اس کو فتح نہ کیا تو جن لوگوں سے ہماری صلح ہو گئی ہے یہ ان کیلئے وبال جان بن سکتا

ہے۔ یہ سن کر مجاہدین اسلام مسلح ہو گئے اور تیروں اور نیزوں سے قلعے پر حملے شروع کر دیئے۔ کئی مسلمانوں نے قلعے کے دروازے کو توڑنا چاہا مگر اوپر سے تیروں اور پتھروں کی بارش نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ رومیوں نے مسلمانوں پر اوپر سے تیر اور منجنیق سے پتھروں کی بارش برسائی جس کی وجہ سے کئی مسلمان شدید زخمی ہو گئے۔

غیاث الدین بن عدی طائی کا بیان ہے کہ اس روز زخمیوں کے علاوہ مسلمانوں کے بارہ آدمی تیروں کی وجہ سے شہید ہو گئے تھے۔ اسکے برعکس دشمنوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہو گئی تھی۔ شام تک طرفین سے تیر اندازی اور نیزہ بازی جاری رہی آخر رات کے اندھیرے نے فریقین کو لڑائی سے فرصت دلا دی۔ مسلمانوں نے ابوعبیدہ کے حکم پر شہیدوں کیلئے وہیں قبریں کھود کر انہیں دفن کر دیا۔ یہ سردی کا موسم تھا مسلمان سردی کی شدت سے پوری رات سو نہ سکے اور سوائے آگ جلانے اور تاپنے کے کھانے تک فرصت نہیں ملی۔ فجر کی نماز کے بعد ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو لڑائی کی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔ رومی سالار ہربیس بھی جنگی ترتیب میں آ گیا انہوں نے مسلمانوں پر شدید حملہ بول دیا۔

واقدی میں بہ روایت مطرف بن عبداللہ تمیمی روایت ہے کہ میں بھی بعلبک کی لڑائی میں موجود تھا۔ جب دشمن نے ہم پر شدید حملہ بول دیا تو ہر ایک نے اپنے اپنے قبیلے کو بلانا شروع کیا اور ہر قبیلہ اپنے اپنے سردار کی کمان میں لڑ رہا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کا زور و شور اور مسلمانوں کا انکے مقابلہ میں صبر و استقلال دیکھ کر رومیوں کے سواروں پر حملہ بول دیا۔ امین الامت کی جانثاری اور بہادری دیکھ کر دیگر سرداران لشکر حضرت عمرو بن معدیکرب، عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ، ربیعہ بن عامر رضی اللہ عنہ، مالک بن اشتر نخعی، ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ اور ذوالکلاع حمیری رضوان اللہ عنہم اجمعین نے بھی باقی اطراف سے رومیوں پر حملہ کر کے انکو گھیرے میں لے لیا۔ رومی کٹ کٹ کر مر رہے تھے۔ آخر بھاگ کر قلعے کی طرف نکل گئے۔ مسلمانوں نے تعاقب کرنا چاہا لیکن قلعے کے اوپر تیروں کی بارش نے انہیں آگے جانے سے روک دیا اور رومیوں نے قلعے میں گھس کر تمام دروازے بند کر دیئے۔ اس روز مسلمانوں کے پندرہ مجاہدین شہید ہو گئے۔

شام کے وقت امین الامت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمام سالاروں کو بلا کر ان سے جنگی حکمت عملی کے متعلق مشورہ کیا۔ طے یہ پایا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ (عشرہ مبشرہ میں سے

ہیں) کو پانچ سو سوار اور تین سو پیدل دے کر باب شام پر سالار مقرر فرمایا اور خود باقی لشکر کے ساتھ شہر کے سب سے بڑے دروازے پر امیر مقرر ہوئے۔

فتوح الشام میں بہ روایت سہیل بن صباحؓ تحریر ہے کہ بعلبک کی پہلے روز کی لڑائی میں، میں شدید زخمی ہوا۔ میرے داہنے ہاتھ میں ایک چوٹ آئی تھی جسکی وجہ سے میں اپنے ہاتھ کو حرکت نہیں دے سکتا تھا، لہٰذا میں میدان جنگ کے ساتھ ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا جہاں سے میں فریقین کو میدان جنگ میں لڑتے صاف صاف دیکھ رہا تھا۔ رومی مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ سب سے آگے لڑتے ہوئے جہادی آیات کا ورد کرتے ہوئے مسلمانوں کو ترغیب دلا رہے تھے۔ لڑائی اپنے پورے شباب پر تھی۔ تلواریں چمک رہی تھی۔ سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ باوجود شدید سردی کے لوگ پسینہ میں شرابور تھے۔ مسلمانوں پر میدان جنگ تنگ ہو رہا تھا۔ رومیوں کی کثیر تعداد میں مسلمان غائب ہو گئے تھے۔ جب میں نے یہ سماں دیکھا تو دل میں سوچا کہ مسلمانوں کے سردار ابوعبیدہؓ اس وقت نہایت سختی میں ہے جبکہ ضرارؓ اور سعید بن زیدؓ ان کے کسی کام نہیں آ رہے ہیں۔ میں نے پہاڑ کی چوٹی پر لکڑی جلا کر دھواں پیدا کیا (اس دور کے رواج کے مطابق مصیبت کے وقت لوگوں کو اکٹھا کرنے کیلئے دھواں اور آگ جلایا جاتا)۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ضرار بن ازورؓ اور سعید بن زیدؓ اپنے دستوں کے ساتھ آ پہنچے اور میدان جنگ میں شامل ہو گئے۔ ضرارؓ نے اپنی روایت کے مطابق اپنا خود اور زرہ اتار کر نیم برہنہ ہو گئے اور مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ میدان جنگ خون اور لاشوں سے بھر گیا۔ رومی تتر بتر ہو گئے۔ رومی لڑائی کرتے کرتے اپنے قلعے کے دروازے سے آگے دور نکل گئے تھے۔ اب جب وہ قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے، تو ابوعبیدہ نے اپنے دستے کو قلعے کے دروازے کی طرف بڑھا کر ان کا راستہ بند کر دیا۔ اس بار رومی قلعے میں گھسنے کی بجائے ایک پہاڑی کی طرف بھاگ گئے۔ سعید بن زیدؓ نے اپنے دستوں کو لے کر ان کا تعاقب جاری رکھا اور ان کو گھیرے میں لے لیا۔ ہربیس اپنے لشکر کے ساتھ ایسی حصار میں آیا تھا کہ مسلمانوں کی تیر اور تلواروں کی خوف سے وہ سر اُٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب جب ہربیس کو اپنی اور تمام دستوں کی موت یقینی ہو گیا تو اس نے حضرت سعید بن زیدؓ سے امان چاہی اور اہل بعلبک کی طرف سے جزیہ دینے پر منتیں سماجتیں شروع کر دیں۔

سعید بن زید رضؓ ایک متقی، پرہیزگار اور نرم دل سالار تھے انہوں نے ہربیس کو امان دے دی اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضؓ کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے فرمایا : جس شخص کو تم نے امان دی ہے ہماری طرف سے بھی اسے امان ہے۔ تمہاری اس ذمہ داری اور عہد کو ہم کبھی نہیں توڑ سکتے۔

اگرچہ رومی سالار امان کا مستحق نہیں تھا۔ کیونکہ وہی تھا جو اہل بعلبک کو لڑائی پر آمادہ کئے ہوئے تھا لیکن چونکہ سعید بن زید رضؓ نے انہیں امان دی تھی لہٰذا ابوعبیدہ بن جراح رضؓ فوراً مان گئے اور انہیں اپنی عہد اور امان میں رکھا۔ جب ہربیس ابوعبیدہ بن جراح رضؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ نہایت حیران تھا اور چاروں طرف لشکر اسلامی کو دیکھنے لگا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ اپنی انگلیاں دانتوں میں دبا دبا کر کاٹنے لگا۔ ابوعبیدہ رضؓ نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگا مسیح کی قسم! میں نے یہ خیال کیا تھا کہ آپ لوگوں کی تعداد لاانتہا ہے اور لڑائی کے وقت مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ تمہاری تعداد ریت کے ذروں سے بھی زیادہ ہے۔ نیز دوران جنگ میں آپ کے لشکر میں سبز گھوڑوں کے اوپر سبز پوش سوار نشان لئے ہوئے دیکھا کرتا تھا جو کہ اب میں نہیں دیکھ رہا۔ کیا وہ لشکر آپ نے کسی دوسرے مقام پر بھیج دیا ہے؟ امین الامت ابوعبیدہ رضؓ نے جواب دیا اے کم بخت! ہم مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں مشرکین کی آنکھوں میں بے شمار کر کے دکھلاتا ہے اور جس طرح بدر کی لڑائی میں ہماری فرشتوں کے ذریعے مدد فرمائی گئی تھی اس طرح ہر جگہ میدان جنگ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری نصرت واعانت فرماتا رہتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر عظیم احسان اور انعام و اکرام ہے۔ ہربیس بولا واقعی یہی وجہ ہوسکتی ہے کیونکہ اسی شام نے اہل فارس، اہل جرامقہ اور اہل ترک کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا اور آج وہی شام مسلمانوں کے قبضے میں جا رہا ہے۔ ہمارا یہ شہر (بعلبک) ایک ایسا مضبوط شہر تھا کہ آج تک یہ نہ محصور ہوا تھا اور نہ اسکے باشندوں نے کبھی شکست کھائی تھی۔ اسی شہر کی بنیاد حضرت سلیمان ابن داؤدؑ نے ڈالی تھی اور اپنے ملک کا دارالسلطنت بنایا تھا۔

ہربیس کی باتیں سن کر ابوعبیدہ رضؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے ملک واملاک کا مالک بنا دیا ہے۔ ابوعبیدہ رضؓ نے ہربیس کے ساتھ دو ہزار اوقیہ سونے، چار ہزار اوقیہ چاندی، دو ہزار ریشمی کپڑے اور پانچ ہزار تلواروں پر صلح کی۔ نیز ہر سال جزیہ دینا بھی طے ہوا۔ ہربیس نے شرط صلح منظور کر کے قلعے کے دروازے مسلمانوں کیلئے کھولے۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے اہل قریش میں سے ایک شخص رافع بن عبداللہ کو شہر کا امیر مقرر کر کے سارے امور ان کے حوالے کر دیئے اور خود حمص کی طرف کوچ کیا۔

☆☆☆

جیسا کہ پہلے گزر چکا اہل حمص کے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح رضؓ نے ایک سال کیلئے صلح کی تھی لیکن مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ اہل حمص نے شہنشاہ ہرقل سے کمک مانگی ہے اور وہ مسلسل جنگی تیاریاں کررہے ہیں۔رومیوں کی اس کاروائی کے بعد حمص کا معاہدہ ٹوٹ گیا تھا۔رومیوں کی بدعہدی کا ابو عبیدہ رضؓ کو بہت دکھ ہوا اور انہوں نے مع اپنے سالاروں کے حمص پر فوج کشی کا حکم دیا۔حمص کا والی اور سالار مریس نامی جنگجو تھا۔اس نے اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع ملتے ہی پانچ ہزار نفری قلعے سے باہر صف آراء کر ڈالی۔رومیوں کی تمام فوج سرتا پاؤں آہنی خول اور زرہوں میں ملبوس تھی۔جب وہ قلعے کے باہر صف آراء ہوئے تو یہ صفیں آہنی دیوار جیسی لگ رہی تھی۔ابو عبیدہ بن جراح رضؓ نے رومیوں کو لڑائی کی ترتیب میں دیکھ کر حملے کا حکم دیا دونوں لشکر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔مسلمان آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہے لیکن رومیوں پر تلواروں کا کچھ اثر ہی نہیں ہورہا تھا اور وہ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔رومی سالار مریس اونٹ کی طرح بڑبڑاتے ہوئے اپنی قوم کو للکار رہا تھا۔رومی مسلمانوں پر ایک سیلاب کی طرح ٹوٹ پڑے جسکی وجہ سے مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔

امین الامت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ مسلمانوں کا قتل عام اور پسپائی دیکھ کر بلند آواز سے پکارنے لگے۔"دشمن کی طرف لوٹو اور میرے ساتھ ہو کر یک دم حملہ کرو۔اللہ تعالیٰ ضرور ہماری نصرت فرمائے گا" مسلمان اپنے سالار کی دردمندانہ پکار سن کر پلٹے اور ایک غضب ناک حملہ کر کے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔مسلمانوں نے زندگی اور موت کا معرکہ شروع کیا اور رومیوں کے لشکر میں گھس گئے۔حضرت خالد رومی سالار مریس کو ڈھونڈنے لگے انہیں آخر کار رومی سالار نظر آیا اور اسکی طرف بڑھے۔وہ جونہی مریس پر حملہ آور ہوئے تو اچانک رومیوں کا ایک پہلوان نہایت عمدہ زرہ پہنے ہوئے شیر کی طرح غراتا ہوا آپ کی طرف بڑھا اور خالد بن ولید رضؓ پر پورے جوش و خروش کے ساتھ حملہ کیا۔تین چار مؤرخین نے اس رومی پہلوان کا واقعہ ذکر کیا ہے لیکن کسی مؤرخ نے اس کا نام نہیں بتایا ہے۔دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیئے۔خالد نے تلوار کا ایک زوردار وار کیا جو رومی پہلوان کی آہنی خود پر پڑا۔خود مضبوط ہونے کی وجہ سے رومی پہلوان بچ گیا لیکن خالد بن ولید رضؓ کی تلوار ٹوٹ گئی اور ہاتھ میں صرف تلوار کا دستہ رہ گیا۔اب خالد صرف وار بچا سکتے تھے جوابی وار نہیں کر سکتے تھے۔خالد نے لپک کر رومی پہلوان کو بازوؤں میں پکڑا

اور اپنے بازوں کو دبانا اور شکنجے کو سخت کرنا شروع کیا۔ رومی خالد کے شکنجے سے نکلنے کیلئے زور لگا رہا تھا لیکن خالد کی گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی اور اس قدر زور لگایا کہ اسکی پسلیاں ٹوٹنے لگیں اور اس کا جسم بے جان ہو کر خالد کے بازوں میں دم توڑنے لگا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد کو آواز دی یا ابوسلیمان ! اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ تم نے واقعی جہاد کا حق ادا کیا ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ جنگ ایک ہولناک منظر پیش کر رہی تھی۔ رومیوں کو جب شکست کا ڈر ہوتا تو قلعے کے دروازے کی طرف بھاگتے۔ رومی سالار نے چونکہ ایک اچھی خاصی نفری قلعے کے برجوں اور دیواروں پر مقرر کی ہوئی تھی جب بھی مسلمان انکے تعاقب میں جاتے، تو اوپر سے تیروں کی بوچھاڑ انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیتی۔ اسی کشمکش میں رات کے اندھیری نے فریقین کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

رات کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمام سالاروں کو بلایا اور ان سے شکایت کے لہجے میں فرمایا : "اے حاملان قرآن ! کیا ہم میں ایمان کی طاقت کم ہو گئی ہے؟ آپ نے کیوں ان سے خوف کھایا؟ میں نے آج دیکھ لیا ہے کہ ہماری اکثریت نے پسپائی اختیار کی۔ کیا لڑائی میں پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کے عذاب سے آپ واقف ہیں؟ اگر ہم نے بزدلی اور کوتاہی کو ترک کر دیا تو ان شاء اللہ ضرور ہم ان پر غالب آئیں گے اور یہ یاد رکھنا کہ ہمارے پاس صرف دو راستے ہیں۔۔۔ شہادت یا فتح۔۔۔ لہٰذا ہمیں پوری مستقل مزاجی سے لڑنا ہوگا۔ بے شک اللہ ہمارے ہر حال سے باخبر ہے۔"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا : یا امیر! ہمارے آدمی بے دلی سے نہیں لڑے۔ دراصل جن رومیوں نے حملہ کیا تھا وہ ان رومیوں سے زیادہ جرأت اور ہمت والے تھے، جن سے ہم اب تک لڑے ہیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا پھر تو ہی بتا ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں ان رومیوں کو قلعے سے دور کھلے میدان میں لے آنا چاہیے تا کہ ایک تو یہ قلعے کی طرف بھاگ کر پناہ نہ لے سکیں، دوسرا ہم قلعے میں موجود تیر اندازوں سے محفوظ رہیں اور ان سے آزادانہ لڑ سکیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہمیں اپنے اونٹ خچر اور تمام ساز و سامان یہاں چھوڑ کر پیچھے ہٹنا چاہیے۔ رومی ہمارے پیچھے ہٹنے کو پسپائی سمجھیں گے اور ضرور ہمارا تعاقب کریں گے۔ جب ہم قلعے سے دور کھلے میدان میں نکل جائیں، تو یک دم چاروں طرف سے ان پر حملہ کر دیں گے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو

خالد بن ولیدؓ کا مشورہ بہت پسند آیا اور انکی تائید کی۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ صبح ہوتے ہی مسلمان اپنے خیمے، اونٹ اور تمام سازوسامان چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ شہر کی دیواروں سے آوازیں آنے لگی مسلمان جا رہے ہیں، مسلمانوں میں مزید جنگ کی ہمت ہی نہیں رہی۔ رومی سالار مریس کو یہ اطلاع ملتے ہی دوڑتا ہوا قلعے کے دیوار پر آیا اور کہنے لگا مسلمان بھاگ گئے مگر میں انہیں زندہ نہیں جانے دوں گا میں ان سے اپنا انتقام لوں گا۔ مریس نے تقریباً پانچ ہزار سوار تیار کر کے ابوعبیدہؓ کے دستوں کے تعاقب میں روانہ کئے۔ اہل حمص نے مسلمانوں کا مال واسباب دیکھ کر ان کو لوٹنا شروع کیا۔ رومیوں کا ایک بوڑھا پادری جو تورات وانجیل کا عالم تھا، نیز فنون جنگ اور چالوں کا ماہر سمجھا جاتا تھا، چیخ چیخ کر اپنی قوم کو سمجھا رہا تھا اے بدبختو! یہ عربوں کا مکر اور چال ہے مجھے معلوم ہے کہ یہ اہل عرب آخر دم تک میدان جنگ سے پسپائی اختیار نہیں کرتے، جب تک سارے کے سارے قتل نہ ہو جائیں۔ یہ پادری چیخ چیخ کر یہی پکار رہا تھا مگر مریس انکی ایک نہیں سنتا تھا اور مسلمانوں کا تعاقب جاری رکھا ہوا تھا۔ جب یہ قلعے سے دور آگے نکل گئے تو امین الامت ابوعبیدہؓ نے بلند آواز سے پکارا : بہادران عرب! دشمن پر اس طرح ٹوٹ پڑو جس طرح ایک عقاب اپنے شکار پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ ابوعبیدہؓ کا پکارنا تھا کہ مسلمان اچانک دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصے نے آگے سے حملہ کیا اور دوسرے حصے نے موڑ کر پیچھے سے رومیوں کو گھیر لیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مسلمان رومیوں پر اسطرح ٹوٹ پڑے تھے جس طرح ایک عقاب پرندے پر یا شیر اپنے شکار پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ سالار معاذ بن جبلؓ نے اپنے دستے کو لے کر قلعے کے دروازے کا راستہ روک لیا تاکہ بھاگ نہ سکیں۔ اب رومی مسلمانوں کے پھندے میں آگئے تھے وہ صرف اپنی جان بچانے کیلئے لڑ رہے تھے۔ سعید بن زیدؓ نے رومی سالار مریس کو قتل کر دیا۔ صہیب بن صیفؓ کہتے ہیں کہ مریس کے پانچ ہزار سپاہیوں میں سے صرف سو آدمی بچ کر بھاگ نکلے تھے، باقی سارے کے سارے قتل ہو گئے تھے۔ حمص کی لڑائی میں اسلامی لشکر کے دوسو پینتیس مجاہدین شہید ہوئے تھے۔

صفر ۱۵ ہجری بمطابق مارچ ۶۳۶ء میں مسلمان فاتح کی حیثیت سے حمص میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں کے ہاتھ کثیر تعداد میں مال غنیمت آیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے مال غنیمت کا خمس نکال کر باقی تمام مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ جس وقت ابوعبیدہ اپنے لشکر کے ساتھ حمص میں

داخل ہو رہے تھے، حمص میں نفسا نفسی اور بھگڈر مچ گئی تھی۔ انہوں نے سنا تو یہی تھا کہ مسلمان شہریوں کو پریشان نہیں کرتے لیکن جس شہر کی فوج ہتھیار نہ ڈالے اور مسلمان بزور شمشیر شہر کو فتح کریں تو وہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں اور عورتوں کو لونڈیاں بنا دیتے ہیں۔

☆☆☆

حمص مسلمانوں نے بڑی مشکل سے فتح کیا تھا۔ رومیوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے بلکہ مسلمانوں نے جب محاصرہ اٹھایا تو پانچ ہزار سواروں نے انکا تعاقب بھی کیا اگرچہ محاصرہ اٹھانا مسلمانوں کی ایک چال تھی لیکن رومیوں نے اسے مسلمانوں کی کمزوری سمجھ کر انہیں ختم کرنا چاہا۔ مسلمانوں کی دوسو پینتیس قیمتی شہادتیں ہوئی تھیں۔ اتنی خونریز لڑائی لڑ کر جب ابوعبیدہؓ حمص کے دروازے پر داخل ہوئے تو چند پادری اور سردار آپ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور رحم کی درخواست کی۔

ابوعبیدہؓ نے گرجدار آواز میں کہا کھڑے ہو جاؤ۔ ہم نے حمص صرف اس لئے فتح کیا ہے تا کہ اہل حمص کو پتہ چل جائے کہ سجدہ صرف اور صرف اللہ کے سامنے کیا جاتا ہے۔ ہم کسی کو غلام بنانے نہیں آئے ہیں۔ ابوعبیدہؓ نے تمام اہل حمص کے لئے اعلان کیا کہ کوئی بھی شہری شہر چھوڑ کر نہ بھاگے۔ ان کے مال وجان اور عزت وآبروں کا تحفظ ہم کریں گے۔ اسکے بدلے ہر شخص کو ایک دینار فی کس جزیہ دینا ہوگا۔

اس اعلان نے رومیوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ بعض لوگ اسے مسلمانوں کی ایک چال سمجھے اور رات بھر اس خوف سے جاگتے رہے کہ مسلمان رات کو ان کے گھروں پر چھاپہ ماریں گے اور لوٹ مار کریں گے لیکن رات گزر گئی اور کچھ بھی نہیں ہوا۔

سالار اعلیٰ ابوعبیدہ بن جراحؓ اپنے لشکر کے ساتھ حمص سے آگے چلے گئے۔ انہوں نے حمص کے انتظامات کیلئے اپنا ایک امیر اور چند دستے چھوڑ کر حمص کے قریب ایک شہر رستن پہنچ گئے۔ رستن مسلمانوں نے بہت آسانی کے ساتھ ایک حیلے سے فتح کیا جس میں سالار ابوعبیدہؓ کے علاوہ خالدؓ، ضرار بن ازورؓ، ذوالکلاع حمیریؓ، عمرو بن معدیکربؓ، عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ اور عکرمہؓ بن ابوجہل نہایت بہادری اور جانثاری کے ساتھ لڑے اور چند ساعتوں میں پورے شہر کو فتح کیا۔

☆☆☆

رومی شہنشاہ ہرقل انطاکیہ میں مقیم تھا اور اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا تھا۔ اسے جب خبر ملی کہ حمص اور اسکے قرب و جوار کے شہر بھی ہاتھ سے نکل گئے ہیں تو اس پر خوف کی ایک لہر طاری ہوگئی۔ اس نے قہر بھرے لہجے میں کہا : کیا تم بتا سکتے ہو کہ عرب کے ان بدوؤں نے حمص کسطرح فتح کرلیا ہے؟ خبر لانے والے نے کہا، اصل میں حمص ایک دھوکے کے ذریعے فتح ہوا ہے۔ ہمارے سالاروں کو غلط فہمی ہوئی کہ مسلمان محاصرے سے تنگ آ کر پسپا ہو گئے ہیں اور اپنے سارے اموال چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ وہ جب کوچ کر گئے تو سالار مریس نے پانچ ہزار سواروں سے اکا تعاقب کیا۔ قلعے سے دور جا کر مسلمانوں نے یک دم پلٹ کر ہمیں گھیرے میں لے لیا۔

مخبر نے شہنشاہ ہرقل کو تفصیل سے بتایا کہ انہیں کسطرح گھیرے میں لیا گیا اور انکے سواروں کو کس طرح قتل کیا گیا۔ ہرقل مخبر کی زبانی اپنی شکست کی روداد سن کر اپنے تخت سے اٹھ کر جذباتی ہوگیا اور قہر بھرے لہجے میں بولا، انہیں اور آگے آنے دو۔ میں انہیں اب کچل دوں گا وہ اتنے آگے آگئے ہیں کہ اب ان کے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اب وہ زندہ نہیں بچ سکتے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ہرقل ایک روایتی شہنشاہ نہیں تھا۔ وہ فن حرب وضرب کا ماہر اور میدان جنگ کا بھیدی تھا۔ اسے جب فتح حاصل ہوتی تو اپنے اوپر اس کا نشہ طاری نہیں ہونے دیتا تھا اور جب شکست ہوتی تو معیوب و مایوس نہیں ہوتا تھا۔ شکست پر شکست کی خبروں نے ہرقل کی نیندیں اُڑادی تھیں وہ اب اپنے سالاروں کو ایک ہی حکم دیتا جارہا تھا زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرو۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہرقل نے اپنے کمانداروں، سالاروں اور پادریوں کو شہر، شہر اور بستی بستی بھیج کر یہ پیغامات جاری کئے تھے کہ اپنی مذہب اور اپنی عورتوں کی عزت کی خاطر انطاکیہ پہنچ جائیں۔ پادری اور راہب مختلف جگہوں پر وعظ و نصیحت کرتے اور لوگوں کو جنگ کیلئے آمادہ کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ چند ہفتوں میں انسانوں کا ایک سمندر انطاکیہ میں جمع ہونا شروع ہوگیا۔ اس فوج میں یورپی ملکوں کے لوگ بھی شامل تھے۔ روس، آرمینیا، روم اور یونان کے رہنے والے کثیر فوج انطاکیہ میں جمع ہوگئی تھی۔

مؤرخین کے مطابق ہرقل نے اپنی فوج کی پے در پے شکستوں کی خبریں سن سن کر اس حقیقت کو قبول کرلیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بکھری ہوئی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں شکست نہیں دے سکتا۔ اس لئے اُس نے مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے کیلئے ایک ہی ترکیب سوجھی تھی۔ وہ یہ کہ

مسلمانوں کے خلاف کثیر فوج میدان میں اُتار کر ان سب کو ایک جگہ ختم کیا جائے۔

☆☆☆

امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ جابیہ کے مقام پر خیمہ زن تھے۔ وہ ہرقل کے ارادوں سے بے خبر جابیہ کے مقام پر انطاکیہ پر حملے کا منصوبہ بنا رہے تھے کہ شام کے وقت رومی لباس میں ملبوس ایک سپاہی اسلامی لشکر کے خیموں میں پہنچ گیا۔ کئی مجاہدین نے اسے رومی فوجی سمجھ کر پکڑنے کو کہا انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تو لشکر میں سے ایک مجاہد نے لپک کر اسے گلے لگا لیا۔ اے ابن احدی! اللہ تم پر رحم کریں۔ ابن احدی نے کسی کو نہیں بتایا کہ وہ جاسوس ہے اور انطاکیہ سے آیا ہے انہوں نے سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لہٰذا فوراً اسے امین الامت کے خیمے میں پہنچایا گیا۔

ابن احدی ان تین چار جاسوسوں میں سے تھا جنہیں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خود انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا تاکہ ہرقل اور اسکے ارادوں سے متعلق معلومات حاصل کی جا سکیں۔

ابوعبیدہ نے ان کا استقبال کیا اور اسے گلے لگا کر فرمایا۔ ابن احدی تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو۔ ہم کئی دنوں سے انطاکیہ کی خبر کے انتظار میں بیٹھے ہیں کیا خبر لائے ہو؟ ابن احدی نے عربوں کے مخصوص شاعرانہ انداز میں کہا۔

سیاہ کالی گھٹائیں ہیں جو انطاکیہ کے افق سے اٹھ رہی ہیں۔ اس گھٹا سے جو مینہ برسے گا وہ زمین پر سیلاب بن کر چٹانوں کو بھی بہا لے جائے گا۔ امین الامت! اللہ نے تمہیں ایک اشارہ دیا ہے کہ آگے نہ جانا۔

ابن احدی نے انطاکیہ کی تفصیلی خبر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتاتے ہوئے کہا کہ انطاکیہ کے اندر اور باہر سپاہیوں اور گھوڑوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا ہر طرف فوج ہی فوج نظر آ رہی ہے۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے ابن احدی سے حیرت کے عالم میں پوچھا کیا تمہاری یہ خبر سچی ہو سکتی ہے؟ ابن احدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں ہرقل کی فوج کے ایک ٹولے کا کمان دار ہوں۔ رومیوں کی اس وقت یہ حالت ہے کہ جو کوئی انطاکیہ کے دروازے پر جا کر کہے کہ فوج میں بھرتی ہونے آیا ہوں، تو اس کیلئے شہر کے سارے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

ابن احدی جس طرح انطا کیہ جا کر رومیوں کی فوج میں داخل ہوا تھا، اس نے پوری تفصیل ابوعبیدہ رضی کو بتائی۔ وہ اپنے باقی مسلمان جاسوسوں کے ساتھ انطا کیہ جا کر عیسائی عرب کے روپ میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں فوجیوں کی بھرتی اور مشق دی جاتی۔ اس مشق میں شہسواری، تیغ زنی اور تیر اندازی سکھائی جاتی تھی۔ ابن احدی اسلامی لشکر کا ایک مشہور شہسوار اور تیغ زن تھا۔ وہ فوج میں اسطرح شریک ہوا تھا کہ میدان میں جا کر گھوڑے کو چکر میں دوڑایا اور تلوار نکال کر چند شہسوار کو اپنے مقابلے کیلئے للکارا۔ ایک رومی سوار اسکے مقابلے میں آیا۔ رومی سوار نے ابن احدی کو مخاطب کر کے بولا:

اے اجنبی سوار! اگر تجھے اپنے بازوؤں اور اپنے گھوڑے پر اتنا بھروسہ ہے تو میرے مقابلے میں آجا۔ ابن احدی نے کہا اگر چہ میری تلوار تیرے خون کی پیاسی نہیں ہے لیکن اسکے سامنے جو بھی مدمقابل ہوتا ہے تو یہ کبھی جھکتی نہیں۔

ایک دوسرے رومی سوار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان میں آ گیا اور مسلمان شہسوار کو مخاطب کر کے بولا:

اے اجنبی! اگر تجھے اپنی زندگی عزیز نہیں تو میرے مقابلے میں آجا۔ رومی شہسوار نے اپنے گھوڑے کی سمت ابن احدی کی طرف کر کے برچھی نکالی اور ایڑ لگائی۔ رومی کی رفتار بہت تیز تھی جب اسکی برچھی کی انی ابن احدی کے سینے سے تھوڑی ہی دور رہ گئی تو وہ قدرے پھرتی سے گھوڑے کے دوسری طرف جھک گیا جیسا کہ وہ گھوڑے پر تھا ہی نہیں۔ رومی کی برچھی ہوا میں گزر کر آگے نکل گئی۔ ابن احدی گھوڑے پر سیدھا ہو گئے اور اسے موڑ لیا۔ رومی بھی اپنا گھوڑا موڑ ہی رہا تھا کہ ابن احدی کی تلوار اس کے پہلو میں گزر گئی اور وہ لڑھک کر گھوڑے سے گر گیا۔ اسے گرتا دیکھ کر دوسرا رومی شہسوار ابن احدی کے مقابلے میں آیا لیکن ابن احدی نے اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا اور وہ اپنے گھوڑے پر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ جونہی تیسرا شہسوار ابن احدی کے مقابلے میں آ رہا تھا، ہرقل کی گرجدار آواز نے اسے روکا اور ابن احدی کو اپنے پاس بلایا۔

ہرقل نے کہا کیا تجھے یہ پتہ نہیں ہے کہ یہ لڑائی نہیں بلکہ مقابلے ہیں۔ تم ان دونوں کو زخمی کر سکتے تھے لیکن مار نہیں سکتے تھے لیکن پھر بھی ہم تمہارے فن حرب وضرب کی قدر کرتے ہیں۔ آخر کہاں سے آیا ہے تو؟ ابن احدی نے کہا، شہنشاہ اعظم میں بہت دور سے آیا ہوں ایک عیسائی عرب

ہوں۔ یہ دونوں جو قتل ہوئے ہیں میرے دشمن نہیں تھے لیکن میرے ہاتھ میں جب تلوار ہوتی ہے اور کوئی مجھے مقابلہ کیلئے للکارتا ہے تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ اب جب کہ میں نے انہیں قتل کر دیا ہے تو یہ دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا ہے کہ یہ مسلمان نہیں تھا۔ اصل میں میرا دماغ میرے قابو میں نہیں رہتا۔ امید ہے کہ شہنشاہ مجھے معاف کریں گے۔

ہرقل نے کہا، کیا تیرے دل میں مسلمانوں کی اتنی دشمنی ہے کہ تو اندھا اور پاگل ہو جاتا ہے؟
ابن احدی نے کہا اس سے بھی کئی گنا زیادہ جتنا آپ سمجھے ہیں۔ بس مجھے مسلمانوں کے مقابلے میں آگے بھیج دیجیے۔ ہرقل نے کہا ہم تجھے ضرور آگے بھیجیں گے۔ تو نے دو شیروں کو مارا ہے۔ یہ کوئی معمولی سپاہی نہیں تھے اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ تو کتنا بہادر ہے۔ تو معمولی خاندان کا فرد نہیں لگتا۔

ابن احدی نے ابوعبیدہؓ سے کہا کہ اس طرح ہرقل نے مجھے اپنی فوج میں جگہ دے کر سو سپاہیوں کا کماندار بنا دیا اور اسی طرح میری رسائی سالاروں تک ہوگئی۔ میرے دوسرے ساتھی بھی کسی نہ کسی طرح ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے انہیں قیمتی خبریں مل سکتی تھی۔ ہم سب عیسائی عرب بنے رہے اور آپس میں ملتے رہے۔ کچھ باتیں انہوں نے بتائی ہیں اور باقی حالات میں نے خود دیکھے ہیں۔ جونہی حمص پر اپنے لشکر کے قبضے کی اطلاع انطاکیہ پہنچ گئی، تو میرے ساتھی مجھے ملے۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم حمص میں زیادہ دن نہیں ٹھہرو گے اور انطاکیہ کی طرف پیش قدمی کرو گے لہٰذا میں فوراً روانہ ہوگیا۔ اصل میں ہم تمہیں حمص میں ہی روکنا چاہتے تھے۔ انطاکیہ کی طرف پیش قدمی میں تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ابن احدی نے ابوعبیدہؓ کو ہرقل کی پوری جنگی حکمت عملی بتاتے ہوئے کہا کہ رومی فیصلہ کن جنگ لڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

☆☆☆

ہرقل نے اپنے لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر حصے کا سالار اپنی ریاست کا والی (بادشاہ) تھا جو کہ تجربہ کار اور ماہر مانا جاتا تھا۔ ان پانچ سالاروں میں سے ایک کا نام ماہان تھا جو کہ آرمینیا کا بادشاہ تھا۔ ماہان اپنے وقت کا مانا ہوا ماہر سپہ سالار تھا جسے شہنشاہ ہرقل اسکی شجاعت اور جنگی تدبیروں کی وجہ سے بہت عزیز رکھتا تھا۔ نیز وہ کئی مرتبہ فارس اور ترکوں کو شکست دے چکا تھا ۔ دوسرا سالار غسان (اُردن) کا بادشاہ جبلہ بن الایہم تھا جو اپنے ساتھ نصرانی عربوں، غسانی، لخم اور

جذام قبیلے کے لوگ لے آیا تھا۔ تیسرا سالار قناطیر روس کا حکمران تھا جو اپنے ساتھ قوم صقالیہ کی فوج لے آیا تھا۔ چوتھا سالار دیرجان تھا جو قسطنطنیہ کا گورنر تھا۔ پانچواں سالار جرجیر (گریگری) تھا جسکے زیر کمان اہل روم کے افراد سپرد کردیئے گئے تھے۔

جس وقت ہرقل نے اپنے لشکر کو محاذ پر رخصت کرنا چاہا تو انہیں چند آخری ہدایات دیں۔ صلیب کے پاسبانو! تم جس جنگ کیلئے جارہے ہو یہ کسی ملک کو فتح کرنے کیلئے نہیں لڑی جارہی ہے بلکہ یہ تمہارے مذہب اور عزت کی جنگ ہے۔ یاد رکھو! کہ یہ ایک فیصلہ کن جنگ ہوگی، جس کے بعد موت یا فتح ہوگی۔ اگر عرب کے یہ مسلمان تم پر غالب آگئے تو وہ صرف شام پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ جہاں اور جس جگہ بھی تم جا کر چھپو گے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ماریں گے اور اس پر بھی بس نہیں ہوگی، بلکہ تمہارے لڑکوں کو غلام اور تمہاری عورتوں کو کنیزیں اور لونڈیاں بنائیں گے۔ اس لئے پسپائی کا نام تک بھول جاؤ اور اپنے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کرو۔

ہرقل نے روانگی کے وقت ماہان کو اپنا شاہی لباس پہنا کر سالار اعظم بنا دیا اور یہ حکم نامہ جاری کیا کہ تمام سالار انکے ماتحت ہوں گے۔ اُس نے جبلہ بن الایہم کو ساٹھ ہزار کا لشکر دے کر حمص کی طرف ہراول کے طور پر بھیجا۔ اس لشکر میں سارے عیسائی عرب تھے۔ اُس نے جبلہ کو رخصت کرتے وقت تاریخی الفاظ بولے تھے:

لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے۔

رومی سالار دیرجان نے بھی حمص جانا تھا۔ وہ جبلہ سے الٹی سمت جارہا تھا تاکہ مسلمان پسپائی کرتے وقت بھاگ نہ سکیں۔ قناطیر کو بیروت کے راستے سے دمشق جانا تھا۔ جرجیر کو عراق کے راستے سے حمص جانا تھا۔ سالار اعظم ماہان بھی اُس کے پیچھے پیچھے حماۃ کے راستے سے حمص روانہ ہوگیا۔

حقیقت میں ہرقل نے ایک دہشت ناک منصوبہ بنایا تھا۔ اُس کا پہلا ہدف حمص اور دوسرا دمشق تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُس نے مسلمانوں کی واپسی کے راستے بھی بند کردیئے تھے۔ اصل میں وہ سرزمین شام سے مسلمانوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنا چاہتا تھا اور انہیں اپنا یہ منصوبہ کسی حد تک کامیاب دکھائی دے رہا تھا۔

دوسری طرف جابیہ کے مقام پر ابو عبیدہ نے ابن احدی کی زبانی ساری روداد سن کر پوری

رات بے چینی میں گزاری۔ صبح کی نماز پڑھانے کے بعد آپ تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے : یامعاشر المسلمین! تم سب پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آزمائش کیلئے ہم سب کو ایک بڑے امتحان میں ڈالا ہے۔ میرے مخبروں نے مجھے خبر دی ہے کہ ہرقل نے مختلف بڑے بڑے شہروں سے ایک بہت بڑی جمعیت روانہ کی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نور کو پھونکوں کے ذریعے بجھادے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی دین کو ضرور پھیلائے گا، اگرچہ کافروں کو کتنا ہی برا اور ناگوار معلوم ہو۔ آپ خوب سمجھ لیں کہ آپ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے وہ لشکر کبھی قلیل نہیں ہوتا اور جس کے ساتھ اللہ نہیں ہوتا وہ لشکر کبھی کثیر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن کو ذلیل کرے گا۔ اب آپ بتائیں کہ آپ حضرات کی اسکے متعلق کیا رائے ہے؟

کئی سالاروں نے کہا کہ امین الامت کو جو پسند ہو، ہمیں وہی حکم دیجیئے ہم سر بہ چشم آپ کی اطاعت کریں گے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : مومن کے دِل کی مثال چڑیا جیسی ہے جو ہر دن نہ معلوم کتنی مرتبہ ادھر اُدھر پلٹتا رہتا ہے لہٰذا آپ مجھے اپنے مشوروں سے مستفید کریں۔ چند افراد نے مشورہ دیا کہ ہم مدینہ واپس لوٹ جائیں اور وادی القریٰ کے کشادہ میدان میں خیمہ زن ہو جائیں تاکہ مدینہ سے کمک بھی مل جائے اور اپنے گھر بار بھی قریب ہوں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورے کو ناپسند کیا کہ ہم ارض شام کے مفتوحہ علاقے چھوڑ کر واپس نہیں جاسکتے۔ اس کے بعد حضرت قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ہم جابیہ کے اس مقام پر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ اگر کامیاب رہے تو ارض شام کے مالک بن جائیں گے، بصورت دیگر اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کا شرف حاصل کرلیں گے۔

امین الامت نے قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ پسند فرمایا۔ چند اور سالاروں نے بھی حضرت قیس کی تائید کی مگر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر ان کے سامنے آئے اور فرمایا ابوسلیمان! تم ایک مرد مجاہد شہسوار اور صائب الرائے شخص ہو۔ قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

انہوں نے کہا امین الامت! میں نے قیس کا مشورہ سن لیا ہے مگر میری رائے انکے خلاف ہے اور چونکہ تقریباً سارے مسلمان اس پر متفق ہو گئے ہیں لہٰذا میں اسکی مخالفت بھی نہیں کرسکتا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آپ کی رائے میں مسلمانوں کی اصلاح زیادہ ہوگی تو ہم تمہاری رائے منظور

کریں گے آپ اپنی رائے بیان کریں۔

حضرت خالد نے فرمایا : ہمیں پہلا کام یہ کرنا ہوگا کہ تمام سالاروں کو جہاں جہاں وہ ہیں، دستوں سمیت ایک جگہ اکٹھا کرنا ہوگا اور مفتوحہ علاقوں کو چھوڑنا ہوگا۔ ابوعبیدہ نے کہا کیا مفتوحہ علاقوں کا چھوڑنا ایک عقلمندانہ فیصلہ ہے؟ خالد نے کہا، امین الامت ! تو یقینا دشمن کے ارادوں کو سمجھتا ہے۔ وہ چاروں طرف سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے آرہا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہرقل نے ہماری پسپائی کے راستے بھی بند کردیئے ہیں۔ ہم انفرادی دستوں کی شکل میں دشمن کی اتنی کثیر تعداد کا مقابلہ نہیں کرسکتے لہٰذا ہمیں مجبوراً مل کر لڑنا ہوگا۔ ویسے بھی اگر اللہ نے ہمیں فتح عطا کی تو نہ صرف مفتوحہ علاقے ہمارے ہونگے بلکہ پورا شام ہمارے قبضے میں آجائے گا۔

ابوعبیدہ نے فرمایا بہت خوب، اللہ آپ کو جزائے خیر دیں، تو پھر ہمیں کہاں اکٹھا ہونا چاہیے؟ خالد نے کہا جہاں صحرا ہمارے عقب میں ہو۔ جتنی آسانی اور تیزی سے ہم صحرا میں حرکت کرسکتے ہیں اتنی تیزی سے ہم ان علاقوں میں نہیں کرسکتے۔ صحرا میں ہمارا دشمن نہیں لڑسکے گا اور میرے سامنے سب سے اچھی جگہ دریائے یرموک کے قریب صحرا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ کو خالد کا مشورہ نہایت پسند آیا۔ باقی تمام سالاروں نے بھی حضرت خالد کے مشورے کی تائید کی۔ اسلامی لشکر کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا کیونکہ ہرقل کا لشکر پہلے سے ہی انطاکیہ سے روانہ ہوچکا تھا۔

سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں کے تمام سالاروں کو پیغام بھیجا کہ فوراً اپنے مفتوحہ علاقے چھوڑ کر جابیہ پہنچ جائیں۔ ساتھ یہ بھی حکم بھیجا کہ کوچ کرنے سے پہلے لوگوں کو جزیے کی رقم واپس کردی جائے کیونکہ ہم انکی حفاظت نہیں کرسکے۔ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اہل دمشق کو جزیہ واپس کرکے جابیہ روانہ ہوئے۔ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اردن میں مقیم تھے وہ بھی امین الامت کے احکامات کے مطابق جزیہ واپس کرکے جابیہ کی طرف کوچ کرگئے۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حمص کے چند سرکردہ افراد کو بلایا اور انہیں بتایا کہ وہ حمص سے واپس جارہے ہیں۔ پہلے تو ان کو یقین نہیں آرہا تھا لیکن جب یقین ہوا تو انہوں نے کافی افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگے ہم نے پہلی بار عدل وانصاف دیکھا ہے۔ ہم نے ظلم، جبر اور بے انصافی کا راج دیکھا تھا۔ آپ ہمیں عدل وانصاف اور عزت وآبرو سے محروم کرکے پھر ظالموں کے حوالے کررہے ہیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

نے کہا اللہ نے چاہا تو ہم پھر آجائیں گے۔ فی الحال میں نے آپ لوگوں کو جزیہ واپس کرنے کیلئے بلایا ہے شہریوں کے نمائندوں نے متفقہ طور پر کہا، نہیں ہم اپنا جزیہ واپس نہیں لیں گے۔

ابوعبیدہؓ نے کہا یہ جزیہ اب ہم پر حرام ہے۔ ہم نے آپ لوگوں سے اس معاہدے پر جزیہ لیا تھا کہ ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے لیکن اب ہم تمہاری حفاظت اور سلامتی کا معاہدہ پورا نہیں کرسکتے، لہٰذا تم اپنا جزیہ واپس لے لو اور تمام اہل شہر میں تقسیم کرلیں۔

مؤرخ ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حمص کے شہری جو پہلے ہی مسلمانوں کے عدل وانصاف سے متاثر تھے جزیے کی واپسی سے اور متاثر ہوگئے حتیٰ کہ حمص میں مقیم یہودی بھی مسلمانوں کے تعریف کرنے لگے حالانکہ یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ باقی مفتوحہ علاقوں کے لوگ بھی جزیہ کے واپسی پر مسلمانوں سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے اور ان کی اکثریت مسلمانوں کے واپس جانے پر پریشان تھی۔ چند دنوں میں اسلامی لشکر کے تمام سالار جن میں امین الامت ابوعبیدہؓ کے علاوہ خالد بن ولیدؓ، عمرو بن عاصؓ، شرحبیل بنؓ حسنہ، یزید بن ابوسفیانؓ، ضرار بن ازورؓ، زبیر بن عوامؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ وغیرہ شامل تھے، اکٹھے ہوگئے۔ ابوعبیدہؓ نے تمام سالاروں کو اکٹھا کیا اور ان سے فرمایا تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو اگرچہ ہم سب کے چہروں پر پریشانی کے آثار نظر آتے ہیں لیکن یہ پریشانی ہے مایوسی نہیں۔ اس اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہونا جس کے رسول ﷺ اطاعت اور پیروی میں ہم اتنی مدت سے گھروں سے نکلے ہوئے ہیں۔ ہم پسپا نہیں ہوئے ہیں صرف پیچھے ہٹے ہیں اور ہمارا پیچھے ہٹنا اس جنگی حکمت عملی کا حصہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ ہم دشمن کے مقابلے میں اکٹھے ہوکر لڑنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ ہماری رائے سے اتفاق کرتے ہیں؟ سالاروں نے متفقہ طور پر کہا امین الامت ہمیں وہ سب کچھ منظور ہے جس کا حکم آپ دیں گے۔

مؤرخین لکھتے ہیں ارض شام میں جابیہ کے مقام پر یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوا تھا جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی اور سب نے اپنے امیر ابوعبیدہ بن جراحؓ کے ہاتھ پر موت یا فتح کی بیعت کی تھی۔ ابوعبیدہؓ نے جابیہ سے یرموک کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ حضرت خالدؓ کو چار ہزار کا محرک دستہ (موبائل گارڈ) دے کر ہراول کے طور پر آگے روانہ کیا۔ اس کے بعد حضرت

ابوعبیدہؓ باقی تمام جمعیت کے ساتھ یرموک کی طرف روانہ ہوئے۔

☆☆☆

ہرقل کے لشکر کا وہ ہراول دستہ جو جبلہ بن الایہم کے زیر کمان تھا اپنے ساٹھ ہزار جمعیت کے ساتھ ۱۵ ھجری بمطابق جون ۶۳۶ء میں حمص پہنچ گیا تھا۔ دیکھا کہ حمص کے دروازے کھلے پڑے ہیں اور وہاں کوئی بھی فوجی نظر نہیں آرہا۔ جبلہ چلایا کہ یہ مسلمانوں کا ایک دھوکہ ہے انہوں نے ہمیں پھانسنے کیلئے شہر کے دروازے کھلے چھوڑے ہیں۔ جبلہ نے اپنے تمام دستوں کو ایک ساتھ شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ اسے خطرہ نظر آرہا تھا کہ مسلمان لوگوں کے گھروں میں چھپے ہوئے ہیں لہٰذا وہ مسلمانوں کو للکارنے لگا کہ گھروں کو چھوڑ کر باہر آئیں لیکن کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا۔ جبلہ نے ہر گھر کی تلاشی کا حکم دے دیا تلاشی کے بہانے غسانیوں نے گھروں میں لوٹ مار شروع کر دی اور اپنی ہم مذہب رومی عورتوں کی عزتیں لوٹ لیں۔ شہری چیختے چلاتے باہر آگئے۔ تم لوگوں سے تو وہ اچھے تھے جو چلے گئے ہیں تم نے اپنے مذہب کا احترام نہیں کیا۔ ہمارے مذہب کا مسلمانوں نے احترام کیا تھا۔ وہ تمہاری طرح لٹیرے نہیں تھے۔ مردوں اور عورتوں کی چیخ و پکار سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمان یہاں سے چلے گئے ہیں۔ جبلہ کو وہاں معلوم ہوا کہ مسلمان یرموک چلے گئے ہیں لہٰذا اُس نے یرموک کا رخ کیا۔ جبلہ یرموک پہنچا تو وہاں مسلمانوں کو خیمہ زن پایا۔

ہرقل کا دوسرا سالار قناطیر جو اپنے منصوبے کے تحت دمشق پر حملہ کرنے گیا تھا وہاں بھی وہی واقعہ پیش آیا جو جبلہ کے ساتھ پیش ہوا تھا۔ مسلمان پہلے ہی سے دمشق چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اُس نے بھی یرموک کا رخ کیا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے میدان یرموک پہنچ کر عورتوں اور بچوں کے خیمے اپنے لشکر کے پیچھے ایک بہت بڑے ٹیلے پر نصب کرا دیئے اور انکی حفاظت کیلئے چند دستے مقرر کیے۔ اسکے بعد آپ نے اسلامی لشکر کو لڑائی کی ترتیب میں خیمہ زن کیا۔ مسلمانوں کے محاذ کی لمبائی کم و بیش گیارہ میل تھی البتہ گہرائی کچھ بھی نہیں تھی۔

دوسری طرف رومیوں کے دستے بھی پہنچنا شروع ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں سے نو میل کے فاصلے پر ڈیرے ڈال دیئے۔ رومیوں کے محاذ کی لمبائی اور چوڑائی تقریباً اٹھارہ میل تھی۔ اسلامی لشکر

نے اتنی بڑی جمعیت آج تک کسی لڑائی میں نہیں دیکھی تھی، لہٰذا ان کے چہرے زرد پڑ گئے اور زبان سے بے اختیار ۔۔۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** ۔۔۔ جاری ہوگیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رض لشکریوں کی دل جوئی کیلئے ان میں چکر لگاتے، انہیں وعظ و نصیحت کرتے اور یہ دعا پڑھتے :

ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکفرین (البقرۃ: ۲۵۰)

الٰہی! ہمیں صبر دیجیئے ۔ ثابت قدم رکھیئے اور کافر قوم پر فتح عطا کیجیئے ۔

مختلف مؤرخین نے جنگ یرموک میں رومیوں کی تعداد مختلف بتائی ہے ۔ واقدی نے بحوالہ ہشام بن عمر بن عتبہ رض روایت کی ہے کہ جنگ یرموک میں رومیوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ بحوالہ یونس بن عبدالاعلیٰ رض روایت کی ہے کہ رومیوں کی تعداد علاوہ انطاکیہ کی فوج کے سات لاکھ کے لگ بھگ تھی اور بحوالہ راشد بن سعید حمیری رض بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک میں رومیوں کے بیس نشان (جھنڈے تھے) اور ہر نشان کے نیچے پچاس ہزار کا لشکر تھا اس طرح رومیوں کی تعداد دس لاکھ ہوئی۔

طبری اور ابن کثیر نے جنگ یرموک میں رومیوں کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار بتائی ہے ۔ مؤرخ بلاذری نے یہ تعداد دو لاکھ بتائی ہے ۔ بعض دوسرے مؤرخین نے ایک لاکھ پچاس ہزار بتائی ہے ۔ مسلمانوں کی تعداد تقریباً تمام مؤرخین نے چالیس ہزار کے لگ بھگ بتائی ہے ۔ (واللہ اعلم)

رومی لشکر کا سالار اعلیٰ ماہان نہایت شان و شوکت کے ساتھ اپنے لشکر سے آگے آیا تاکہ مسلمانوں کی فوج کا جائزہ لے ۔ اسے اپنی جنگی طاقت اور جمعیت پر اتنا ناز تھا کہ وہ مسلمانوں کی صفوں کے قریب آ گیا۔ اسکے چہرے اور ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی وہ مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ رومی لشکر سے ایک گھڑسوار سرپٹ دوڑتا ہوا آیا اور ماہان کو شہنشاہ ہرقل کا فرمان دیا۔

ہرقل نے سالار اعلیٰ ماہان کے نام ایک پیغام بھیجا تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے سے پہلے صلح کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنا۔ اگر وہ یہ شرط مان لیں کہ پر امن طریقے سے واپس چلے جائیں اور آئندہ کبھی سلطنت روم کی سرحد میں داخل نہیں ہوں گے تو انہیں با عزت اور مال و اسباب دے کر رخصت کر دیں ۔ اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو عربی عیسائیوں کو استعمال کرو۔ شائد انکی بات مان جائیں۔ ماہان نے اپنے شہنشاہ کا پیغام جب پڑھا تو غصے سے آگ بگولا ہوگیا اور کہا اگر عرب کے بدوؤں کے آگے گھٹنے ہی ٹیکنے تھے تو اتنا لشکر اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ وہ تو ضرور ہماری اس

درخواست کو قبول کرلیں گے۔ سالار جرجیر نے کہا کہ بادشاہ کا پیغام پہنچانے میں ہمیں کیا حرج ہے ہمیں اپنے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل ضرور کرنی چاہیئے۔ سالار اعلیٰ ماہان نے کہا تو ہی ان کے پاس چلا جا اور ان کے سالار سے صلح کی بات کرلے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کے ہاتھوں ہرقل کی آدھی فوج قتل ہو چکی تھی۔ آدھے شام پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا تھا اور بے شمار مال غنیمت جس میں سونا، چاندی اور بے پناہ ہتھیار شامل تھے، مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے تو پھر ہرقل نے انہیں کیوں بخش دیا؟ ہرقل کی سات آٹھ لاکھ جمعیت کے سامنے مسلمانوں کی چالیس ہزار نفری کچھ بھی نہیں تھی تو پھر صلح کیوں؟

تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ ہرقل جنگی مہارت کے ساتھ ساتھ آسمانی کتابوں تورات اور انجیل کا عالم بھی تھا اور جس دن سے رسول اللہ ﷺ نے اس کو اسلام قبول کرنے کے بارے اپنا خط مبارک بھیجا تھا، وہی خط ہرقل نے اپنے ساتھ خصوصیت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا اور اُسے پکا یقین تھا کہ مسلمان ایک نہ ایک دن سلطنت روم کے مالک ومختار بن جائیں گے، لہٰذا فوج جمع کرنا اور جنگی مدافعت اُس کا اپنے سالاروں اور مشیروں کے سامنے ایک حیلہ تھا۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ جرجیر شاہانہ لباس پہن کر اسلامی لشکر کے سامنے آیا اور مسلمانوں کے سالار اعلیٰ کو صلح کی غرض سے پکارا۔ امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سفید عراقی کپڑے پہنے ہوئے، سر پر عمامہ، ہاتھ میں تلوار لئے سیدھا جرجیر کے سامنے پہنچ گئے۔ جرجیر نے کہا میں شہنشاہ ہرقل کی طرف سے صلح کا پیغام لے آیا ہوں۔ اگر تم ہماری سلطنت چھوڑ کر واپس چلے جاؤ اور پھر نہ آنے کا معاہدہ کرو تو ہمارے شہروں اور قصبوں سے اب تک آپ نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے، اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو۔ اسکے علاوہ ہم آپ کو کچھ تحفے اور انعامات بھی دیں گے۔ اپنے اس چھوٹے لشکر کو ہلاکت سے بچاؤ۔ تم ہماری اس کثیر جمعیت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تو ہمیں اپنے کثیر تعداد اور تلواروں سے ڈراتا ہے حالانکہ ہم تلواروں سے نہ ڈرنے والے اور موت کو محبوب رکھنے والے ہیں۔ رہا مال واسباب، وہ تو ہم آپ کے شہنشاہ کے خزانوں کو چھین کر تم پر فتح یاب ہوں گے کیونکہ اس کا وعدہ ہمارے رسول ﷺ نے ہم سے کیا ہے اور ہمارے رسول ﷺ کا وعدہ کبھی جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ جرجیر چلا گیا اور اپنے سالار ماہان کو

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا پیغام سنایا۔ آپ نے ہرقل کے فرمان کے مطابق عربی النسل عیسائی جبلہ بن الایہم کو صلح کا پیغام دے کر بھیجا۔ جبلہ بن الایہم نے اسلامی لشکر کے قریب آ کر آواز دی کہ میرے پاس انصار میں سے کوئی شخص آئے تا کہ میں اسکے ساتھ صلح کی گفتگو کرلو۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس کی آواز سن کر مسلمانوں سے فرمایا رومیوں نے اب تمہارے ابنائے جنس کو بھیج دیا ہے تا کہ صلہ رحمی اور قرابت کی آڑ میں تمہارے ساتھ کوئی مکرو فریب کرسکیں۔ انصار میں سے مشہور صحابی اور کاتب رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، امین الامت! اس کے پاس میں ہی چلا جاتا ہوں۔ چنانچہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور جبلہ ابن الایہم کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ جبلہ نے پوچھا آپ انصار کے کس قبیلے سے ہو؟ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں انصار کے قبیلہ خزرج سے ہوں۔ میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہوں۔

جبلہ نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! تمہاری جماعت کی اکثریت میرے قرابت دار ہیں۔ میں تمھیں اپنی قرابتداری کے عوض تمھیں ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں لہٰذا اگر تمہارا کوئی مطالبہ ہے تو مجھے بتادو میں وہ پورا کروں گا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارا مطالبہ تو بہت آسان ہے۔۔۔ اسلام یا جزیہ۔۔۔ بصورت دیگر تلوار ہمارے مابین فیصلہ کرے گی۔ جبلہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور کہا بس کر۔ میرے سامنے ایسی باتیں نہ کرو۔ میں اپنے مذہب کو ترک کرنے والا نہیں۔ ہم آپ ہی کے ہم جنس ہیں میدان جنگ میں لڑنا اور مرنا ہم بھی جانتے ہیں۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم، ان تین صورتوں کے سوا ہمارے اور تمہارے مابین کسی چیز پر صلح نہیں ہوسکتی۔ اسلام، جزیہ یا تلوار اور تلوار ہی ہمارے مابین سب سے زیادہ محکم ہے۔ واللہ اگر بدعہدی کا خوف نہ ہوتا تو ابھی آپ کو اس کا مزہ چکھا دیتا۔ جبلہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی طرف سے سخت جواب سن کر ماہان کی طرف چلا گیا اور اسے بتایا کہ مسلمان کسی قیمت پر صلح کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ رومی سالار اعلیٰ ماہان نے کہا ہم شہنشاہ ہرقل کے حکم کی تعمیل کر چکے ہیں۔ اب وہ طریقہ اختیار کرلو جو شہنشاہ کو ناپسند تھا۔ ان بدقسمت بے وقوفوں کو ذرہ بھر سُوجھ بُوجھ نہیں ہے پہلا حملہ تو ہی کرلے۔

☆☆☆

جبلہ بن الایہم نے ساٹھ ہزار کا لشکر تیار کر کے آگے بھیج دیا یہ تمام عربی عیسائی تھے۔

ابوعبیدہؓ نے جبلہ کا لشکر لڑائی کی ترتیب میں دیکھ کر اپنے لشکر کو حملے کیلئے تیار کیا لیکن حضرت خالدؓ آگے بڑھے اور فرمایا ''امین الامت! اگر ہم نے پورے لشکر سے ان کا مقابلہ کیا تو یہ ہماری کمزوری اور سستی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے لشکر کے ایسے تیس افراد چن لو، جن میں سے ہر ایک شخص دشمن کے دو ہزار سواروں کیلئے کافی ہو''۔ آپ کی یہ تجویز سن کر بعض مسلمان تعجب کرنے لگے اور یہ سمجھے کہ آپ ازراہِ مذاق فرما رہے ہیں۔ سب سے پہلے ابوسفیان بن حرب نے آپ سے فرمایا ابن ولید! کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟ خالد بن ولیدؓ نے کہا دوران جنگ میں کبھی مذاق نہیں کرتا۔ میں اپنی لشکر میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے اپنی زندگی اللہ کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ وہ عرب کے مشہور شہسوار اور مرد مؤمن ہیں۔ اگر تم انہیں دیکھ لو گے تو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ وہ اکیلے ہی دو، دو ہزار کے برابر ہیں۔

ابوعبیدہؓ نے فرمایا ابوسلیمان! اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو پھر کم از کم ساٹھ لوگوں کو منتخب کر لیں تا کہ ایک کا مقابلہ ہزار سے ہو۔ خالد بن ولید نے کہا مجھے منظور ہے۔ خدا کی قسم، میرا ارادہ محض دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈالنا ہے کہ جس وقت وہ شکست کھا کر بھاگیں گے تو ان سے دریافت کیا جائے گا کہ تمہارے مقابلہ میں کتنے مسلمان تھے۔ تو جواب دیں گے کہ سارے تیس بندے تھے۔ اس سے ماہان سمجھ لے گا کہ ہمارے چالیس ہزار آدمی ان کے پورے لشکر کیلئے کافی ہوں گے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو صبر، استقلال اور جزائے خیر دے۔ اپنے ساتھ ساٹھ بندے منتخب کر لیں۔

فتوح الشام میں واقدی بحوالہ عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پھوپھی زاد حضرت زبیر بن عوامؓ کا نام لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد حضرت فضل بن عباسؓ کو منتخب کیا۔ پھر آپ نے فرداً فرداً اس طرح آواز دینا شروع کی۔

(۳) ہاشم بن سعید (۴) قعقاع بن عمرو (۵) شرحبیل بن حسنہ (۶) خالد بن سعید بن عاص (۷) عمر بن عبداللہ (۸) یزید بن ابوسفیان (۹) صفوان بن امیہ (۱۰) صفوان بن فضل (۱۱) سہیل بن عمرو (۱۲) ضرار بن ازور (۱۳) ربیعہ بن عامر (۱۴) رافع بن عمیرہ (۱۵) عدی بن حاتم (۱۶) یزید الخیل الابیض (۱۷) حذیفہ بن یمان (۱۸) قیس بن یمان (۱۹) قیس بن سعید (۲۰) کعب بن مالک (۲۱) سویر بن عمرو (۲۲) عبادہ بن صامت (۲۳) جابر بن عبداللہ (۲۴) ابوایوب انصاری

(۲۵) عبدالرحمٰن بن ابوبکر (۲۶) عبداللہ بن عمر بن الخطاب (۲۷) معاذ ابن جبل (۲۸) رافع بن سہیل (۲۹) یزید بن عامر (۳۰) عبیدہ بن اوس (۳۱) مالک بن نضر (۳۲) نصر بن حارث بن عبد (۳۳) عبداللہ بن خلقر (۳۴) ابولبابہ بن منزلہ (۳۵) عدف (۳۶) عابس بن قیس (۳۷) عبادہ بن عبداللہ (۳۸) رافع بن عجرہ (۳۹) عبیدہ بن ابوسعید (۴۰) معقب بن قیس (۴۱) ہلال بن صابر (۴۲) ابن ابو ابید (۴۳) اسید المساعدی (۴۴) کلال بن حارث (۴۵) حمزہ بن عمر (۴۶) عبیداللہ بن یزید (۴۷) یزید بن عامر۔۔۔۔۔(۶۰) حاطب بن عمرو

مورخ نے باقی نام نہیں لکھے ہیں۔ یہ تمام افراد صحابہ تھے جن میں چوالیس انصار اور سولہ مہاجر تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن عمرو کو آخر میں پکارا تو آپ بے حد غصہ ہو گئے اور حضرت خالد کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تم نے مجھ پر بزدلی کا گمان کیا تھا، واللہ تم مجھے میدان جنگ میں کبھی پیچھے لڑتے ہوئے نہیں دیکھو گے۔ حضرت خالد نے کہا۔ واللہ ایسی کوئی بات نہیں تھی

۔

حملہ کرنے سے قبل حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تمام ساتھیوں کو ہدایات دیں کہ اپنے ساتھ دو، دو تلوار اٹھالیں اور اچھے گھوڑوں پر سوار ہوں۔ تمام ساٹھ صحابہ اس طرح اپنوں سے ملے کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ آئندہ شاید دنیا میں ملنا نصیب نہ ہو۔ ضرار بن ازور اپنی بہن خولہ سے ملے۔ اسی طرح زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے۔ حضرت اسماء آپ کے ساتھ دعائیں مانگتی ہوئی اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو آپ نے اپنے بھائی سے فرمایا اے میرے بھائی! لڑائی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد سے علیحدہ نہ ہونا جس طرح یہ لڑے آپ بھی اسی طرح لڑنا ۔تمام صحابہ کرام نے اپنے اہل وعیال کو الوداع کہا اور رخصت ہو گئے۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ جب یہ ساٹھ صحابہ جبلہ بن الایہم کے مقابلے میں آئے تو وہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کے قاصد ہیں اور صلح کا پیغام لے آئے ہیں۔ حضرت خالد نے تمام ساتھیوں کو للکارا ۔دین اسلام کے سپاہیو! دشمن کو اپنے فن حرب وضرب کے کمالات دکھاؤ اور ان پر ٹوٹ پڑو۔ مسلمان گول ترتیب میں ہو گئے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جبلہ اپنے ساٹھ ہزار لشکر سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا اور چلا چلا کر کہنے لگا مسلمانوں کو ان کا غرور اور تکبر لے ڈوبا۔ اب ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا

۔غسانیوں نے چاروں طرف سے حملہ کیا۔ مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ثابت قدم رہے اور دونوں طرف سے لڑائی کے شعلے نکل پڑے ۔ جبلہ اپنی جمعیت کے بل بوتے اور سالار اعلیٰ ماہان کے سامنے لڑائی کو چند ساعتوں میں ختم کرنے کے لئے مسلمانوں کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ سوچ غلط ثابت ہوئی۔ دو پہر کا وقت ہو گیا مگر مسلمان وہی کے وہی پوری قوت سے لڑ رہے تھے ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ خالد، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، فضل بن عباس، ضرار اور عبداللہ بن عمر بن خطاب رضوان اللہ عنہم اجمعین کو جزائے خیر دے۔ ان چھ اشخاص کے بازوں ملے ہوئے تھے اور دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر لڑ رہے تھے۔ میں بھی ان حضرات کے ساتھ بازوں ملا کر اپنی پوری کوشش کے ساتھ لڑ رہا تھا حتی کہ ہمارے بازوں شل ہو گئے۔ اسکے باوجود ہم دشمن کے مقابلے میں آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے۔ حالات اس قدر نازک ہو گئے تھے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے زور سے آواز دی ۔اسلام کے پاسبانو! یہی میدان کارزار میدان حشر ہے۔ ہماری وہ تمنا پوری ہو رہی ہے جسکی ہم مدتوں سے خواہش کر رہے تھے (یعنی شہادت)۔ خالد رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر کر پیادہ ہو گئے اور دشمن پر حملے کرنے لگے۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے خالد کو پیادہ دیکھ کر انکی حفاظت کیلئے سینہ سپر ہو گئے اور خالد رضی اللہ عنہ پر حملہ آوروں کے حملے روکتے رہے۔ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے خالد پر کئے گئے بیس حملے روکے تھے اور ہر حملہ میں ایک غسانی کو مارا تھا۔ دن اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکا تھا مسلمان اپنی روحانی طاقت سے لڑ رہے تھے، ورنہ ساٹھ ہزار کے مقابلے میں ساٹھ بندوں کا لڑنا انسانی بس کی بات نہیں ہے۔

دوسری طرف ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو زور زور سے آوازیں دیں۔ یا معاشر المسلمین! اپنے مسلمان بھائیوں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم خبر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خالد رضی اللہ عنہ اور انکے سارے ساتھی شہید ہو چکے ہوں۔ آپ یہ بات کہہ رہے تھے کہ اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو گئے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت خالد کے پاس جا رہے تھے کہ راستے میں ملے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ چیخ چیخ کر رو رہے تھے اور فرمایا یا امین الامت! اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کی ہے اور دشمن کی کثیر تعداد قتل اور باقی بھاگ گئی ہے لیکن ہمارے چالیس بندے غائب ہیں۔ میرے پاس اب بیس بندے رہ گئے ہیں۔ چالیس غائب لوگوں میں سے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ یہ سن کر بلند آواز سے پکار اُٹھے۔۔۔انا اللہ و انا الیہ راجعون۔۔۔خالد! تم نے بڑے اکابر اور جنگ کا پانسہ پلٹ دینے والے صحابہ کو شہید کروایا ہے۔ابوعبیدہؓ نے مشعلیں لانے کا حکم دیا اور بذات خود میدان جنگ میں چلے گئے۔رات کا اندھیرا چھا گیا تھا۔آپ نے صحابہ کے ساتھ ایک ایک لاش کو دیکھا۔معلوم ہوا کہ غسانیوں کی پانچ ہزار لاشیں پڑی تھیں جبکہ مسلمانوں کی صرف دس لاشیں ملی۔حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے کہا احتمال یہی ہے کہ بقیہ تیس حضرات دشمن کے تعاقب میں آگے چلے گئے ہیں۔ابوعبیدہؓ نے تیس غائب صحابہ کے پیچھے ایک دستے کو بھیجنے کا حکم دیا تو حضرت خالد سب سے پہلے کھڑے ہو گئے۔امین الامت نے خالد کو منع کرنا چاہا کہ آپ پورے دن کے تھکے ہیں، بہتر یہ ہوگا کہ کسی اور کو بھیجا جائے۔خالد نے کہا خدا کی قسم! میں ضرور جاؤں گا۔

خالدؓ اپنے ساتھ چند صحابہ کو لے کر انکے تعاقب میں نکل پڑے۔ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ اور فضل بن عباسؓ معہ اپنے پچیس ساتھیوں کے آپ سے ملے۔حضرت خالدؓ نے اپنے گھوڑے پر سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا، یا ابن عمّ رسول ﷺ آپ کہاں چلے گئے تھے۔ہم اور امین الامت سے آپکی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔زبیر بن عوامؓ نے فرمایا ابوسلیمان! اللہ نے جب مشرکین کو شکست دی تو ہم نے اپنے چند ساتھیوں کو غائب دیکھ کر سمجھا کہ شاید وہ قید ہو گئے ہیں لیکن جب ہم نے ان کا تعاقب کیا تو ہم نے انہیں وہاں نہ پایا اب یقینا وہ شہید ہو چکے ہوں گے۔حضرت خالد نے کہا میدان جنگ میں سوائے ہمارے دس آدمیوں کے گیارہویں لاش نہیں ہے۔پچیس آپ ہیں اور بیس ہم۔اس طرح کل پانچ ساتھی غائب ہیں جو ضرور قید ہوں گے۔قید ساتھی حسب ذیل تھے۔

یزید بن ابوسفیان، ضرار بن ازور، رافع بن عمیرہ، ربیعہ بن عامر اور عاصم بن عمرو۔

خالدؓ زبیر بن عوامؓ کو ساتھ لے کر ابوعبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ابوعبیدہؓ نے اسلامی سالاروں کو واپس دیکھ کر سجدہ شکر ادا کیا اور سب کو گلے لگایا۔اس کے بعد خالد نے کہا خدا کی قسم! میں نے اپنی جان کو کئی بار اللہ کے راستہ میں شہادت کیلئے پیش کیا لیکن افسوس کہ مجھے شہادت نصیب نہ ہوئی۔جن مسلمانوں کی موت قریب آ گئی تھی وہ شہید ہو گئے۔

☆☆☆

رومیوں کا سالارِ اعلیٰ ماہان اپنی شکست کی خبر سن کر غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے جبلہ بن الایہم کو بلا کر شکست کی وجہ پوچھی۔ جبلہ نے کہا سالارِ اعلیٰ! ہم برابر مسلمانوں پر غالب آتے چلے گئے حتیٰ کہ رات کا اندھیرا چھا گیا۔ رات کے ہوتے ہی ہم نے ایک شور و غوغا بلند ہوتے ہوئے دیکھا اور ہمارے سپاہی کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ میری رائے میں مسلمانوں کو مدد و غلبہ دینے والا کوئی دوسرا ہاتھ ہو سکتا ہے جسے مسلمان زمین و آسمان کے معبود کا ہاتھ کہتے ہیں۔ سالارِ اعلیٰ! کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ کل ساٹھ آدمی، ساٹھ ہزار کے لشکر کو کبھی شکست دے سکتے ہیں؟ یہ سنتے ہی ماہان کا غصہ اور بڑھ گیا اور کھڑا ہوتے ہوئے بولا، چُپ کر! میں نے آج تک تم جیسے بزدل اور نااہل لوگ نہیں دیکھے اگر میں تم لوگوں کو ایلچی بنا کر بھیجتا ہوں تو تمہاری سفارش قبول نہیں ہوتی اور اگر مقابلہ کیلئے بھیج دو، تو تم شکست کھا کر بھاگ آتے ہو اور اپنی شکست چھپانے کیلئے اسے مسلمانوں کی غیبی امداد کا نام دیتے ہو۔ اب میں خود ان سے لڑوں گا۔

دوسری طرف اسلامی لشکر کے سالار ابوعبیدہؓ پانچ گرفتار جانبازوں کی یاد میں اتنے مغموم ہو گئے تھے کہ راتوں رات روتے اور باری تعالیٰ سے ان کی رہائی کی دعائیں کرتے تھے۔ یہ پانچ گرفتار جانباز کوئی معمولی آدمی نہیں تھے بلکہ ہر ایک اپنے دستے کا سالار تھا۔

جب یہ گرفتار جانباز رومی سالار ماہان کے سامنے پیش کئے گئے تو ان کی وضع قطع سے ماہان سمجھ گیا کہ یہ کوئی معمولی قیدی نہیں ہیں۔ اُس نے جبلہ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ جبلہ نے کہا کہ یہ مسلمانوں کے سالار ہیں لیکن ان ساٹھ افراد کے جو امیر تھے وہ اب بھی زندہ ہے۔ جن کا نام خالد بن ولید ہے۔ ماہان نے پہلے ہی سے خالد بن ولیدؓ کے کارنامے سنے ہوئے تھے۔ یہ سن کر اس کے دل میں ایک فریب آیا اُس نے فوراً ایک ایلچی بلایا اور خالد کے نام ایک پیغام بھیجا کہ اگر وہ اکیلے ماہان سے ملنے آئے تو ہم صلح کی بات کر سکتے ہیں۔ نیز ان کے پانچ قیدی بھی چھوڑنے کیلئے تیار ہیں۔

دراصل ماہان نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ خالد کو اکیلے بلا کر ان پانچ قیدیوں کے ساتھ قتل کر دے گا۔ ایلچی حضرت خالد کو ماہان کا پیغام دے کر رخصت ہوا۔ حضرت خالدؓ مسیلمہ کذّاب کی یمنی تلوار لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور امین الامت ابوعبیدہؓ سے ماہان کے پاس جانے کی اجازت چاہی۔ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو اکیلے جانے سے منع کیا اور فرمایا کہ اپنے ساتھ چند بہادر سپہ سالار لے جائیے

۔ماہان نے ضرور کچھ مکروفریب سوچا ہوگا۔ممکن ہے ہمارے قیدی بھائی آزاد ہوجائیں۔

واقدی لکھتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے ساتھ ایسے سو افراد چن لئے جن میں سے ہر ایک تنہا ہزار ہزار کے لشکر کے لئے کافی تھا۔جس وقت یہ لشکر روانہ ہوا تو ابو عبیدہؓ کے رخسار مبارک پر آنسو بہہ رہے تھے اور آپ زور زور سے رو رو کر فرما رہے تھے۔خدا کی قسم، یہ حضرات اس دین کے معین ومددگار ہیں اگر میری امارت میں خدانخواستہ ان میں سے کسی ایک کو بھی کچھ تکلیف پہنچ گئی تو رب العالمین اور امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ کے سامنے میرا کیا عذر ہوگا۔انہی کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں ہر لڑائی میں فتح دیتا ہے۔جس وقت یہ حضرات ماہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو محافظ نے ماہان سے اجازت چاہی۔نیز یہ بھی کہا کہ خالد مع اپنے دستے کے آیا ہے۔ماہان نے حیرت سے پوچھا میں نے تو اکیلے خالد کو بلایا تھا۔محافظ نے آکر خالد کو بتایا کہ سالار اعلیٰ ماہان خالد سے تنہا ملنا چاہتا ہے۔حضرت خالد نے فرمایا تو اپنے سردار کے پاس جا کے کہہ دے کہ صلح کی جو بھی بات ہوگی خالد اپنے ان احباب کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔نیز یہ ہمارے امیر ابو عبیدہؓ کا حکم ہے۔

محافظ نے اپنے سالار اعلیٰ کو اطلاع دی۔اس نے کہا مسلمانوں کو اندر آنے کی اجازت ہے لیکن اس شرط پر کہ کوئی بھی اپنے ساتھ تلوار اندر نہیں لے آئے گا۔خالد اپنے احباب کے ساتھ سیدھے ماہان کے خیمے میں داخل ہوئے اور فرمایا تلوار ہماری عزت اور بزرگی کی نشانی ہے۔ہم انہیں کبھی بھی اپنے سے جدا نہیں کرسکتے یہ کہہ کر سیدھا ماہان کے سامنے کھڑے ہوگئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس وقت خالد اپنے ساتھیوں سمیت ماہان کے خیمے میں داخل ہوئے، ماہان کو ایک بڑے عالی شان تخت پر بیٹھا پایا۔زمین پر ریشمی قالین بچائی گئی تھی اور تمام مسلمانوں کیلئے کرسیاں پیش کی گئیں۔سب نے کرسیاں اٹھا اٹھا کر علیحدہ رکھ دیں اور زمین پر بیٹھ گئے۔ماہان نے کہا یا معاشر العرب !ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ تمہارے لوگ بھوک کے مارے ہوئے ہمارے پاس آتے اور ہم سے انعام واکرام کی خواہش کیا کرتے تھے۔ہم انکی تعظیم وتکریم کرکے انہیں مال سے مالا مال کرتے اور وہ پوری زندگی ہمارے مشکور رہتے۔ہماری نظروں میں تمہاری وہی قدرومنزلت تھی جتنی ایک بھکاری کی ہوتی ہے۔تم فقروفاقہ اور اونٹوں کو چرانے والے لوگ تھے۔ہمیں آپ کی طرف سے یہ وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ تم ہمارے ملک میں آکر ہمارے مردوں کو قتل،عورتوں کو گرفتار اور ہمارے

مال واسباب پر قابض ہوں گے۔ تم سے پہلے فارس، ترک اور جرامقہ والے آئے تھے لیکن ہم نے ان کا وہ حال کر دیا کہ الٹے پاؤں بھاگ گئے اور پھر کبھی اس طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تم لوگوں نے ہمارے ہی ہتھیار ہم سے چھین کر ہمارے خلاف استعمال کیے اور شہر کے شہر لوٹ کر بے شمار چاندی، سونا اور مال واسباب جمع کر لیے۔ اب ہم آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جو ہوا، سو ہوا۔ ابھی تک جو مال و اموال تمہارے ہاتھ آیا ہے ہم ان کا مطالبہ آپ سے نہیں کرتے وہ ہم نے معاف کئے ہیں۔ ہمارے مقبوضہ شہروں کو چھوڑ کر یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم آپ کے ہر سپاہی کو سو، سو دینار، تمہارے سردار اور خلیفہ کے واسطے ایک، ایک ہزار دینار اس شرط پر دینے کیلئے تیار ہیں کہ تم اس بات کا عہد کرلو کہ پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤ گے اور اگر تم نے انکار کر دیا تو ہم تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔

کہتے ہیں کہ ماہان نے بڑی مفصل تقریر کی۔ کبھی صلح کی ترغیب دیتا، کبھی مال کی لالچ دلاتا اور کبھی اپنی اکثریت کے بل بوتے پر ڈراتا اور دھمکا دیتا اور مسلمان خاموشی سے سنتے رہے۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی، تو خالدؓ نے کہا ہم نے آپ کو غور سے سنا ہے۔ اب آپ ہماری بات بھی غور سے سنیں۔ خالدؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور رسول اللہ ﷺ درود وسلام بھیجنے کے بعد فرمایا، تم نے ٹھیک کہا کہ ہم بھوکے، جاہل اور معمولی باتوں پر آپس میں لڑنے والے لوگ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر اپنے ایک ایسے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا جس نے ہمیں جہالت سے نکال کر رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا۔ جس کی وجہ سے ہمارے اندر شر، خیر سے بدلا۔ دشمنی بھائی چارے سے، ضلالت ہدایت سے اور مفلسی مالداری و خوشحالی سے بدلا۔ ہم نے اپنے رسول ﷺ کی آواز پر لبیک کہا۔ آپ ﷺ نے ہمیں احکامات دیئے کہ جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے دین پر چلے وہ ہمارا بھائی ہے۔ ہمارا مال واسباب، اس کا مال واسباب ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اور اسکی اطاعت نہ کرے تو پھر اس کی بریت کی صرف دو صورتیں بتائی ہیں۔ یا تو ہمیں جزیہ دیں یا ہمارے ساتھ لڑائی کیلئے تیار ہو جائے اور ہم تمہیں بھی ان تین باتوں کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

ماہان نے کہا نہ تو ہم اپنے مذہب سے پھر سکتے ہیں اور نہ جزیہ دے سکتے ہیں۔ بس تلوار ہی ہمارے مابین فیصلہ کرے گی۔ خالد نے کہا خدا کی قسم، تم ہم سے زیادہ جنگ کے خواہش مند نہیں ہو۔ میں گویا اس وقت اپنی فتح کو دیکھ رہا ہوں اور تمہیں رسی میں بندھا ہوا اپنے امیر کے سامنے نہایت

ذلت وحقارت کے ساتھ دیکھ رہا ہو۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ماہان کا یہ خیمہ تقریباً آٹھ لاکھ نفری کے بیچ میں نصب تھا اور خالد بن ولیدؓ اپنے سو بندوں سے ماہان کو قتل کی دھمکی دے رہا تھا لیکن یہ اس زمانے کی بات ہے جب مسلمان شہادت کو زندگی پر ترجیح دیتے اور مشرکین کو محض ایک کٹھ پتلی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ ماہان خالدؓ کی یہ گفتگو سن کر غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ تمام پہرہ دار اور انکے سالاروں نے اپنی تلواریں اٹھا کر مسلمانوں کو شہید کرنے کا تہیہ کر ڈالا اور اپنے سالار اعلیٰ کے حکم کے منتظر ہو گئے۔ ماہان نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا مسیح کی قسم! میں ابھی تمہارے ان پانچ قیدیوں کو تمہارے سامنے بلا کر انکی گردنیں اڑا دوں گا۔ خالدؓ یہ سن کر اپنی یمنی تلوار اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اے کم ظرف اور خدا کے دشمن ! خدا کی قسم، اگر تم نے انہیں قتل کر دیا تو میں ابھی اس تلوار سے تیرا سر اڑا دوں گا۔ میرا یہ ایک ایک سپاہی تیرے ایک ایک لشکر کیلئے کافی ہے۔

اصحاب رسول ﷺ نے بھی اپنے امیر کا اتباع کیا اور تلوار میان سے کھینچ کر اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے ماہان کی طرف آگے بڑھ گئے۔ فتوح الشام میں مسلم بن عبد الحمید نے اپنے دادا رافع بن مازنؓ سے نقل کیا ہے کہ میں بھی حضرت خالد کے ان سو افراد میں سے تھا۔ جب ہم اپنی تلوار اٹھا کر ماہان کی طرف آگے بڑھے تو ہمارے نظروں میں اس کی لشکر کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ ہم نے دل میں تہیہ کر لیا کہ یہ ہماری شہادت گاہ ہوگی اور ہم قیامت کے دن اسی جگہ سے اٹھائے جائیں گے۔ ماہان نے جس وقت ہمارے ارادے کو سمجھا تو وہ خوف کے مارے کھڑا ہو کر چلا چلا کر بول پڑا۔ رک جا خالد! جلدی نہ کرو میں نے یہ بات محض تمہاری آزمائش کیلئے کی تھی کہ تم اپنے ان قید بھائیوں سے کتنی محبت کرتے ہو۔ ورنہ یہ پانچ بندے زندہ رہ کر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تم ان قید ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور کل کیلئے لڑائی کی تیاری کر لو۔ حضرت خالدؓ خوشی سے اپنے تمام ساتھیوں سمیت اپنے لشکر میں لوٹ آئے۔ سارے مسلمان اپنے قیدی بھائیوں کی رہائی سے نہایت خوش ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے تمام قصہ حضرت ابوعبیدہؓ کو بیان کیا کہ ماہان نے محض اپنی موت سے ڈر کر ہمارے قیدیوں کو چھوڑ دیا ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی بتایا کہ ماہان ایک ہوشیار اور ماہر جنگجو معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا پھر اس میں ایک خرابی ہے۔ اس کی عقل و دانش شیطان کے قبضے میں ہے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام سرداران لشکر کو اکٹھا کر کے انہیں بتایا کہ دشمن کا ارادہ کل صبح لڑائی کا ہے اس لئے اللہ کا نام لے کر لڑائی کیلئے تیار ہو جاؤ اور اپنے جنگی ساز و سامان درست کرلو۔ مسلمانوں نے خوشی خوشی اور جہاد کے شوق میں سامان حرب تیار کرلیا اور پوری رات عبادت میں گزار کر صبح کا انتظار کیا۔ صبح کی نماز کی امامت سے فارغ ہو کر جناب ابوعبیدہؓ نے اسلامی لشکر کی صف بندی شروع کی۔ مسلمانوں کے محاذ کی لمبائی تقریباً گیارہ میل تھی۔ جس وقت صفیں مرتب ہوگئیں تو آپ نے خالد بن ولید کو اپنے پاس بلایا اور تمام پہلوؤں پر سالاروں کو مقرر کرنے لگے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا میمنہ کے لشکر پر معاذ بن جبلؓ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ خالد نے فرمایا، واقعی معاذ ابن جبلؓ ہی اسکے قابل ہیں۔ پھر اسکے بعد ابوعبیدہؓ حضرت خالدؓ کے مشورے سے ایک ایک سالار مقرر کرنے لگے۔ میسرہ پر یزید بن ابوسفیانؓ کو مقرر کیا۔ قلب پر ابوعبیدہ بن جراحؓ خود امیر مقرر ہوئے۔

مؤرخ طبری اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن اسلامی لشکر چھتیس سے چالیس دستوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ اسطرح ہر دستہ نوسو یا ایک ہزار پر مشتمل تھا اور ہر دستے پر ایک ایک امیر مقرر ہوا تھا۔ قلب کے دائیں طرف حضرت شرحبیل بن حسنہ مقرر ہوئے۔ انکے ساتھ سالار عکرمہ بن ابوجہل اور عبدالرحمٰن بن خالد بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مال غنیمت پر مقرر کیا گیا۔ لوگوں میں گھوم پھر کر سورۃ انفال اور جہادی آیات کی تلاوت کرنے والے قاری حضرت مقداد بن الاسودؓ تھے۔ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے بعد جاری کی ہوئی تھا۔ جنگ یرموک میں ایک سو بدری صحابہ بھی شامل تھے۔ سالاروں کو اپنے اپنے دستوں پر بھیجنے سے پہلے ابوعبیدہؓ نے ان سب کو مخاطب کر کے فرمایا آج کی یہ جنگ ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ کن جنگ ہوگی، لہٰذا اللہ ہی سے مدد مانگو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ صبر اور استقامت اختیار کرو، بلاشبہ صبر کفر سے نجات دینے والا اور رب کی خوشنودی حاصل کرنے والی چیز ہے۔ میدان جنگ میں پسپائی اختیار نہ کرو اور دلوں میں ذکر الٰہی کیا کرو۔

نیز آپ نے خالد بن ولیدؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ابوسلیمان! میں آج تمہیں تمام لشکر پر امیر مقرر کرتا ہوں، خواہ پیدل ہو یا سوار۔ بلاشبہ آج کی جنگ جنگی چالوں اور تدبیروں کی ہوگی لہٰذا تمام سالار تیرے حکم کے ماتحت ہوں گے۔ تمام سالاروں نے متفقہ طور پر ابوعبیدہؓ کا حکم تسلیم کر کے خالد بن ولیدؓ کو اپنا امیر مقرر فرمایا۔

دوسری طرف رومی سالار ماہان نے اپنے لشکر کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا۔ رومی لشکر کے محاذ کی لمبائی بارہ میل تھی۔ ایک پہلو پر سالار جرجیر کے دستے تھے۔ دوسرے پہلو پر سالار قناطیر کے دستے، جبکہ قلب میں سالار اعلیٰ ماہان اور سالار دیرجان کے دستے تھے۔ گھوڑسوار دستوں پر جبلہ بن الایہم کو سردار مقرر کیا گیا۔

ابن کثیر نے بحوالہ عبدالرحمٰن بن جبیر بیان کیا ہے کہ ماہان نے اپنے لشکر کے اسّی ہزار پیادوں کو زنجیروں سے باندھا تھا۔ ایک زنجیر میں دس دس آدمی باندھے گئے تھے۔ یہ زنجیریں اتنی لمبی تھیں کہ ان میں باندھے گئے سپاہی آسانی سے لڑ سکتے تھے۔ زنجیروں کا مقصد یہ تھا کہ سپاہی بھاگ نہ سکیں اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ ان سب نے موت پر بیعت کی تھی کہ قتل ہو جائیں گے لیکن میدان جنگ چھوڑ کر بھاگیں گے نہیں۔ جب طرفین کی صف بندی ہو چکی تو ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور دوسرے سالار اسلامی لشکر کے دستوں میں چکر لگاتے اور ان کے حوصلے بڑھاتے جاتے۔ سالار معاذ بن جبلؓ اور عمرو بن العاصؓ بھی برابر وعظ و نصیحت کر کے آگے بڑھتے گئے۔

مؤرخ طبری اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ دوران گشت خالد نے ایک سپاہی سے سنا کہ دیکھو رومی کتنے زیادہ ہیں اور ہم کتنے کم ہیں۔ خالدؓ نے انہیں بلند آواز سے کہا کہ کہو کہ رومی کتنے کم اور ہم کتنے زیادہ ہیں۔ طاقت تعداد کی نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے بنتی ہے۔ ہمارے ساتھ اللہ ہے جبکہ رومی اللہ کی مدد سے محروم ہیں۔

☆☆☆

مؤرخ ابن کثیر کے مطابق ۵ رجب ۱۵ ھجری بمطابق اگست ۶۳۶ء پیر کے روز طرفین کے لشکر آمنے سامنے ہوئے اور حملے کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ منظر بڑا ہی ہیبت ناک اور دہشت والا تھا جب مسلمانوں کی چالیس ہزار نفری رومیوں کی کئی گنا لشکر کے سامنے صف آراء تھی۔ رومی لشکر سے جرجہ نامی ایک سالار انفرادی مقابلے کیلئے آگے بڑھا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنے مقابلے کیلئے للکارا۔ خالدؓ بڑھ کر اس کے پاس پہنچے۔ خالدؓ نے تلوار نکالی مگر جرجہ کی تلوار اب بھی نیام میں تھی۔ دونوں اتنے قریب ہو گئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں لیکن جرجہ اب بھی نہایت پرسکون تھا اور تلوار نہ نکالی۔ طبری، ابن کثیر ابن خلدون اور ابو یوسف نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ حضرت خالدؓ

نے انہیں للکارا، اے خدا کے دشمن! تلوار نکال اور مجھ پر حملہ کر، تا کہ تجھے افسوس نہ رہے کہ وار کرنے کا موقع نہ ملا۔ جرجہ نے کہا ابن ولید! جھوٹ نہ بولنا کیونکہ شریف زادے جھوٹ نہیں بولتے۔ دھوکہ بھی نہ دینا کیونکہ جنگجو دھوکہ نہیں دیتے۔ کیا یہ سچ ہے کہ اللہ نے تمہارے نبی ﷺ آسمان سے کوئی تلوار اتاری ہے اور انہوں نے وہ تلوار تمہیں دی ہے؟ اور جب تیرے ہاتھ میں وہ تلوار ہوتی ہے، تو دشمن ہمیشہ مغلوب ہوجاتا ہے۔ خالدؓ نے کہا یہ سچ نہیں ہے۔ جرجہ نے پوچھا تو پھر تمہارا نام سیف اللہ کیوں ہے؟ خالد نے کہا سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے اپنے ایک رسول ﷺ مبعوث فرمایا ہم میں سے اکثر نے انکی تکذیب کی اور بہت کم لوگوں نے ان کی تصدیق کی۔ میں بھی تکذیب کرنے والوں میں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی ہدایت سے نوازا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے میری تیغ زنی کے جوہر دیکھے تو آپ نے فرمایا خالد! تو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے مشرکین کیلئے بے نیام کیا ہوا ہے اور آپ ﷺ نے میرے حق میں فتح ونصرت کی دعا کی تھی۔ اسی وجہ سے میرا نام سیف اللہ ہے۔

جرجہ نے کہا خالد تم کن باتوں کی طرف دعوت دیتے ہو۔ خالد نے کہا میں تمہیں۔۔۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔۔۔ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ جرجہ نے کہا اگر میں انکار کروں تو پھر تو کیا کرے گا؟ خالد نے کہا پھر تجھ سے جزیہ مانگا جائے گا اور ہم تمہارے مال وجان کی حفاظت کریں گے۔ جرجہ نے کہا اگر میں جزیہ دینے سے انکار کروں؟ خالد نے کہا تو پھر لڑائی کیلئے تیار ہوجاؤ۔ جرجہ نے پوچھا جو شخص آج تیری اس دعوت کو قبول کر لے اور مسلمان ہوجائے تو اس کا کیا درجہ ہوگا۔ خالد نے کہا وہی درجہ جو ہمارا ہے۔ اسلام میں سب برابر ہیں۔ کوئی ادنیٰ یا اعلیٰ نہیں ہے۔ جرجہ نے کہا خالد میں تمہارے مذہب میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن قسمیہ اقرار کرلیں کہ تم نے مجھ سے جو باتیں کی ہیں سچ کہی ہیں۔ خالد نے کہا خدا گواہ ہے کہ میں نے تمہارے سوالات کا سچ سچ جواب دیا ہے۔ جرجہ نے جواب دیا ابن ولیدؓ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ خالد جرجہ کو اپنے ساتھ لے چلا اور مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کی۔ دوسری طرف رومی لشکر نے جرجہ پر لعن طعن کی لیکن جرجہ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔

جرجہ ایک بہت بڑی فیصلہ کن اور خونریز جنگ کے شروع ہونے سے کچھ لمحے پہلے مسلمان ہوکر اپنے ہی لشکر کے خلاف لڑنے کیلئے تیار ہوگیا۔ رومی اپنے سالار جرجہ کے مسلمان ہونے پر نہایت

خفت محسوس کرنے لگے کہ اچانک رومی لشکر سے نہایت ڈیل ڈول کا ایک سردار باہر نکلا اور رومی زبان میں مسلمانوں کو اپنے مقابلے کیلئے للکارا۔ یہ سوار بادشاہ کے مقربین اور خاص سالاروں میں سے تھا۔ خالد ؓ نے اس کے مقابلے میں نکلنا چاہا لیکن اس سے پہلے کہ خالد اپنے گھوڑے اور تلوار کو سنبھالتے، مسلمانوں کی طرف سے بصرہ کا حاکم روماس نکل پڑا (روماس فتح بصرہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے)۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ رومی سردار اور حضرت روماس ؓ مسلسل ایک گھنٹے تک لڑتے رہے۔ فریقین ان کی بہادری کے جوہر دیکھتے رہے۔ آخر کار رومی نے حضرت روماس کو غافل دیکھ کر ان کے سر پر ایک کاری ضرب لگائی۔ ضرب خول کو چیر کر اندر لگی جس کی وجہ سے روماس کے سر اور چہرے پر خون بہنا شروع ہو گیا۔ ضرب کی تکلیف کی وجہ سے آپ لڑنے کے قابل نہیں رہے لہٰذا حضرت خالد ؓ نے انہیں پیچھے بلالیا۔ مسلمانوں نے ان کی مرہم پٹی کی اور انہیں اس کی بہادری کی داد دی۔

حضرت روماس کو شکست دینے کے بعد رومی سردار کے دل میں تکبر پیدا ہوا۔ وہ اپنے گھوڑے کو میدان میں دوڑا کر اپنے مقابلے کیلئے مسلمانوں کو للکارتا رہا۔ مسلمانوں کے ایک دستے کے سالار حضرت میسرہ بن مسروق عبسی ؓ نے آگے بڑھنا چاہا لیکن خالد ؓ نے انہیں منع فرمایا کہ آپ بوڑھے ہیں اور مدمقابل ایک بہادر تندرست اور جوان ہے۔ اسکے بعد عامر بن طفیل بن عمرو دوسی ؓ آگے بڑھے اور ابوعبیدہ ؓ اور خالد ؓ سے اجازت چاہی۔ ابوعبیدہ ؓ نے عامر بن طفیل کو منع کیا کہ آپ ایک کمسن ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ تم انکے مقابلے میں مارے نہ جاؤ۔ عامر بن طفیل نے کہا: اے سرداران اسلام! آپ لوگوں نے اس بدبخت رومی کی اتنی بہادری بیان کی ہے کہ مجھے خدشہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کا رعب نہ پڑ جائے لہٰذا آپ مجھے اجازت دیجیئے کہ میں اس کا کام تمام کرلوں۔ خالد نے کہا میں نے اس کے فن حرب وضرب کی کمالات دیکھ لئے ہیں۔ دشمن بلاشبہ ایک جنگجو اور بہادر معلوم ہوتا ہے لہٰذا آپ اپنے مقام پر واپس جائیں۔ اس کے بعد حرث بن عبداللہ نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیلئے اجازت چاہی۔ خالد نے فرمایا واقعی تم اس کا مدمقابل ہو۔ تم ایک ماہر جنگجو ہو، لہٰذا اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس وقت حرث بن عبداللہ آگے بڑھ رہے تھے خالد ؓ نے انہیں روک کر ان سے پوچھا کیا اس سے پہلے تم نے انفرادی مقابلہ لڑا ہے؟ حرث بن عبداللہ ؓ نے جواب دیا نہیں۔ حضرت خالد ؓ نے کہا تم نے نہ صرف مجھے دھوکہ دے رہے ہو بلکہ اپنے آپ کو بھی دھوکہ دے

رہے ہو۔ ابھی تم انفرادی مقابلے کے اہل نہیں ہو، لہٰذا آپ واپس چلے جاؤ۔

اسکے بعد مسلمانوں کا ایک مشہور سالار قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اجازت چاہی۔ مسلمانوں کے دونوں سالار ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دی کہ واقعی آپ فن حرب وضرب کے ماہر ہیں اور مدمقابل شخص معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں پہنچ کر تلوار نکالی اور رومی سالار کو تلوار کا وار رسید کیا۔ رومی نے وار کو ڈھال پر روک دیا۔ دونوں برابر لڑتے رہے اور ایک دوسرے کے وار کو روکتے رہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ نے رومی پر ایک ایسا وار کیا جو ڈھال کو پھاڑ کر رومی کے آہنی خود تک پہنچا اور اس میں شگاف پڑ گیا۔ قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اسی شگاف میں پھنس گئی اور تلوار آپ کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔ دشمن نے آپ کو تلوار کے بغیر دیکھا تو ایسا وار کیا جو سیدھا شہ رگ پر جا پڑا۔ قیس بن ہبیرہ رومی سالار کے وار کو روکتے رہے مگر زیادہ خون نکلنے کی وجہ سے آپ نہایت کمزور اور لاغر ہوتے رہے۔ آپ اپنے لشکر کو اس نیت سے دیکھتے رہے کہ کوئی انہیں تلوار پہنچا دیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قیس بن ہبیرہ کی نیت بروقت سمجھتے ہوئے میدان جنگ میں آگے بڑھے اور قیس کو تلوار پھینک دی۔ قیس بن ہبیرہ تلوار اٹھا کر رومی سالار سے نپٹنے لگے۔ واقدی لکھتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ قیس بن ہبیرہ کو تلوار دینے کی غرض سے میدان جنگ میں آئے تو دو اور رومی سالار انکے مقابلے میں نکل آئے۔ رومی یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کیلئے آیا ہے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں تو فقط اپنے بھائی کو تلوار دینے کی غرض سے آیا تھا لیکن اگر تم میرے مقابلے میں سو آدمی بھی بھیجو، تو میں اکیلے ان کیلئے کافی ہوں، یہ کہکر آپ نے رومی سالار کو ایک ایسا وار رسید کیا کہ رومی اپنے گھوڑے پر دو ٹکڑے ہو گیا۔ دوسرے سالار کو ایسا نیزہ مار دیا کہ اس کے پیٹ اور پشت کو چیر لیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسری طرف قیس بن ہبیرہ نے اپنے مدمقابل کو جہنم واصل کر دیا۔ آپ نے قیس بن ہبیرہ کو واپس کر دیا اور خود دونوں فوجوں کے درمیان گھوڑے کو چکر دیتے ہوئے للکار کر کہا، میں ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ ابوبکر کا بیٹا۔ رومیو! میری حیثیت کا کوئی سالار آگے بھیجو۔ رومی صف سے ایک سالار نکل پڑا جو کالے رنگ کے ایک گھوڑے پر سوار سیدھا آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا اے بدقسمت نوجوان! کیا تو ایلمور کی برچھی کا سامنا کرو گے؟

عبدالرحمٰن رضی نے رومی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا خدا کی قسم، اہل روم ابھی تک ایسا سالار پیدا نہ کر سکے جو ابن ابوبکر رضی کا مقابلہ کر سکے۔ رومی سالار نے آگے بڑھ کر عبدالرحمٰن کو ایک برچھی ماری لیکن عبدالرحمٰن نے اپنے گھوڑے کو ایک طرف کر دیا اور جھک کر اپنے آپ کو بچالیا۔ عبدالرحمٰن رضی نے اپنے گھوڑے کو موڑ کر تلوار کا ایک ایسا وار رسید کیا جس سے ہاتھ صاف کٹ کر بازو سے الگ ہو گیا۔ ایلمو ربلبلا اٹھا اور کٹے ہوئے بازوں کو اوپر اٹھایا۔ وہ اپنے بازوں سے تازہ خون ابل ابل کر بہتے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ عبدالرحمٰن نے ایک دوسرا وار کر کے اس کی بغل میں تلوار رسید کر دیا۔ رومی وہیں گر کر بے جان ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے رومی سے فارغ ہو کر دوبارہ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنے مدمقابل کو للکار کر بولا : کیا اتنے بڑے لشکر میں میرے حیثیت کا کوئی سالار نہیں۔

رومیوں کا سالار ماہان یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اُس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اب کوئی سالار آگے نہیں جائے گا اگر یہ مقابلے جاری رہے تو ہمارے پاس کوئی بھی سالار نہیں بچے گا۔ ہمیں اعتراف کر لینا چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا سالار نہیں ہے جو دوبدو مقابلے میں مسلمانوں کو شکست دے سکے۔ انکے ایک سالار نے ہمارے تین سالاروں کو قتل کر دیا ہے۔ ایک تجربہ کار سالار نے کہا ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ میدان جنگ میں صرف ہمارے سالاروں کی لاشیں پڑی ہیں اور مسلمان ہمیں طعنے دے رہے ہیں۔ اب ہمیں اپنے پورے لشکر سے ان چند ہزار مسلمانوں پر حملہ کر لینا چاہیے۔ ماہان نے کہا نہیں میں مسلمانوں پر پہلا حملہ کم نفری سے کروں گا اور دیکھوں گا کہ یہ اپنے آپ کو بچانے کیلئے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں نیز ان کی جنگی تدابیر اور حکمت عملی بھی دیکھوں گا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ آدھا دن گزر چکا تھا اگست کی گرمی تھی اور حبس اپنے عروج پر تھی۔ ماہان نے اتنی ہی نفری سے مسلمانوں پر حملہ کیا جتنی مسلمانوں کی تھی یعنی تقریباً چالیس ہزار۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی نے رومیوں کا لشکر اپنی طرف بڑھتے ہوئے حملے کا حکم دے دیا اور قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمانے لگے : ترجمہ : وہ لوگ جن سے ایک گروہ نے کہا کہ دشمن نے تمہارے مقابلہ کیلئے لوگ جمع کئے ہیں پس تم ان سے ڈرو پھر اس وقت ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے تو اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

مسلمانوں کی صفوں سے اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے۔ سب ایک ساتھ اپنی کمانوں سے

تیر چلاتے ہوئے آگے بڑھے۔ ہر مجاہد کی زبان پر قرآن پاک کی کسی نہ کسی آیت کا ورد جاری تھا۔
جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے تو اسلام کے سپاہیوں نے اپنی برچھیاں اور تلواریں نکال کر رومیوں کو روندنا شروع کیا جوں جوں دن گزرتا گیا معرکہ خونریز ہوتا گیا۔ پہلے دن کی لڑائی میں رومیوں اور مسلمانوں کی تعداد تقریباً برابر تھی لیکن رومیوں نے یہ حملہ صرف قلب پر کیا تھا۔ میمنہ اور میسرہ پر مقرر امیر اپنے اپنے محاذوں پر کھڑے تھے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے جگہ سے نہ ہٹنے کا حکم دیا تھا آپ کی یہ حکمت عملی رومیوں کی میمنہ اور میسرہ پر ممکنہ حملے کے تدارک کے لئے تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ماہان کا مسلمانوں کے قلب پر حملہ کرنے کا مقصد ان کے نظم وضبط کو درہم برہم کرنا تھا انکو یہ توقع تھی کہ مسلمان اپنے پورے لشکر کے ساتھ دفاع کریں گے لیکن مسلمانوں کے قلب کا امیر کوئی معمولی بندہ نہیں تھا، وہ خود امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے لشکر کے کسی اور حصے کو جنگ میں جھونکنا مناسب نہیں سمجھا اور صرف قلب کو لڑائی کیلئے سامنے رکھا۔ لہٰذا اسلامی لشکر کمک اور مدد کی امید دل سے نکال کر ایسی بے دردی کے ساتھ لڑے کہ رومی کٹ کٹ کر مرنے لگے۔ جب رات کی تاریکی گہری ہوگئی اور پہچان وشناخت مشکل ہوگئی تو دونوں فریق اپنے اپنے محاذوں کی طرف لوٹ گئے اور جنگ کا سلسلہ رُک گیا۔

☆☆☆

وہ منظر بڑا ہی جذباتی تھا جب عورتیں اور مجاہدین مشعلیں اٹھا اٹھا کر اپنوں کو میدان جنگ میں ڈھونڈنے لگے۔ جو شدید زخمی تھے انہیں مجاہدین کندھوں کے سہارے اپنے خیموں میں لے آئے اور انکی مرہم پٹی کی۔ جنگ یرموک کی پہلے دن کی لڑائی میں مسلمانوں کے کل دس آدمی شہید ہوئے تھے جن میں سے ایک قیس بن ہبیرہ کے بھتیجے حضرت سوید بن بہرام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت قیس بن ہبیرہ کو اپنے بھتیجے کی شہادت پر بے حد قلق ہوا۔ وہ تلوار اٹھائے اور میدان کارزار میں اپنے بھتیجے کی لاش کو تلاش کرنے لگے۔ انکی لاش مسلمانوں کی نعشوں کے ساتھ نہیں ملی لہٰذا وہ آگے جا کر رومیوں کی لاشوں میں ڈھونڈنے لگے۔ رومیوں کی ہزاروں لاشیں پڑی تھیں چند رومی دستے بھی اپنوں کی لاشیں ڈھونڈ رہے تھے۔ انہوں نے تلوار نکال کر اکیلے ان پر حملہ کیا اور ان کو للکارا خدا کی قسم، میں اپنے بھتیجے کا انتقام ضرور لوں گا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ نے سولہ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور باقی

سارے اپنی لاشوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لڑائی سے فارغ ہو کر وہ پھر اپنے بھتیجے کو تلاش کرنے لگے۔ دور سے آپ نے آہ بھری فریاد سنی۔ جب آپ اس کے پاس گئے تو وہ ان کے بھتیجے سوید بن بہرام رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کو بہت چوٹیں آئیں تھی اور سینے میں ایک نیزہ آر پار گزرا ہوا تھا۔ حضرت قیس بن ہبیرہ اپنے بھتیجے کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر پوچھنے لگے یا ابن اخی! میں نے تو پورے میدان جنگ میں آپ کو ڈھونڈا، آپ اتنے آگے کس طرح آئے ہیں۔ حضرت سوید بن بہرام رضی اللہ عنہ نے پوری روداد سناتے ہوئے فرمایا اے میرے چچا میں اپنے چاروں طرف بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں دیکھ رہا ہوں۔ یہ سب میری روح نکلنے کی انتظار کر رہی ہیں خدا کی قسم! میری سانس میری لبوں پر پہنچ چکی ہے۔ یہ کہہ کر انکی روح علییّن کی طرف پرواز کر گئی۔ حضرت قیس بن ہبیرہ اپنے بھتیجے کی لاش خیمے میں لے آئے اور پورا ماجرا حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے بیان کیا اور رومیوں کے قتل کرنے کی خبر بھی دی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انکے بھتیجے کے حق میں دعائے مغفرت کی اور رومیوں کی قتل پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا یہ ہمارے لئے ایک نیک فال اور اللہ کی نصرت کی نشانی ہے۔

جنگ یرموک کے پہلے دن کی لڑائی میں مسلمانوں نے واضح برتری پائی تھی۔ مسلمانوں کے صرف دس آدمی شہید ہوئے تھے اسکے برعکس رومی اپنے ہزاروں فوجیوں سے محروم ہو چکے تھے۔ ماہان نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ اُس نے رات کو اپنے تمام سالاروں کو بلایا اور ان سے کہنے لگا۔ آج ہم اپنے حملے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اسکی وجہ کیا ہے؟ ایک سالار نے کہا میرے خیال میں ہمارے سپاہیوں نے اپنے اوپر مسلمانوں کا خوف طاری کر رکھا ہے۔ ماہان نے کہا نہیں! ہماری صفوں میں اتحاد نہیں ہے۔ مسلمان بھی مختلف جگہوں اور قبیلوں سے آئے ہوئے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو ایک مسلمان سمجھتے ہیں اور اس عقیدے نے انہیں ایک بنایا ہوا ہے۔ میں انکے فوجیوں میں نظم وضبط دیکھ رہا ہوں، اسکے برعکس ہمارے فوجیوں میں نہ اتحاد رہے اور نہ نظم وضبط۔ ہم نے اپنی رعایا پر ظلم روا رکھا ہے۔ ایک معمر سالار نے جواب دیا سالار اعلیٰ! ایک رات میں اتحاد اور عدل وانصاف پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اب انہی حالات میں لڑنا ہوگا۔ ماہان نے کہا ہاں، میں پریشان ضرور ہوں مگر مایوس نہیں۔ اُس نے تمام سالاروں کو حکم دیا کہ کل صبح ہم اس وقت مسلمانوں پر حملہ کریں گے جب ان کی عبادت کا وقت ہوگا۔

مؤرخین نے ماہان کی اگلی صبح کے حملے کا منصوبہ اس طرح لکھا ہے کہ مسلمانوں کے قلب پر حملہ اس طرح ہوگا کہ مسلمانوں کی مرکزی کمان جو قلب میں تھی، کو لڑائی میں الجھائے رکھا جائے تا کہ وہ اپنے لشکر کے میمنہ اور میسرہ پر توجہ نہ دے سکے۔ ماہان کا اصل مقصد مسلمانوں کے پہلوؤں پر حملہ کرنا تھا تا کہ پہلوؤں کے دستے کو ختم کر کے قلب کو کمزور کیا جائے۔ ماہان نے شام سے تیاری کا حکم دیا اور اپنے لئے میدان جنگ سے قریب ایک بلند چوٹی پر خیمہ نصب کروایا۔ وہاں سے تمام تر محاذ کو دیکھا جا سکتا تھا۔ ماہان نے اپنے ساتھ دو ہزار کا ایک حفاظتی دستہ رکھا۔

فتوح الشام میں واقدی لکھتے ہیں کہ میں نے ابادین غالب حمیریؒ سے سنا ہے۔ انہوں نے جواد بن اسیدؒ سے اور جواد نے اپنے والد اسد بن علقمہؓ سے نقل کیا ہے کہ میں جنگ یرموک کے لشکر میں تھا ہمیں ماہان کے حملے کے متعلق کچھ خبر نہیں تھی۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ صبح کی نماز پڑھانے لگے آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ فجر پڑھنا شروع کی۔ جس وقت آپ۔۔۔ **ربّک لبالمِرصَاد**۔۔۔ پر پہنچے تو ہاتف غیبی نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا "تم قوم پر فتح یاب ہو گئے رب عزت کی قسم، ان کا مکران کو کسی چیز سے بے نیاز نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو تمھاری امیر کی زبان پر محض تمھیں بشارت دینے کیلئے جاری کرایا ہے"۔

دوسری رکعت میں ابو عبیدہؓ نے سورہ شمس کی تلاوت شروع کی اور جس وقت آپ اس آیت پر پہنچے۔۔۔ **فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوھا**۔۔۔ تو پھر ہاتف غیبی نے آواز دی "بات پوری ہو گئی۔ رجز صحیح ہو گئی۔ یہی علامت فتح کی ہے۔"

حضرت ابو عبیدہؓ جس وقت نماز سے فارغ ہوئے تو مسلمانوں سے کہنے لگے۔ یامعاشر المسلمین! کیا تم نے ہاتف غیبی کی آواز سنی؟ سب نے کہا ہاں، ہم نے سنی ہے آپ نے فرمایا خدا کی قسم! یہ فتح ونصرت کی نشانی ہے۔ اللہ عزوجل کی مدد و اعانت کی تمھیں بشارت ہو۔ پھر آپؓ نے فرمایا اے مومنین! میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے کہ میں رومیوں کے مقابلے میں کھڑا ہوں کہ اچانک ہمیں چند ایسے آدمیوں نے گھیر لیا جنہوں نے ایسے سفید کپڑے پہن رکھے تھے کہ آج تک میں نے ایسا سفید رنگ نہیں دیکھا۔ ان کے چہروں سے ایسا نور ٹپک رہا تھا کہ آنکھوں کو بے نور کر رہا تھا۔ ان کے سروں پر سبز عمامے بندھے تھے، سبز گھوڑوں پر سوار تھے اور اپنے ہاتھوں میں زرد علم اٹھائے ہوئے یہ

کہہ رہے تھے کہ دشمن کی طرف بڑھو اور ان سے مطلق نہ ڈرو، تم غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت تمھارے ساتھ ہے۔ اسکے بعد انہوں نے ہمارے چند آدمیوں کو بلایا اور اپنے پیالوں سے انہیں شراب پلائی۔ میں اپنے لشکر کو رومیوں میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور جس وقت رومیوں نے ہمارے لشکر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ہزیمت کھا کر بھاگ گئے۔ یہ خواب سن کر تمام مسلمانوں نے کہا یہ ایک بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھوں اور دلوں کی تسلی کیلئے دی ہے۔ حضرت سعد بن رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے اسی گفتگو میں تھے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو تمام رات پہرہ داری پر مامور تھے، دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کو اطلاع دی کہ رومی جنگی ترتیب میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد کو مخاطب کر کے فرمایا ابوسلیمان! تمام سالاروں کو اطلاع دیں کہ دشمن حملہ کر رہا ہے۔ اپنے اپنے محاذ پر تیار ہو جاؤ۔ مسلمان چونکہ حالت جنگ میں تھے اس لئے وہ ہمیشہ ہی جنگی تربیت میں ہوتے۔ خالد کی اطلاع نے انہیں حملے کیلئے تیار کر دیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے مشورے کے مطابق عورتوں اور بچوں کو لشکر کے پیچھے ایک بلند ٹیلے پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر آپ عورتوں سے مخاطب ہوئے۔

دختران اسلام! خیموں کی چوبوں کو ہاتھ میں لے لو اور اپنے پاس پتھر جمع کر لو۔ اگر فتح و نصرت ہمارے ساتھ رہی تو اسی طرح بیٹھی رہو لیکن اگر تم کسی مسلمان کو بھاگتے ہوئے دیکھو تو چوبیں اور پتھر مار مار کر اس کا منہ توڑ دو اور اپنی اولاد اور بیویاں اسے دکھاؤ تاکہ وہ اپنی ناموس اور عزت کی خاطر واپس ہو جائے۔ امین الامت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں وہی زرد علم پکڑے ہوئے قلب کی طرف واپس پلٹے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ملک شام پر روانہ کرتے وقت آپ کو عنایت فرمایا تھا۔ یہ وہی نشان تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن اپنے ہاتھ مبارک سے اٹھایا ہوا تھا۔

امین الامت نے قلب سے آگے نکل کر تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

اسلام کے علمبر دارو! صبر و استقلال کو اپنا شعار بنا لو۔ اپنے نیتوں کو صاف اور صفوں کو سیدھا رکھو۔ لڑائی میں پہل نہ کرنا اپنی زبان پر اللہ کے ذکر کے سوا اور کوئی بات نہ لانا اور پسپائی سے اجتناب کرو۔ ان شاء اللہ فتح و نصرت ہمارا ساتھ دے گی۔ اسکے بعد آپ قلب کی طرف واپس چلے گئے۔ عین لڑائی شروع ہونے سے پہلے خالد بن ولید دوڑتے ہوئے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا امین الامت!

رومیوں کا لشکر سیلاب کی طرح آگے بڑھ رہا ہے۔ اس سیلاب کو روکنے کیلئے آج ہمیں نہایت صبر واستقلال سے کام لینا ہوگا۔ آج کے دن فتح اس کی ہوگی جو ثابت قدم رہا لہٰذا میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ قلب پر سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمائیں اور خود دو تین سو آدمی لیکر قلب کے پیچھے کھڑے ہو جائیں تا کہ جس وقت مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ ان کے پیچھے کھڑے ہیں تو وہ آپ سے شرمائیں گے اور ہر گز پسپائی اختیار نہیں کریں گے۔

امین الامت نے آپ کا مشورہ قبول کرلیا اور قلب کے پیچھے چلے گئے۔ اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے قلب کے دستوں کو حملے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اتنے تیر برسائے کہ فضاء میں تیروں کا ایک جال تن دیا۔ رومی اس امید پر آگے بڑھ رہے تھے کہ مسلمان بے خبر ہوں گے اور یہ بڑی آسان فتح ہوگی لیکن تیروں کی بوچھاڑ نے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ رومیوں نے اپنی ڈھالیں آگے کر کے بڑھنا شروع کیا۔ بہت سے رومی تیر کھا کھا کر گرنے لگے لیکن نفری کی کثرت کی وجہ سے انہیں کچھ فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ مسلمان نیزہ بازوں نے رومیوں کو روکنے کی کوشش کی لیکن رومی ایک سیلاب کی مانند آگے بڑھ رہے تھے۔ آخر قلب کے دستے تلوار اٹھا کر آگے بڑھے اور رومیوں سے ٹکرا گئے۔ ایک خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔ رومی پیچھے ہٹتے چلے جاتے اور چند لمحے بعد دوبارہ آگے بڑھتے۔ یہی سلسلہ چلتا رہا۔ مسلمان سالاروں کو معلوم نہیں تھا کہ ماہان کا منصوبہ یہی تھا کہ قلب کو لڑائی میں الجھائے رکھے تا کہ وہ اپنے پہلوؤں سے بے خبر رہے اور انہیں کمک نہ دے سکے۔

اگرچہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ماہان کے اس چال کو نہ سمجھے تھے لیکن اسلامی لشکر کے ہر سالار اور ہر مجاہد کو یہ احساس تھا کہ صورت حال چاہے جتنی بھی گھمبیر ہو جائے مدد صرف اللہ کی طرف سے ملے گی۔ لشکر کے کسی دوسرے حصے سے کمک اور امداد کی توقع ذہن سے نکال دی جائے۔ یہ حکم ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے تمام سالاروں کو دے دیا تھا۔ اصل حملے تو مسلمانوں کے پہلوں پر ہو رہے تھے میمنہ پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مامور تھے وہاں رومیوں نے انتہائی سخت اور تیز حملہ کیا تھا۔ مجاہدین نے یہ حملہ نہ صرف روک لیا بلکہ دشمن کو پسپا کر دیا۔ رومی سالاروں نے ایک تازہ دم دستے سے دوسرا حملہ کر دیا مسلمانوں نے اس کا بھی مقابلہ کیا لیکن ان کے جسم شل ہونے لگے۔ رومیوں کا کافی جانی نقصان ہو رہا تھا مسلمان آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہے۔ آخر کار دوسرا دستہ بھی بری طرح ناکام ہو کر پیچھے ہٹ گیا لیکن اب

مسلمانوں کی حالت بھی ابتر ہوگئی تھی ان میں مزید لڑنے کی طاقت ہی نہیں رہی تھی۔

رومیوں نے تیسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ یہ حملہ پہلے دو حملوں سے تیز اور کثیر جمعیت سے کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے روحانی طاقت سے حملہ روکنے کی کوشش کی، کیونکہ جسموں نے پہلے ہی سے ساتھ چھوڑا ہوا تھا۔ مسلمان رومیوں کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ اس بار رومیوں کے سیلاب کو روکنے میں ناکام رہے اور اکثریت نے پسپائی اختیار کی۔ سالار عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے۔ انکے پاس صرف دو ہزار کا حفاظتی دستہ رہ گیا انہوں نے اپنے دستے کو شدید حملے کا حکم دیا لیکن اب مسلمانوں میں حملے کی طاقت نہیں تھی لہٰذا وہ قلب کی طرف سکڑنے لگے اور باقی مسلمانوں نے پسپائی اختیار کی۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یرموک کی لڑائی میں سب سے سخت حملہ مسلمانوں کے میمنہ پر ہوا تھا اور سب سے زیادہ شہادتیں بھی انہی دستوں میں سے ہوئیں تھیں۔ میمنہ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن معدیکرب جیسے صحابہ بھی موجود تھے۔ جب مسلمانوں نے پسپائی اختیار کر کے خیمہ گاہ تک پہنچے تو مسلمان عورتوں نے بھاگ آنے والے مسلمانوں پر لعن طعن اور طنز کے تیر برسائے اور انہیں چلا چلا کر کہنے لگیں خدا کی قسم! مسلمان خاوند اتنے بے غیرت نہیں ہوتے کیا تم ہمیں غیر مسلموں کے رحم و کرم پر چھوڑ جاتے ہو۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ بعض عورتوں نے پسپا ہونے والے مسلمانوں کو چوبیں رسید کیں اور انہیں پتھر مارے۔ عورتوں نے انکے بچوں کو سامنے رکھا اور انہیں غیرت دلائی۔ یہی حکم امین الامت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو دیا تھا کہ بھاگنے والوں کو ڈنڈے اور پتھر ماریں کیونکہ وہ تاریخ اسلام کو پسپائی کی داغ سے صاف رکھنا چاہتے تھے۔ بھاگ جانے والوں کو عورتوں نے ایک نیا جذبہ دلایا ان کا خون کھول اٹھا اور وہ واپس چلے آئے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جلدی جلدی انہیں منظم کیا اور جوابی حملے کیلئے تیار کرنے لگے۔ میسرہ کے سالار یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ انکے ماتحت لڑ رہے تھے۔ اس پہلو پر بھی رومیوں نے شدید حملہ کیا تھا۔ اس پہلو پر بھی جب رومیوں کو شکست ہوتی تو وہ تازہ دم دستوں کو بھیج دیتے۔ مسلمانوں نے ان کے دو دستوں کو شکست دی تھی لیکن تیسرے حملے سے وہی حالت پیدا ہوگئی، جو سالار عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دستوں کی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہونے لگے۔ بھاگنے والوں میں سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ کوئی معمولی شخص نہیں تھے، وہ قبیلے کے سرداروں اور نہایت بہادر لوگوں میں

سے تھے لیکن وہ بھی رومیوں کے سیلاب کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور بھاگ گئے تھے۔ وہاں بھی عورتوں نے بھاگ آنے والوں کا استقبال ڈنڈوں سے کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے جب اپنے شوہر کو پسپا ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو انکے گھوڑے کے سر پر ڈنڈا مار دیا اور کہا اے ابن حرب! تو کدھر بھاگا جا رہا ہے ابھی واپس جا اور ایسی بہادری سے لڑ جیسا تو قبول اسلام سے پہلے لڑ رہا تھا۔ شاید تمہارے گناہوں کی تلافی ہو جائے۔ ابوسفیان وہیں سے واپس ہوا اور لشکر میں جا ملا۔ دوسری عورتوں نے بھی وہی کام کیا جو میمنہ پر ہوا تھا انہوں نے اپنے خاوندوں اور بھائیوں کو شرمسار کیا اور انہیں ایسا جوش دلایا کہ وہ سب واپس چلے گئے۔

مؤرخ ابن کثیر، طبری اور واقدی لکھتے ہیں کہ عورتیں اپنے خاوندوں اور بھائیوں وغیرہ کے ساتھ میدان جنگ تک آئیں اور انکے ساتھ لڑنے میں شریک ہو گئیں۔ ہند نے بہت بلند آواز سے وہی جنگی نغمہ گانا شروع کیا جو انہوں نے غزوہ احد کے موقع پر گایا تھا۔ اس وقت ہند مسلمان نہیں تھی جس میں کچھ نازیبا الفاظ بھی تھے۔

واقدی میں روایت ہے کہ منہال دوسی نے فرمایا کہ واللہ جنگ یرموک میں رومیوں سے زیادہ ہم پر ہماری اپنی عورتوں نے سختی کی تھی۔ انہوں نے خیمے کی چوبوں اور پتھروں سے بھاگنے والوں کو مارا تھا۔ آخر مسلمان پسپائی کو خیر آباد کہہ کر میدان جنگ کی طرف پلٹے تھے۔ اسلامی لشکر کے قلب نے پہلے ہی سے رومیوں کو پسپا کر دیا تھا۔ وہاں ابوعبیدہؓ اور خالدؓ خود موجود تھے۔ جب انہیں خبر پہنچی کہ لشکر کے میمنہ اور میسرہ پر رومیوں نے بڑا ہی سخت حملہ کیا ہے اور مسلمان پسپا ہو گئے ہیں، تو خالد اپنے ساتھ چھ ہزار کا متحرک دستہ لے کر میمنہ پر چلے گئے۔ اس وقت عمرو بن العاصؓ کے دستوں نے جوابی حملہ کر دیا تھا لیکن یہ تھکے ہوئے مجاہدین کا حملہ تھا جو رومیوں کو روکنے اور پسپا کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ خالد نے وہاں پہنچ کر ایسا شدید حملہ کر دیا کہ دشمن کی نفری کٹ کٹ کر گرنے لگی۔ عمرو بن العاصؓ کے تھکے ہوئے مجاہدین خالد کو دیکھ کر پھر سے منظم ہو گئے اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ رومی بہت سی لاشیں اور بے شمار زخمی چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ اسکے بعد خالدؓ نے ضرار بن الازور کو ایک متحرک دستہ دے کر لشکر کے میسرہ پر بھیجنے کا حکم دیا۔ خالد نے انہیں بتایا کہ سالار یزید بن ابوسفیانؓ کے دستوں کی حالت بہت نازک ہے لہٰذا فوراً وہاں پہنچ جاؤ۔

ضرارؓ ایک تاریخی جنگجو تھے وہ میدان جنگ میں جوش میں آ کر نیم برہنہ ہوتے تھے اور دشمن

کے لشکر میں گھس جاتے۔ خالدؓ کا حکم ملتے ہی وہ میسرہ پر چلے گئے۔ ضرار نے میسرہ پر پہنچ کر رومیوں پر شدید حملہ بول دیا۔ سالار یزید بن ابوسفیان اپنے تھکے ہوئے مجاہدین کے ساتھ وہاں لڑ رہے تھے۔ ضرار کی مدد نے انہیں تقویت بخشی۔ میسرہ پر رومی سالار دریجان کے دستے تھے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے رومی سالار نے دس دس آدمیوں کو زنجیر میں بندھا ہوا تھا۔ جب ضرار نے ان پر حملہ کیا تو انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ یہی زنجیریں انکے لئے وبال جان بن گئیں ہیں۔ ان میں سے بہت سارے لوگ قتل ہو گئے اب وہ نہ آگے حرکت کر سکتے تھے نہ پیچھے، لہٰذا رومی موت اور زندگی کا معرکہ لڑنے لگے۔ ضرار بن الازورؓ کے دستوں نے لشکر کے اندر گھس کر ایسی دلیری کا مظاہرہ کیا کہ رومیوں کی صفیں لاشوں میں تبدیل ہو گئیں۔

ضرارؓ نے آگے بڑھ کر رومیوں کا مرکزی پرچم دیکھ لیا۔ وہاں ان کا سالار دیرجان تھا۔ دیرجان کے محافظوں نے اُسے گھیرے میں لیا ہوا تھا لیکن ضرار حصار کو توڑتے ہوئے رومی سالار دیرجان تک پہنچ گئے اور ایک ہی وار میں اُس کی گردن کاٹ ڈالی۔ بیشتر اسکے کہ دیرجان کے محافظ انہیں گھیرے میں لیتے ضرار وہاں سے نکل کر اپنے دستے میں پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے کہ ہم نے رومیوں کا سالار قتل کر دیا ہے۔ رومیوں پر اپنے سالار کے قتل کا بہت برا اثر ہوا انہوں نے پسپائی اختیار کرنا چاہی لیکن زنجیروں کی وجہ سے اب وہ بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں پیچھے سے کاٹنا شروع کیا۔

تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ رومیوں کا سب سے زیادہ جانی نقصان میسرہ پر ہوا تھا۔ جو زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ بہت کم لوگ بچ کر پیچھے ہٹے تھے اس روز مزید لڑائی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ رات کی تاریکی نے سب کچھ چھپایا ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ رات بیداری کی تھی مسلمان عورتیں آگے جا کر لڑنے کیلئے تیار ہوئی تھیں لیکن ان کے ذمے اور بھی بہت سارے کام تھے۔ مجاہدین کیلئے کھانا پکانا، پانی فراہم کرنا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا۔ مجاہدین رات کو اپنے زخمیوں اور لاشوں کو میدان جنگ میں ڈھونڈتے اور اپنے خیموں میں لاتے رہے۔

دوسری طرف ماہان اپنے سالاروں کو سامنے بٹھائے ہوئے بول رہا تھا، میں شہنشاہ ہرقل کو کیا جواب دوں گا؟ تمہیں ان چند ہزار مسلمانوں کو اپنے گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچل دینا چاہیے تھا۔ ماہان غصے سے برہم تھا اور کہہ رہا تھا کہ کیا تم نے ان کا کوئی سالار مارا ہے؟ ہمارا ایک سالار انکے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ کوئی سالار ان کو تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ ماہان نے دیر جان کی جگہ شہنشاہ ہرقل کا بھانجا قوریر کو سالار مقرر کیا اور اگلے روز نئے منصوبے کے ساتھ لڑائی کا ارادہ کرلیا۔

تیسرے روز کی لڑائی پہلے سے کہیں زیادہ خونریز اور شدید تھی۔ قلب پر ابو عبیدہؓ اور خالدؓ تھے ۔میمنہ پر سالار عمرو بن العاصؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ تھے۔ اسکے علاوہ ہر قبیلے کا اپنا اپنا سالار مقرر ہوا تھا۔ رومیوں نے وہی طریقہ اختیار کیا جو پہلے روز اختیار کیا تھا۔ جب ان کا ایک دستہ پسپائی اختیار کرتا تو دوسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا جاتا۔ مسلمانوں نے کئی حملے روکے۔ رومیوں کی کوشش یہی تھی کہ مسلمانوں کو اتنا تھکا دیا جائے کہ حملہ روکنے کے قابل نہ رہیں۔ آخر مسلمانوں کی جسمانی طاقت جواب دینے لگی۔

واقدی اور طبری لکھتے ہیں کہ اس روز مسلمانوں کو تین بار شکست ہوئی تھی اور ہر بار جب پسپائی اختیار کرتے تو عورتیں انہیں چوبیں اور پتھر مار مار کر میدان جنگ کی طرف لوٹا دیتی تھیں۔ مسلمانوں کی پسپائی بزدلی نہیں تھی وہ تو ہمت سے بڑھ کر لڑے تھے۔ ان کا سات آٹھ لاکھ کے لشکر کے سامنے ڈٹ کر لڑنا ہی تاریخ کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔ لیکن جہاں تک رومیوں کو شکست دینے کا سوال تھا وہ اب ناممکن دکھائی دیتا تھا۔ مسلمانوں کی بار بار پسپائی سالاروں کیلئے ایک اچھا سگون نہیں تھا لیکن اس کے باوجود وہ شکست کو قبول کرنے والے نہیں تھے۔ سالار اعلیٰ ابو عبیدہ بن جراحؓ اور خالدؓ سخت پریشانی کی حالت میں اپنے گیارہ میل لمبے محاذ پر گھوڑوں کو دوڑاتے اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھاتے جاتے۔ مجاہدین آپ کی آواز پر لبیک کہتے اور پھر منظم ہو کر حملہ کر دیتے۔ اس کے بعد خالدؓ نے اپنے متحرک دستے کو تقسیم کر کے آدھا میمنہ پر اور باقی آدھا میسرہ پر بھیجا۔ میمنہ پر رومی سالار قناطیر بڑھ بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کر رہا تھا۔

خالد بن ولید نے اپنے دو ہزار متحرک دستہ سے میمنہ پر حملہ کیا اور رومیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ رومی سالار ماہان بلند ٹیلے پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جب اسے میمنہ پر اپنے

دستوں کی شکست کا علم ہوا تو اپنے ایک خاص سالار کو جنگ کی ترغیب اور تحریص کیلئے بھیجا۔ قوم ازد کے ایک مجاہد نے بڑھ کر اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن اس رومی کافر نے انہیں ایک ہی وار میں شہید کر ڈالا۔ اسکے بعد حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن امین الامت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر منع فرمایا اور کہا کہ میرے نزدیک تمہارے لئے اپنے مقام پر کھڑا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسکے مقابلے کیلئے نکل پڑے۔

رومی سالار نے ایک ہی وار میں عبدالرحمٰن بن معاذ کو ایک ایسا تلوار رسید کیا کہ آپ کے عمامہ کو کاٹتی ہوئی سر کو زخمی کر دیا اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ اس رومی سالار نے ازراہ تکبر بڑھ بڑھ کر مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس رومی کا تکبر دیکھ کر عامر بن طفیل دوسی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا عامر آپ ہی اس رومی کا کام تمام کر سکتے ہیں۔ عامر بن طفیل دوسی رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً رومی سالار کے مقابلہ میں نکل پڑے اور نکلتے ہی رومی سالار کو ایک نیزہ مارا۔ نیزہ رومی کے آہنی زرہ کو لگتے ہی ٹوٹ گیا۔ عامر بن طفیل دوسی رضی اللہ عنہ نے فوراً نیزہ پھینک کر تلوار میان سے کھینچی اور اس کو جنبش دیتے ہوئے رومی سالار کے شانے پر ایک ایسا وار رسید کیا جو انتڑیوں تک چلا گیا اور رومی سالار زمین پر گر کر مر گیا۔

عامر بن طفیل دوسی رضی اللہ عنہ رومی سے فارغ ہو کر میمنہ پر حملہ آور ہوئے۔ جو بھی رومی ان کے سامنے آتا کٹ کر گر جاتا۔ اسکے بعد آپ گھوڑے کو ایڑ لگا کر قلب میں پہنچ گئے اور وہاں بھی اپنی بہادری کے جوہر دکھانے لگے۔ جبلہ بن الایہم قوم عاد کی نسل کے گھوڑے پر سوار سیدھا آپ کے سامنے آ گیا اور آپ سے کہنے لگا، اے قبیلہ دوس کے سردار! جب تم نے ہمارے ایک ایسے سردار کو جو بہادری میں ماہان اور جرجیر کی نظیر تھا، قتل کر دیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی تم ایک بہادر شخص ہو۔ اب میں آپ کو قتل کر کے ہرقل کے دربار میں سرخ روئی اور بہرہ مندی حاصل کرنا چاہتا ہوں یہ کہہ کر دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ بہت دیر تک یہ دونوں سالار لڑتے رہے۔ آخر جبلہ نے عامر بن طفیل کو غافل دیکھ کر ایک ایسا وار کر دیا کہ آپ گر کر شہید ہو گئے۔ جبلہ گھوڑے کو دوڑاتا ہوا میدان

جنگ میں اپنی بہادری پر ناز اور تعجب کرتا ہوا اپنے مدمقابل کو طلب کرنے لگا۔ عامر بن طفیلؓ کے بیٹے جندب بن عامر بن طفیلؓ نے بڑھ کر اپنے والد کا انتقام لینا چاہا۔ جبلہ نے کہا اے بچے! تم اس مقتول کے کیا لگتے ہو؟ آپ نے کہا اے ملعون! میں ان کا بیٹا ہوں۔ اس نے کہا آخر تمہیں اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں ضائع کرنے پر کس نے ابھارا ہے۔ جندب بن عامرؓ نے کہا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا اللہ کو سب سے محبوب عمل ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے جبلہ پر حملہ کر دیا۔ دونوں حریف ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ جبلہ نے جب اس نوجوان کی بہادری اور شجاعت دیکھی تو احتیاط سے لڑنے لگا۔ قوم غسان نے جب اپنے سردار کو مغلوب ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنے سردار کو کمک اور مدد کی غرض سے آگے بڑھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں جندب بن عامرؓ کو جبلہ کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا مجھے اسکی بہادری اور شجاعت پر رشک آ رہا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ ان کی بہادری دیکھتے ہوئے روئے اور فرمایا اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انہوں نے جہاد کا حق ادا کیا۔ اللہ اس کے اس عمل کو قبول فرمائے۔

جندب بن عامرؓ نے جبلہ بن الایہم کو تلوار کا ایک وار رسید کیا جسے اس نے روکا۔ جبلہ نے پلٹ کر جندب کو تلوار ماری تو آپ کی روح علّیین کی طرف پرواز کر گئی۔

حضرت ابوعبیدہؓ کو اپنے سالاروں کی شہادت پر کافی دکھ ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا اے لوگو! اللہ کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو۔ حوریں تمہاری ملاقات کی منتظر ہیں۔ مسلمان اپنے امیر کے حکم سے دشمن پر ایسے ٹوٹ پڑے جیسے شکاری پرندہ شکار پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ مسلمانوں نے رومیوں کے لشکر میں گھس کر ایسے حملے کیے کہ خود بھی شہید ہوتے رہے اور سینکڑوں رومیوں کو واصل جہنم کرتے رہے۔

لڑائی کی شدت بڑھتی گئی حتیٰ کہ رات کے اندھیرے نے فریقین کو جدا کر دیا۔ اس روز ایک بہت بڑی خونریز اور شدید جنگ ہوئی تھی۔ یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمان صرف ایک دن میں سینکڑوں کی تعداد میں شہید ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے چند نامور سالار بھی اس دن شہید ہوئے تھے۔ تاریخ میں صحیح اعداد شمار نہیں ملتے، البتہ رومیوں کا جانی نقصان مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔

مسلمانوں نے پوری رات اپنے زخمیوں اور لاشوں کو ڈھونڈنے میں گزاری۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ اسلامی لشکر میں گشت کرتے رہے اور مسلمانوں کو دلاسہ دیتے رہے۔

☆☆☆

رومی سالار اعلیٰ ماہان کی جسمانی حالت خراب ہو گئی تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ اپنے کثیر جمعیت کے بل بوتے پر مسلمان چند گھنٹوں میں پسپائی اختیار کرلیں گے، لیکن اب لڑائی کے تین دن ہو گئے تھے اور مسلمان ڈٹ کر میدان جنگ میں لڑنے پر آمادہ ہیں۔ رومیوں کے ہزاروں سپاہی قتل ہو چکے تھے وہ اپنے سالاروں پر برس پڑا اور ان سے پوچھتا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تم ابھی تک مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکے۔ کوئی بھی سالار اس کو تسلی بخش جواب نہ دے سکا آخر رومی سالاروں نے حلف اٹھایا کہ وہ اگلے روز مسلمانوں کو ضرور شکست دیں گے۔

تاریخ اسلام کی ایک فیصلہ کن، عظیم اور بھیانک جنگ کے چوتھے دن کا سورج طلوع ہوا۔ فریقین نے صف بندی کی اور جنگ لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے صفوں کے بیچ ایک چکر لگایا اور جہاد کی فضیلت بیان کر کے مجاہدین کو صبر واستقلال کی طرف توجہ دلائی۔ تمام سالاروں کو اپنے اپنے محاذوں پر ڈٹے رہنے کا حکم دیتے ہوئے حملے کا حکم دیا۔ رومی سالار قناطیر نے عمرو بن العاصؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ کے دستوں پر حملہ کیا۔ دونوں سالاروں نے بہت دیر تک مقابلہ کیا لیکن رومی ہر بار تازہ دم دستوں کو آگے بھیج کر حملہ کر دیتے تھے۔ مسلمانوں کی حالت بدتر ہو گئی تھی لیکن اب وہ پسپائی کیلئے تیار نہیں تھے۔ لہٰذا صفیں توڑ کر انفرادی لڑائی شروع کی۔ عمرو بن العاصؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ سالار سے سپاہی بن گئے۔ ان کے سامنے جو بھی رومی آتا کٹ کر گرتا۔ رومی اور اتحادی آرمینی فوج اس قسم کی لڑائی کی تاب نہ لاسکی لیکن وہ اپنی جمعیت کے بل بوتے پر پسپا نہیں ہو رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو بھی تھک جاتا ان کی جگہ تازہ دم دستہ میدان جنگ میں اترتا۔ اسلامی لشکر کو کوئی کمک کی امید نہیں تھی جو بھی کرنا تھا انہیں دستوں نے کرنا تھا۔ خالد اپنے ساتھ متحرک دستہ لے کر میمنہ پر عمرو بن العاصؓ کی مدد کیلئے چلے گئے۔ انہوں نے ابوعبیدہؓ اور یزید بن ابوسفیانؓ کو پیغام پہنچایا کہ دونوں مل کر رومیوں پر حملہ کر دیں اور انہیں میمنہ تک نہ پہنچنے دیں۔

ابوعبیدہ بن جراحؓ نے آگے نکل کر رومیوں پر شدید ہلہ بول دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ

رومی آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے لگے۔ خالد نے اپنے متحرک دستے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصے کی کمان قیس بن ہبیرہ کو دی اور دوسرے کو اپنی کمان میں رکھا۔ خالد نے میمنہ کے ایک پہلو، جبکہ قیس بن ہبیرہ نے دوسرے پہلو پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے میمنہ کے قلب پر حملہ کیا۔ یہ ایک سہہ طرفی حملہ تھا جو خالد کے چالوں میں سے ایک چال تھا۔ رومی تینوں اطراف سے مسلمانوں کے پھندے میں آ گئے اب ان کے پاس سوائے بھاگنے کے کوئی راستہ نہیں تھا۔ دوسری طرف ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تازہ دم دستوں کا راستہ روک لیا تھا لہٰذا رومی کمک سے محروم ہو گئے اور موت اور زندگی کا معرکہ لڑنے لگے۔ رومیوں کے ہزاروں سپاہی اس ایک حملہ میں قتل ہو گئے لیکن دوسری طرف امین الامت رضی اللہ عنہ اور یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جو حملہ کیا تھا وہ انہیں کافی مہنگا پڑ گیا۔ رومیوں کی ساری نفری ان کے دستوں پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑی تھی اور ان کیلئے قیامت کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔

سالار جب آگے آگے ہو تو سپاہی ان کے پیچھے جانیں لڑا دیتے ہیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ رومیوں کے سامنے ایک چٹان کی طرح ڈٹے رہے اور رومیوں کو آگے نہیں آنے دیا۔ حضرت لیث بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر دے آپ نے تن تنہا بغیر کسی کی مدد کے رومیوں کے دستوں کو پسپا کر کے رکھ دیا۔ اس دن آپ کو کندھوں کے درمیان دو زخم بھی آئے تھے۔ قلب پر جب لڑائی کی شدت اور خونریزی بڑھتی گئی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ آپ نے امین الامت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی جمعیت کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت عامر بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دن ہم ایک دردناک آواز سن رہے تھے جو یہ کہہ رہے تھے۔ یا اللہ اپنی مدد نازل فرما یا اللہ اپنی مدد کو جلدی نازل فرما دے، اے لوگوں ثابت قدم رہو، ثابت قدم رہو۔ یہ آواز دینے والے ابوسفیان تھے جو اپنے بیٹے یزید بن ابوسفیان کے علم کے نیچے لڑ رہے تھے۔ اسی دن یمن کے سردار ذوالکلاع حمیری رضی اللہ عنہ کا بایاں بازو زخمی ہو کر بے کار ہو گیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسی دن رومیوں کے دو حکمران جو اتحادی ریاستوں کے بادشاہ تھے، قتل ہو گئے تھے۔ ایک ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جبکہ دوسرا کسی انصاری کے ہاتھوں جہنم واصل ہو گیا تھا۔ اسی دن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رومیوں کے یکے بعد دیگرے چار نامور سالار بھی قتل ہو گئے تھے۔ جب رومیوں کے سالار اعلیٰ ماہان کو اپنے دو بادشاہوں اور سالاروں کے قتل کی اطلاع ملی تو اُس نے تمام لشکر کے

تیراندازوں کو حکم دیا کہ تمام کے تمام ایک ساتھ تیر پھینکیں۔ رومیوں نے اولوں کی طرح اتنے تیر برسائے کہ فضاء میں اڑتے ہوئے تیروں نے سورج کو چھپالیا تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت ان تیروں کی وجہ سے زخمی ہونے لگی حتیٰ کہ سات سو مسلمانوں کی آنکھوں میں تیر لگے اوران کی آنکھیں ضائع ہوگئیں۔ اسی واسطے سے اس دن کا نام یوم التعویر (یک چشم ہونے کا دن) رکھا گیا۔ ان میں سے سعید بن زید رضی اللہ عنہ، ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھیں بھی ضائع ہوگئی تھی۔

تیروں کی بارش سے مسلمانوں میں ایک کہرام مچ گیا۔ چاروں طرف سے یہی آوازیں آنے لگیں، ہائے افسوس! ہماری بینائی چلی گئی۔ اسلامی لشکر پیچھے کی طرف ہٹنے لگا۔ رومیوں کا سالار اعلیٰ ماہان ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ چلا چلا کر بول رہا تھا وہ وقت آ گیا ہے جس کا ہمیں انتظار کررہا تھا۔ اب مسلمان زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکیں گے۔ انہوں نے قاصد دوڑائے اور یہ پیغام دیا کہ تیراندازی جاری رکھو اور ساتھ اپنے سالار قناطیر، جرجیر اور قوریر کو حکم دیا کہ وہ شدید ہلہ بول دیں۔ رومی سالاروں نے اپنے سالار اعلیٰ کے حکم پر ایسا ہی حملہ کیا جیسا کہ وہ چاہتا تھا۔ اسلامی لشکر زیادہ دیر تک ان کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا لہٰذا پسپائی اور بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بھی جنگ یرموک میں شریک تھا۔ میں نے یوم التعویر کے معرکہ سے زیادہ سخت معرکہ نہیں دیکھا۔ اسلامی لشکر کے تقریباً سارے کے سارے سپاہی پسپا ہوئے تھے سوائے چند سالاروں کے، جو اپنے اپنے نشانات پکڑے ہوئے رومیوں کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، مسیب بن نخبہ الفرازی رضی اللہ عنہ، ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ، شرجبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور مرقال بن ہاشم رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا جو اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ انہیں اپنی جانوں کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔ میں نے انہیں دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ آخر کب تک یہ چند نفوس لڑیں گے مگر یہ برابر لڑتے رہے۔

رومی سالار اعلیٰ ماہان اپنے دستوں کو ایک فیصلہ کن مرحلے میں لے آیا تھا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ ان چند سالاروں کو قتل کر کے جنگ کا حتمی فیصلہ ان کے حق میں جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کی شکست یقینی ہو چکی تھی اور اس شکست کے نتائج صرف ان مسلمانوں کے لئے تباہ کن نہیں تھے، جو لڑ رہے

تھے۔ بلکہ یہ اسلام کیلئے ایک کاری ضرب تھی۔ اسی میدان میں فیصلہ ہونا تھا کہ اس خطے میں مسلمان رہیں گے یا رومی، اسلام رہے گا یا عیسائیت۔

سالار عکرمہ بن ابو جہل رضؓ ابوعبیدہ رضؓ اور یزید رضؓ کی حالت دیکھ کر نہایت خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے ایک بلند نعرہ لگایا کہ جو لڑ کر مرنے اور پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھانے کو تیار ہیں، وہ الگ ہو جائیں۔ نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ سوچ کر قسم کھانا تمہیں کیا منظور ہے شکست یا موت؟ سالار عکرمہ بن ابو جہل رضؓ کی آواز پر چار سو جانبازوں نے لبیک کہا اور یہ حلف اٹھایا کہ لڑتے ہوئے جانیں دیں گے مگر ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ان چار سو مجاہدین نے اپنے سالار عکرمہ بن ابو جہل رضؓ کی قیادت میں ان رومیوں پر حملہ کر دیا جو ابوعبیدہ رضؓ اور یزید بن ابوسفیان کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ یہ ہلہ اتنا شدید اور خونریز تھا کہ رومیوں کا بے شمار جانی نقصان ہوا۔ مؤرخین کے نزدیک یہ ایک جان لیوا حملہ تھا جس میں سارے کے سارے مجاہدین یا تو شہید ہو گئے تھے یا شدید زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس حملے کا یہ اثر ہوا کہ رومی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے پیچھے بے شمار لاشیں چھوڑ گئے۔

ابن کثیر نے روایت نقل کی ہے کہ جب عکرمہ رضؓ کے چار سو جانباز شہید یا زخمی ہو گئے تو ان میں سے ایک زخمی نے پانی مانگا۔ جب ان کے پاس پانی لایا گیا تو دوسرے آدمی نے پانی کی طرف دیکھا۔ تو اس نے کہا اس کے پاس لے جاؤ اور جب اسکے پاس پانی لے جایا گیا، تو ایک اور شخص نے پانی کی طرف دیکھا اس نے اس تیسرے شخص کے پاس لے جانے کو کہا۔ پس ان میں سے ہر ایک نے دوسرے شخص کو پانی دینے کو کہا حتیٰ کہ تینوں شہید ہو گئے، لیکن کسی نے بھی پانی نہ پیا۔

عکرمہ کے دستے کی شہادت کے بعد رومی دوبارہ سنبھل پڑے حتیٰ کہ قریش کی عورتوں نے میدان جنگ میں کود کر لڑائی شروع کر دی۔ عورتوں میں سے ضرار کی بہن خولہ، ہند، اسماء بنت ابوبکر رضؓ، ام حکیم بنت حرث رضؓ، سلمیٰ بنت لوی رضؓ، اور لبنیٰ بنت سالم رضؓ نے ایسی بہادری کے جوہر دکھائے کہ پسپائی اختیار کرنے والے مجاہدین کو ان پر رشک آیا اور وہ قریش کی ان عورتوں سے متاثر ہو کر میدان جنگ میں لڑنے کیلئے دوبارہ اتر آئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جنگ یرموک کے چوتھے دن کی لڑائی اتنی خونریز تھی کہ صرف اسی دن یعنی یوم التعویر کو رومیوں کے چالیس ہزار سے زیادہ سپاہی قتل ہو گئے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں کے

بھی سینکڑوں مجاہدین شہید ہو گئے تھے۔ یہ لڑائی سورج کے غروب ہونے تک جاری رہی حتیٰ کہ رات کی ظلمت نے دونوں حریفوں کے مابین پردہ ڈال دیا۔

مسلمانوں نے رات کو اپنے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر انہیں وہیں دفن کیا۔ کئی شہیدوں کی بیویاں وہاں موجود تھیں لیکن کسی عورت کے رونے کی آواز نہیں آرہی تھی بلکہ انہوں نے تو اپنے خاوندوں کو خود لڑنے پر اُبھارا تھا۔ خالد کو اسی رات عکرمہ رضی اللہ عنہ اور انکے بیٹے عمرو بن عکرمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بہت دکھ ہوا تھا کیونکہ عکرمہ انکے بچپن کے دوست اور بھتیجے بھی تھے۔ اسی دن عکرمہ کا چچا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے تھے۔ اسی رات سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے تمام سالاروں اور سپاہیوں کو آرام کا مشورہ دیا اور خود پوری رات خیمہ گاہ کے ارد گرد گھوم کر پہرہ داری دے رہے تھے تاکہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھ سکیں۔ لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جدھر بھی جاتے، کوئی نہ کوئی سالار گشت کرتے نظر آتے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گشت کر رہے تھے۔

☆☆☆

جنگ یرموک کے پانچویں دن کی صبح طلوع ہوئی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی صف بندی کی اور انہیں جہاد کی ترغیب اور وعظ فرمایا۔ مسلمان اگرچہ جسمانی لحاظ سے تھکے اور زخمی ہو چکے تھے لیکن ان کا جذبہ اب بھی وہی تھا جو پہلے دن تھا۔ انہوں نے اپنے امیر کی آواز پر لبیک کہا اور حملہ کیلئے تیار ہو گئے۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نفری کی کمی کی وجہ سے دفاعی جنگ لڑ رہے تھے اس لئے وہ رومیوں کے حملے کا انتظار کرنے لگے لیکن رومی سالارِ اعلیٰ ماہان کا ارادہ بدل چکا تھا۔ اس نے رات کو اپنے ہزاروں لاشوں کو دیکھ کر جنگ کا ارادہ ہی ترک کر دیا تھا اور مسلمانوں سے چند دنوں کیلئے صلح کرنا چاہی۔ اسی غرض سے اس نے اپنے ایک ایلچی کو بھیجا۔ ایلچی سیدھا مسلمانوں کی صفوں کے سامنے آ کر بولا میں مسلمانوں کے سالار کیلئے صلح کا پیغام لے آیا ہوں۔ ماہان چند دنوں کیلئے لڑائی کو روک دینا چاہتا ہے۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تمہارا سالار کن شرائط پر صلح کرنا چاہتا ہے؟ ایلچی نے کہا یہ صلح عارضی ہوگی اور چند دنوں کیلئے لڑائی ملتوی کرنا ہوگی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مجاہدین کی حالت دیکھ کر جنگ کو ملتوی کرنا چاہا لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوراً بڑھ کر فرمایا ہم لڑائی کو کسی صورت ملتوی نہیں کر سکتے۔ پس ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایلچی سے کہا کہ اب صلح اور جنگ بندی کا وقت گزر چکا ہے۔ اپنے سالار سے کہو کہ لڑائی

کیلئے تیار ہو جائے۔ جب ایلچی رخصت ہوا تو ابوعبیدہ ؓ نے خالد بن ولید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ابوسلیمان! کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ چند دنوں کیلئے ہمارے سپاہی آرام کر لیتے کیونکہ انکی حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔ خالد نے فرمایا، امین الامت! سب کچھ دیکھ رہا ہوں لیکن حالت ہمارے دشمن کی بھی ٹھیک نہیں ہے، ورنہ وہ صلح کا دھوکہ نہ دیتا۔ رومیوں کی بے شمار نفری قتل ہو چکی ہے جس سے ان کا حوصلہ ٹوٹ گیا ہے۔ اب وہ ہم سے دوبارہ سنبھلنے کی مہلت چاہتے ہیں جو ہم کبھی نہیں دیں گے۔

پانچواں دن بغیر لڑائی کے گزر گیا۔ دستوں کو ایک دن آرام مل گیا لیکن سالاروں نے آرام نہیں کیا وہ دشمن کے خلاف منصوبے بنانے میں مصروف رہے۔ ابوعبیدہ ؓ نے آٹھ ہزار گھوڑ سوار دستہ بنایا جس پر خالد ؓ کو امیر مقرر کر دیا۔

☆☆☆

جنگ یرموک کے چھٹے اور آخری دن کی صبح طلوع ہوئی۔ دونوں حریفوں نے حسب معمول صف بندی کی۔ عین لڑائی شروع ہونے سے پہلے رومی سالار جرجیر (گریگری) گھوڑے پر سوار نہایت شان وشوکت سے آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ میرے مقابلہ میں عربوں کے سالار اعلیٰ ابوعبیدہ ؓ کے سوا اور کوئی شخص نہ نکلے۔ حقیقت میں یہ ماہان اور دوسرے سالاروں کا ایک منصوبہ تھا کہ مسلمانوں کو مرکزی قیادت سے محروم کیا جائے۔ اُنہوں نے جنگ کے چوتھے دن حضرت ابوعبیدہ ؓ کو تمام سالاروں کے آگے آگے لڑتا ہوا دیکھا تھا اور وہ اس وقت بھی لڑ رہا تھا جب چند سالاروں کے علاوہ تقریباً ساری نفری پسپا ہوئی تھی۔ جرجیر ماہان کا نائب اور اپنے دور کا مانا ہوا شہسوار اور جنگجو تھا۔ ہاتھی جیسا قوی الجثہ اور میدان جنگ میں ہزار مرد کے برابر سمجھا جانے والا پہلوان تھا۔ لہٰذا ماہان نے جرجیر کو ابوعبیدہ ؓ سے انفرادی مقابلہ کیلئے بھیجا۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے رومی سالار جرجیر کی للکار سنی تو فوراً گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا۔

خالد بن ولید ؓ گھوڑے کو دوڑا کر امین الامت کے قریب پہنچ گئے اور فرمایا، امین الامت! جب ہم میں سے ایک بھی سالار موجود ہے، آپ آگے نہیں جا سکتے۔ اس متکبر ملعون کے مقابلہ میں، میں جانا چاہتا ہوں۔ ابوعبیدہ ؓ نے خالد کو منع کرتے ہوئے فرمایا، ابوسلیمان! رومی سالار نے مجھے للکارا ہے لہٰذا اس کے مقابلہ میں، میں ہی جاؤں گا البتہ میرے اجر و ثواب میں اللہ تعالیٰ آپ کو شریک

فرمائیں۔ یہ سن کر اسلامی سالاروں نے شور مچایا، ابن ولید! امین الامت کو روکیے اور ہم میں سے کسی کو بھیج دیجئے۔ جب آپ نے تمام سالاروں کو قسم دے کر منع فرمایا تو مسلمانوں نے آپ کو چھوڑ دیا ۔جرجیر نے جب آپ کو دیکھا تو کہنے لگا تم مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ۔۔۔ابوعبیدہ۔۔۔ہو؟

ہاں! میں ابوعبیدہؓ ہوں۔تمہارے دستوں کی ہزیمت میں بہت کم کسر باقی ہے۔میں ان شاء اللہ ضرور تجھے قتل کروں گا اور تیرے بعد ماہان کو۔ابوعبیدہ نے جواب دیا۔جرجیر نے یہ کہہ کر حملہ کر دیا کہ صلیب کی امت تم پر غالب آجائے گی۔ابوعبیدہؓ نے آپ کا حملہ روک دیا۔دونوں حریفوں میں جنگ شروع ہوگئی۔دونوں سالاروں کے درمیان گھمسان کی لڑائی جاری رہی۔لڑائی طول پکڑتی گئی۔دونوں سالار شمشیرزنی کے ماہر تھے۔ہر وار سے معلوم ہوتا کہ یہ آخری وار ہوگا جو حریف کو کاٹ دے گا۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے سالاروں کو چلا چلا کر داد دے رہی تھیں، کبھی دونوں فوجیں ایسی خاموش ہوجاتی جیسے وہاں کوئی انسان ہی نہ ہو۔

جرجیر نے وار کیا جو ابوعبیدہؓ نے روک لیا۔ابوعبیدہؓ جب وار کرنے لگے تو جرجیر نے گھوڑے کا رُخ لشکر کی طرف کرکے دوڑا دیا۔ابوعبیدہؓ نے اس کے پیچھے پیچھے اپنے گھوڑے کو دوڑا دیا ۔جرجیر نہایت تیز رفتاری سے پسپائی اختیار کر رہا تھا۔ابوعبیدہؓ نے بھی اس کے پیچھے تعاقب جاری رکھا۔جرجیر نے اچانک اپنے گھوڑے کو موڑ کر ابوعبیدہ کے سامنے کر دیا۔یہ اس کی ایک چال تھی وہ پسپائی کی روپ میں ابوعبیدہؓ کو دھوکہ دینا چاہتا تھا۔دھوکہ یہ تھا کہ وہ اچانک گھوم کر ابوعبیدہؓ پر بے خبری کی حالت میں وار کرے گا اور انہیں وار روکنے کی مہلت نہیں ملے گی۔

مؤرخ طبری اور واقدی نے لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ جرجیر کے ارادے کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔اس نے جب اچانک گھوڑے کو موڑنے کی کوشش کی تو ابوعبیدہ کی تلوار پہلی ہی سے حرکت میں آچکی تھی۔ تلوار سیدھا جرجیر کی گردن پر لگ کر دوسری طرف نکل گئی تھی۔ جرجیر کا سر ایک طرف ڈھلک گیا اور گھوڑے سے گر پڑا ابوعبیدہؓ کے اللہ اکبر کے نعرے سے مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے بلند کئے اور اپنے سالار کو خراج تحسین پیش کیا۔ابوعبیدہؓ جرجیر کے جسم اور وضع قطع پر تعجب کرنے لگے اور میدان جنگ میں گھوڑے کو دوڑا کر ماہان کو مقابلہ کیلئے للکارنے لگے۔مسلمانوں نے آپ کو قسمیں دے کر لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔حضرت خالدؓ نے بڑھ کر آپ کا گھوڑا اسلامی لشکر کی طرف موڑ دیا اور فرمایا، امین الامت! آپ اپنا

کام کر چکے ہیں لہٰذا اللہ کے واسطے اب واپس آجائیں۔ پس حضرت ابوعبیدہؓ مجبور ہو کر واپس آنے لگے۔ جرجیر چونکہ ارکان سلطنت کا ایک اہم رکن سمجھا جاتا تھا، ماہان نے جب اس کا یوں قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی شکست کا پورا یقین ہو گیا۔ ماہان سامان جنگ سے مزین ہوا اور میدان جنگ میں نکلنا چاہا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس وقت ماہان مقابلہ کیلئے نکل رہا تھا تو ایک سردار نے ماہان کو منع کیا اور کہا کہ میں ضرور جرجیر کا انتقام لے کے رہوں گا۔ ماہان نے اس سالار کا جذبہ اور شجاعت دیکھ کر اجازت دے دی۔ اس سالار کا نام جرجبیس تھا۔ جرجبیس جب میدان جنگ میں آیا تو اسلامی لشکر سے مالک بن اشتر نخعیؓ بڑھے۔ واقدی لکھتے ہیں کہ یہ صحابی اتنے دراز قامت اور مضبوط تھے کہ جس وقت آپ گھوڑے پر سوار ہوا کرتے تھے تو آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسیٹے ہوئے چلا کرتے تھے۔ جب مالکؓ رومی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس کے بدن پر لوہا ہی لوہا ہے اس لئے تلوار کی ضرب کیلئے کوئی جگہ ہی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ آخر آپ نے رومی کے گھوڑے پر ایک ایسا نیزہ مارا کہ اس کی نوک دوسری طرف نکل آئی۔ گھوڑا تڑپ تڑپ کر گر پڑا چونکہ جرجبیس گھوڑے کے ساتھ زنجیروں سے مربوط تھا اسلئے وہ بھی گھوڑے کے ساتھ گر پڑا۔ حضرت مالکؓ رومی پر وار کرنے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے کہ ضرار نے ایک تیز رفتار ہرن کی طرح پہنچتے ہوئے رومی کا سر تن سے جدا کیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب دونوں صحابہ رومی سالار کا سامان اٹھا کر لشکر کی طرف چلے جا رہے تھے، یہ سامان اتنا بھاری اور زیادہ تھا کہ آپ پسینے میں شرابور ہو گئے تھے۔ جرجیر اور جرجبیس کے قتل پر ماہان کے بازوں ٹوٹ گئے۔ ماہان ساٹھ ہزار دینار کا سامان جنگ پہن کر مقابلے کیلئے نکل پڑا۔ یہ سامان جنگ موتیوں، یاقوت اور جواہرات سے لیس تھا۔ خالد نے جب ماہان کو خود میدان جنگ میں اترتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے، خدا کی قسم رومیوں کے سالار اعلیٰ کا خود میدان میں نکلنا دشمن کی ہزیمت کی نشانی ہے۔ ضرور کوئی خاص بات ہے ورنہ یہ خود کبھی نہ نکلتا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے قبیلہ دوس کا ایک بہادر ماہان کے مقابلہ میں نکل پڑا۔ ماہان کے ہاتھ میں سونے کی ایک برچھی تھی اس نے اس زور سے نوجوان کو برچھی ماری کہ اسی وقت شہید ہو گیا۔ اسکے بعد مالک بن اشتر نخعیؓ ماہان کے مقابلہ میں نکل پڑے۔ مالکؓ ایک مانے ہوئے جنگجو تھے لیکن ماہان ملعون چونکہ نہایت شجیع اور ماہر تھا لہٰذا لڑائی نے طول پکڑا۔ ماہان نے برچھی کا ایک

ایسا وار کیا جو سیدھا مالک ؓ کی پیشانی پہ جا لگا۔ ضرب کے لگتے ہی خون چہرے پر بہنا شروع ہو گیا۔ آپ نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا بلکہ اس حالت میں بھی لڑائی کو جاری رکھا۔ آپ نے ماہان کو تلوار کا وار رسید کیا یہ وار اتنا تیز تھا کہ آہنی خول کو چیرتے ہوئے جسم پر جانے لگا اور ماہان کو معمولی سا زخم آیا۔ ماہان مالک ؓ کی بہادری کو بروقت سمجھتے ہوئے اپنے لشکر کی طرف بھاگ گیا۔

جب ماہان اپنے لشکر کی طرف بھاگا تو ساتھ ہی ابوعبیدہ بن جراح ؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں کا ہمت اور حوصلہ بڑھ چکا تھا لہٰذا سب نے ایک شدید ہلہ بول دیا۔ خالد ؓ اپنے آٹھ ہزار گھوڑسوار دستہ میمنہ پر عمرو بن العاص ؓ اور شرحبیل بن حسنہ ؓ کی مدد کیلئے لے گئے۔ ساتھ ہی ابوعبیدہ ؓ اور یزید بن ابوسفیان کو پیغام بھیجا کہ رومی کمک کو روکے رکھیں۔ میمنہ پر آرمینی اور غسانی فوج تھی یہ حملہ اتنا شدید اور خونریز تھا کہ رومیوں کی بے شمار جانیں ضائع ہونا شروع ہوگئیں۔ آرمینی اور غسانی فوج کمک کے انتظار میں لڑ رہی تھی لیکن ان کا یہ خواب ابوعبیدہ ؓ اور یزید بن ابوسفیان ؓ نے ناکام بنا دیا تھا۔ یہ دونوں سالار اس انداز سے لڑ رہے تھے کہ نہ خود پیچھے ہٹتے اور نہ دشمن کے دستوں کو آگے بڑھنے دیتے بلکہ انہیں لڑائی میں الجھا یا رکھا تھا۔

رومیوں کا میمنہ جب اپنے لشکر کی کمک سے محروم ہوا تو میدان جنگ چھوڑ کر پسپائی اختیار کی۔ مؤرخین نے پسپا ہونے والوں کی تعداد چالیس ہزار بتائی ہے۔ چالیس ہزار کی بھگدڑ ایسا بے قابو سیلاب تھا جو اپنے سالاروں کو بھی ساتھ بہا لے گیا۔ یہاں تک کہ سالا اعلیٰ ماہان بھی اپنے محافظ دستے سمیت اسی سیلاب کی لپیٹ میں آ گیا اور بہتا چلا گیا۔ خالد نے جب دیکھا کہ رومیوں کا میمنہ مکمل طور پر بھاگ چکا ہے تو اپنے دستوں کو قلب کی اسی جگہ پر حملہ کا حکم دیا جہاں ابوعبیدہ اور یزید ؓ نے حملہ کیا تھا۔

ماہان کے غائب ہو جانے سے مرکزیت ختم ہو گئی تھی۔ اب سالار اپنی اپنی لڑائی لڑ رہے تھے رومیوں کا قلب اور میسرہ سکڑ کر ایک دستہ بن چکا تھا۔ رومی بری طرح مسلمانوں کے پھندے میں آ چکے تھے۔ رومیوں نے جم کر لڑنے کی کوشش کی لیکن آخر ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ ابوعبیدہ ؓ اور خالد ؓ نے اپنے لشکر سمیت ان کا تعاقب جاری رکھا حتیٰ کہ رومی وادی الرقاء میں ناقوصہ ندی کے پاس پہنچ گئے۔ اس دریا کا خدوخال کچھ اس طرح تھا کہ اردگرد کی زمین گہرائی میں چلی جاتی تھی۔ رومی اس قدر بے خبری میں بھاگ رہے تھے کہ انہیں ندی کا خیال ہی نہ رہا۔

مؤرخ واقدی اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب زنجیروں میں بندھے ہوئے لوگوں میں ایک آدمی ندی میں گر پڑتا تو اس کے ساتھی بھی ندی میں گر کر ڈوب مرتے۔ اب آگے دریا تھا اور پیچھے اسلامی لشکر۔ دونوں طرف موت ہی موت تھی۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ معرکہ میں قتل ہونے والوں کے علاوہ اس ندی میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قتل ہو گئے تھے اور چالیس ہزار گرفتار ہو کر جنگی قیدی بن گئے تھے۔ جو رومی جنگل اور پہاڑوں میں متفرق ہو کر بھاگ گئے تھے مسلمانوں نے انہیں بھی قتل کرنا شروع کیا لیکن رات کا اندھیرا ان کے لئے محافظ ثابت ہوا۔ ابوعبیدہؓ نے تمام دستوں کو میدان جنگ میں واپس آنے اور مال غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔

مسلمانوں نے رات بھر مال غنیمت جمع کیا اور اپنے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر انہیں وہیں دفن کیا۔ میدان کارزار میں چند ایسی مجروح لاشیں بھی پائی گئیں جو مشتبہ تھیں کہ آیا یہ نصرانی عرب ہیں یا مسلمان۔ آخر ابوعبیدہؓ کے حکم سے مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور دوسرے شہیدوں کے ساتھ دفن کیا۔ جب صبح ہوئی تو ابوعبیدہؓ نے مال غنیمت کا خمس علیٰحدہ کیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو ماہان کے تعاقب میں دمشق بھیجا۔ قیدیوں سے معلوم ہوا تھا کہ ماہان نے انطاکیہ کی بجائے دمشق کا رخ کیا ہے۔ جس وقت خالدؓ اپنے دستے سمیت دمشق پہنچے تو ماہان پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔ آپ نے ماہان پر حملہ کیا اور وہاں مقتل عظیم برپا کر دیا۔ ایک مجاہد ماہان کا حفاظتی حصار توڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچا اور تلوار کا ایک ایسا وار رسید کیا کہ ماہان وہی مردار ہو گیا۔ راویوں میں یہ اختلاف ہے کہ ماہان کا قاتل حضرت نعمان بن جہلتہ ہیں یا حضرت عاصم بن خوالؓ (واللہ اعلم)۔

رومیوں اور آرمینیوں نے اپنے بادشاہ ماہان کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی جان بچانے کی غرض سے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ خالد جب دمشق کے دروازے پر پہنچے تو اہل دمشق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کیا تمہارے اور ہمارے مابین وہی معاہدہ جاری رہے گا، جو آپ کے سالار ابوعبیدہؓ نے مرتب کیا تھا؟ خالد نے جواب دیا ہاں! وہی رہے گا۔ خدا کی قسم، ہم رومیوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کر کے آئے ہیں شہر کا بڑا دروازہ کھل گیا اور مسلمان تکبیر کے نعروں کے ساتھ نہایت پر امن طریقے سے شہر میں داخل ہو گئے خالد وہاں سے رخصت ہو کر یرموک واپس پہنچ گئے اور ابوعبیدہ کو ماہان کے قتل کی اطلاع دے دی۔

مسلمانوں کے ہاتھوں اس قدر بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا کہ اتنا پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ مال غنیمت میں سونے چاندی کے برتنوں کے علاوہ بے شمار گھوڑے ہتھیار اور غلام ہاتھ آئے جنہیں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ جنگ یرموک میں چار ہزار مسلمانوں نے اپنی جان کی قربانی دی تھی جواب تک لڑی جانے والی جنگوں میں سے مسلمانوں کی طرف سے سب سے زیادہ جانی نقصان تھا۔ رومی اور اتحادی افواج جو میدان جنگ میں قتل ہوگئیں تھیں انکی تعداد ایک لاکھ پانچ ہزار بتائی جاتی ہے۔ ابن جریر کے مطابق جو ناقوصہ کے ندی میں ڈوب کر مر گئے تھے ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے اور جو جنگلوں اور پہاڑوں میں اسلامی لشکر نے تعاقب کے دوران مارے تھے ان کی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ رومیوں کی طرف سے بھی جنگ یرموک کا جانی نقصان اس وقت تاریخ کا سب سے بڑا جانی نقصان تھا۔ نیز چالیس ہزار رومی جنگی قیدی بن گئے تھے۔

مؤرخ واقدی، بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ جب ہرقل کو اپنی افواج کی شکست، نیز اس کے سرداران ماہان، جرجیر اور دیرجان کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے کہا میں پہلے ہی جانتا تھا کہ مسلمان ہم پر فتح یاب ہوں گے۔ شہنشاہ ہرقل نے بوریا بستر گول کر کے انطاکیہ سے قسطنطنیہ (استنبول کا پرانا نام ہے) کا رخ کیا۔ جب وہ انطاکیہ سے روانہ ہو رہا تھا تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور نہایت بوجھل سی آواز میں کہا۔ اے ارض شام! اس بدنصیب کا آخری سلام قبول کر جو تجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ اب رومی ادھر آئے بھی تو ان پر تیرا خوف سوار ہوگا۔ کتنا حسین اور خوبصورت ملک دشمن کو دیئے جا رہا ہوں۔

☆☆☆

مسلمانوں نے اس دور کی سپر پاور سلطنت روم کو شکست دی تھی۔ وہ مسلمان جو مسلسل تین سال سے اپنے وطن سے بہت دور لڑتے رہے تھے۔ نہ ان کے پاس کوئی جنگی وسائل تھے اور نہ کوئی خاص منظم فوج بلکہ ہر مجاہد اپنے گھر سے تلوار لے کر نکلا تھا۔ انہوں نے سلطنت روم کو ایک فیصلہ کن جنگ میں ایسی شکست دی جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ وہ صرف نام کے مسلمان نہیں تھے وہ جنگی طاقت کو آدمیوں اور گھوڑوں کی تعداد سے نہیں بلکہ جذبہ ایمانی سے ناپتے تھے۔

یہ ان کے ایمان کا کرشمہ تھا کہ شام میں صلیب کا نشان اتر کر اذانوں کی آوازیں گونجنا شروع ہوگئیں۔ مسلمانوں کے سالار امین الامت، عشرہ مبشرہ، کاتب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسیف اللہ تھے۔

جب وہ دشمن کے مدمقابل ہوتے تو اللہ تعالیٰ دشمن کے دلوں پر ان کا رعب طاری کر دیتا۔ جنگ یرموک میں واضح فتح کے بعد مسلمانوں نے اپنے تمام مقبوضہ علاقوں پر دوبارہ کنٹرول سنبھال لیا بلکہ ان کے قرب وجوار میں دوسرے شہر اور قصبے بھی بغیر کسی لڑائی کے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے اور جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ صرف دو بڑے شہر تھے جن کا سر کرنا ابھی باقی تھا۔ ایک ایلیا (بیت المقدس کا پرانا نام ہے) اور دوسرا قیساریہ تھا۔ ابوعبیدہؓ نے مع اپنے لشکر کے جابیہ کے مقام پر ایک مہینے کا قیام کر کے تمام مجاہدین کو آرام کا مشورہ دیا۔

☆☆☆

شعبان ۱۵ ہجری بمطابق اکتوبر ۶۳۶ء کے ایک دن ابوعبیدہ بن جراح نے اپنے سالاروں کو بلایا اور فرمانے لگے۔ میرے مسلمان بھائیو! اب زیادہ تر زخمی مجاہدین لڑنے کے قابل ہو گئے ہیں اور سب نے آرام بھی کر لیا ہے۔ لہٰذا ہمیں بیت المقدس یا قیساریہ کی طرف پیش قدمی کرنا چاہیے۔ آپ حضرات کسے ترجیح دیتے ہیں؟ تمام سالاروں نے جواب دیا، امین الامت جس کا حکم دیں گے وہی ہمیں منظور ہے۔ ابوعبیدہؓ نے کہا، میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک عام انسان ہوں۔ آپ مجھے اپنے مشوروں سے مستفید کریں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین عمرؓ سے مشورہ طلب کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

ابوعبیدہؓ نے آپ کا مشورہ پسند فرمایا اور امیر المؤمنین عمرؓ کے نام ایک پیغام بھجوایا جس کا خلاصہ یہ تھا:

"امیر المؤمنین! میرا ارادہ قیساریہ یا بیت المقدس کی طرف کوچ کرنے کا ہے آپ ہماری رہنمائی کریں آپ کے حکم کا منتظر رہوں گا۔ والسلام"۔

قاصد پندرہ دنوں بعد امیر المؤمنین کا پیغام لے آیا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ سب سے پہلے بیت المقدس فتح ہونا چاہیے لیکن اس کا محاصرہ کرتے وقت رومیوں کی کمک کے راستے بند کرنا ہوں گے۔ امیر المؤمنین عمرؓ صرف نام کے خلیفہ نہیں تھے وہ مدینہ میں بیٹھ کر جو منصوبہ بناتے تھے، ایک قابل سالار میدان جنگ میں بھی نہیں بنا سکتا تھا۔ آپ کو اپنے قاصدوں کے ذریعے شام کے حالات وواقعات ملتے تھے۔ انہیں یہاں تک معلوم تھا کہ قیساریہ کی کثیر فوج ضرور بیت المقدس کو کمک اور دوسری مدد

دے گی۔ لہٰذا انہوں نے یزید بن ابوسفیان رض کے بھائی معاویہ بن ابوسفیان رض کو قیساریہ پر فوج کشی کا حکم دیا تاکہ قیساریہ اور بیت المقدس کا رابطہ ٹوٹ جائے اور ایک دوسرے کی مدد کو نہ جاسکیں۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہی ہوا جو خلیفہ عمر رض نے سوچا تھا۔ جب بیت المقدس کے سالار ارطبون کو مسلمانوں کی پیش قدمی کا پتہ چلا تو وہ قیساریہ کے حاکم سے ملاقات کیلئے وہاں چلا گیا۔ اہل قیساریہ نے شکست تسلیم کی ہوئی تھی اور مسلمانوں سے صلح کرنے پر آمادہ تھے، لیکن سالار ارطبون نے انہیں جنگ کرنے پر آمادہ کرلیا اور بوقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد کرنے پر رضامند ہو گئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ارطبون ایک ماہر اور جنگجو سالار تھا اور وہ شہنشاہ ہرقل کا ہم پلہ تھا۔ فلسطین کی ریاست اسکے زیرنگرانی تھی۔ امیر المؤمنین عمر رض کے حکم نامے کے مطابق امین الامت نے حضرت امیر معاویہ رض کو قیساریہ پر حملہ کرنے کیلئے وہاں بھیجا۔ امیر معاویہ رض نے جاتے ہی شہر کا محاصرہ کرلیا انہوں نے اہل قیساریہ کے سامنے حسب معمول تین شرائط پیش کیں اسلام، جزیہ یا تلوار۔ اہل قیساریہ نے اپنی تعداد کے بل بوتے اور بیت المقدس سے کمک کی امید پر جنگ پر رضامندی اختیار کی۔

مؤرخ ابن کثیر، ابن خلدون اور طبری کے مطابق اہل قیساریہ چند دنوں تک قلعے کے دروازے کھولتے، مسلمانوں پر شدید ہلہ بولتے، کچھ دیر لڑ کر پیچھے ہٹتے اور قلعے میں گھس کر تمام دروازے بند کر دیتے۔ ہر حملے میں رومی اپنے پیچھے بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگتے۔ آخر کار ایک دن رومی سالار محاصرے سے تنگ آکر فیصلہ کن جنگ کیلئے قلعے سے باہر لڑنے آیا اور شدید جھڑپ ہوگئی۔ رومی سالار بھی مارا گیا۔ رومی اپنے پیچھے تقریباً اسی ہزار لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے اور حضرت امیر معاویہ رض نے قیساریہ پر خلافت کا جھنڈا لہرا دیا۔

☆☆☆

قیساریہ کا سالار دل میں یہ افسوس لئے مر گیا کہ ارطبون اس کی مدد کو نہ پہنچا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ ارطبون خود بیت المقدس کے اندر محصور ہو گیا تھا۔ ابوعبیدہ بن جراح رض نے سالار شرحبیل بن حسنہ رض، یزید بن ابوسفیان رض اور عمرو بن العاص رض بیت المقدس کے محاصرے کیلئے بھیجے تھے اور خود جابیہ کے مقام پر مقیم رہے۔ یہاں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ رومی سالار ارطبون بیت المقدس سے باہر اجنادین کے مقام پر لڑے تھے اور جب عمرو بن العاص رض کے ہاتھوں

شکست ہوئی تب وہ بیت المقدس میں پسپا ہو کر محصور ہو گئے تھے۔ (واللہ اعلم)

بہر حال جب مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا تو رومی کسی شرط پر صلح کیلئے رضامند نہیں تھے۔ سالار یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حتی الوسع کوشش کی کہ اس مقدس شہر کو خونریزی سے پاک رکھا جائے لیکن رومیوں نے آپ کی ایک نہ مانی۔ آخر کار آپ نے حضرت امین الامت کی خدمت بابرکت میں ایک عریضہ لکھا کہ رومی کسی حالت پر صلح کیلئے تیار نہیں ہیں، لہٰذا لڑائی کے متعلق حکم نافذ فرمائیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے میسرہ بن ناصح رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک پیغام بھجوایا جس میں یہ لکھا تھا کہ لڑائی شروع کر دینی چاہیے۔ میں بھی بہت جلد آ رہا ہوں۔ مسلمان آپ کا خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور صبح تک رات بیداری میں گزاری۔

واقدی لکھتے ہیں کہ مسلمان بیت المقدس فتح کرنے کیلئے اتنے پرجوش تھے کہ یہ رات انہوں نے بیداری میں گزاری اور صبح کا انتظار کرنے لگے۔ ہر سالار کی یہ خواہش تھی کہ اس مقدس شہر کی فتح میرے ہاتھوں سرانجام پائے اور میں ہی سب سے پہلے بیت المقدس میں داخل ہو کر نماز پڑھوں اور آثار انبیاء علیہم السلام کی زیارت سے بہرہ مند ہو جاؤں۔

آخر کار صبح کی کرنیں جلوہ گر ہونے لگی۔ ہر سالار نے اپنے اپنے دستوں کو فجر کی امامت کرائی اور یہ قرآنی آیات تلاوت فرمائیں۔

ترجمہ: اے قوم! ارض مقدس میں جو تمہارے لئے اللہ پاک نے لکھ دی ہے، داخل ہو جاؤ اور پیٹھ دے کے الٹے نہ پھرو، ورنہ خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

صبح ہوتے ہی تمام سالاروں نے قلعے کے دروازوں پر حملے بولے۔ تیراندازی کی لیکن باشندگان بیت المقدس پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ قلعے کی دیواروں پر مامور رومیوں نے مسلمانوں کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ مسلمان اس طرح دس دن تک لڑتے رہے۔ تیراندازی ہوتی رہی چونکہ اہل بیت المقدس قلعے سے باہر لڑنے کیلئے نہیں آتے تھے، تو کوئی خاص لڑائی نہیں ہوا کرتی تھی۔

گیارہویں روز ابوعبیدہ بن جراح اسلامی پرچم لہراتے ہوئے بیت المقدس پہنچ گئے۔ آپ کے دائیں طرف خالد رضی اللہ عنہ تھے جبکہ بائیں طرف حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ آ رہے تھے۔ اسلامی لشکر نے

اپنے سالاروں کو آتے ہوئے دیکھا تو بلند آواز سے تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ بیت المقدس والوں نے مسلمانوں کا مزید کمک دیکھی تو ان کے دلوں پر رعب طاری ہو گیا اور اپنے پوپ اسقف سفرینوس کے پاس چلے گئے اور کہنے لگے اے ہمارے مقدس باپ! مسلمانوں کا سردار بقیہ فوج لے کر یہاں پہنچا ہے یہ قوم بہت جنگجو اور سخت لگ رہی ہے۔ آپ ہمارے لئے کوئی حل نکالیے۔ یہ سن کر پوپ اپنے چند محافظوں سمیت باہر آیا اور مسلمانوں کے امیر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے ملنے کی امید ظاہر کی۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ آگے آ کر پوپ سے ملے اور فرمایا میں مسلمانوں کا امیر ہوں۔ اسقف نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو غور سے دیکھا اور فرمایا تم اس شہر کو ہرگز فتح نہیں کر سکتے، چاہے تم بیس برس تک ہمارا محاصرہ کئے پڑے رہو۔ اسے محض ایک ہی شخص فتح کر سکتا ہے۔ میں وہ علامات وصفات تمہارے اندر نہیں دیکھتا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ علامات وصفات کیا ہیں؟

پوپ نے جواب دیا اس شہر کا فاتح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی ہے۔ جس کا نام عمر ہوگا۔ وہ نہایت سخت مزاج اور اللہ کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بالکل نڈر اور بے باک ہوگا اور میں اس شخص کی صفات تمہارے اندر نہیں دیکھتا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم ،ہم نے اس شہر کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے پوپ سے فرمایا کیا تو اس شخص کو دیکھ کر پہچان لے گا؟ پوپ نے کہا ضرور! بلکہ اس شخص کا حسب ونسب اسکی عمر کے سال اور دن تک ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ وہی شخص ہمارا خلیفہ اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے۔ آپ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو جب تک میں اس کو خود نہیں دیکھتا، تب تک ہم صلح کی شرائط نہیں لکھ سکتے۔

اسقف سفرینوس نے بیت المقدس کی حرمت کے بارے میں ایسی باتیں کیں کہ جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ متاثر ہوئے اور اس کی اس شرط کو منظور کر لیا کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ خود بیت المقدس آجائے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سالاروں کیلئے یہ ایک مسئلہ بن گیا۔ مدینہ بہت دور تھا کم وبیش ایک مہینے کا سفر درکار تھا لہٰذا امین الامت نے سالاروں سے مشورہ طلب کیا۔ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کیا کہ خالد بن ولید کو عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ پیش کیا جائے کیونکہ ابن ولید شکل وصورت میں عمر رضی اللہ عنہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ رومی جنگی تیاری کیلئے وقت حاصل کرنا چاہتے ہوں۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی تجویز مسترد کرتے ہوئے فرمایا ہم یہ خطرہ مول لے سکتے

ہیں لیکن جھوٹ اور فریب کا سہارا نہیں لے سکتے۔ ہمارے فریب اور چالبازی کا داغ اسلام کو لگے گا۔

اگرچہ مشرکین کے خلاف جنگ میں فریب اور حیلہ جائز ہوتا ہے لیکن امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رض اسلام کو ہر ایسے داغ سے پاک رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے امیر المؤمنین کے نام ایک پیغام لکھ کر میسرہ بن مسروق عبسی رض کے ہاتھ مدینہ روانہ کیا۔ خط کا پہنچنا ہی تھا کہ مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ امیر المؤمنین عمر رض بے حد خوش ہوئے اور لوگوں سے مشورہ لینا شروع کیا۔

سب سے پہلے عثمان بن عفان رض نے کہا امیر المؤمنین کا نہ جانا بہتر ہوگا اب چونکہ عیسائی ہمت ہار چکے ہیں تو ان کی اور بھی ذلت وحقارت ہو جائے گی اور مجبوراً جزیہ ادا کر کے ہماری اطاعت قبول کریں گے۔

حضرت علی رض نے حضرت عثمان رض کی رائے کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا امیر المؤمنین کا جانا بہتر ہے ایک تو مسلمانوں کو محاصرے میں جو دقت پیش آرہی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ دوسرا مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔

چند اور اکابر صحابہ نے بھی حضرت علی رض کی رائے کی تائید کی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رض نے حضرت علی رض کی رائے پسند فرماتے ہوئے کہا مجھے ابھی روانہ ہونا چاہیے۔ آپ حضرت علی رض کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر کے شام کے سفر پر نکل پڑے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کے ساتھ انصار و مہاجرین کے چند اکابر صحابہ بھی تھے لیکن بعض مؤرخین نے اس کی نفی کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سفر میں صرف امیر المؤمنین عمر رض اور آپ کا ایک غلام تھا۔ زادراہ میں ایک اونٹ، چوہارے، ستو اور ایک لکڑی کا پیالہ تھا۔

امیر المؤمنین عمر رض نے عباس رض بن عبدالمطلب کو ہراول کے طور پر آگے بھیجا تھا تاکہ ابوعبیدہ رض کو پیغام پہنچا دیں کہ جابیہ کے مقام پر ملیں۔ لہٰذا امین الامت بیت المقدس کا محاصرہ عمرو بن العاص رض کے حوالہ کرتے ہوئے جابیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ خالد بن ولید رض اور یزید بن ابوسفیان رض بھی تھے۔ دوسری طرف جب ابوعبیدہ رض کو پہنچنے میں تھوڑی دیر ہوئی تو امیر المؤمنین عمر رض نے دریافت کیا : میرا بھائی کہاں ہے؟ لوگوں نے پوچھا : کون؟ تو آپ نے فرمایا : ابوعبیدہ بن جراح۔ لوگوں نے عرض کی، وہ ابھی تھوڑی ہی دیر میں پہنچ جائیں گے۔ جب ابوعبیدہ رض امیر المؤمنین کے پاس پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابوعبیدہ رض اونٹنی پر سوار نہایت سادہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جب آپ نے

امیر المؤمنین کو دیکھا تو اونٹنی سے اتر گئے۔ امیر المومنین عمرؓ آپ کی سادگی دیکھ کر نہایت متعجب ہوئے اور آپ کی طرف پیدل آنے لگے۔

مشہور مؤرخ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امین الامت نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ چومنے کا ارادہ کرلیا اور حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کے پاؤں چومنے کا ارادہ کرلیا۔لیکن امین الامت نے آپ کو روک کر منع کر دیا اور دونوں گلے لگ گئے۔ امیر المؤمنین عمرؓ ابوعبیدہؓ کی بہت عزت کرتے تھے۔ یہ عزت تو تھی کہ مسلمانوں کا خلیفہ اپنے مقرر کردہ سالار کے پاؤں چومنے جارہے تھے لیکن ابوعبیدہؓ نے اس کو مناسب نہ سمجھا اور آپ کو منع فرمایا۔آپ کے ساتھ دوسرے سالار یزید بن ابوسفیانؓ اور خالد بن ولیدؓ تھے۔ یزید قریش کے سردار ابوسفیان کے بیٹے تھے اور خالد قریش کے سب سے امیر گھرانے کے فرد ولید بن مغیرہ کے بیٹے تھے۔ یہ دونوں بڑی قیمتی عبائیں پہن آئے ہوئے تھے وہ شہزادوں جیسے لگ رہے تھے۔ امیر المؤمنین عمرؓ کو ان دونوں کا شاہانہ لباس پسند نہ آیا اور اپنے مخصوص غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''تم بے شرم ہو جو اس شاہانہ لباس میں مجھے ملنے آئے ہو۔کتنی جلدی تم لوگوں نے اپنا طریقہ بدل لیا ہے۔ دو تین سال پہلے ہمارا کیا حال تھا؟ تم لوگوں نے اپنے اوقات بھلا دی ہے''۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین عمرؓ کی اپنی یہ حالت تھی کہ موٹے کپڑے کا کرتہ پہنا ہوا تھا جس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے، جن میں بعض چمڑے کے تھے۔ خالدؓ اور یزیدؓ نے اپنی عبائیں کھول کر دکھا دیں اور کہا، امیر المؤمنین! ہم ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ عبائیں تو صرف ظاہری پردہ ہے۔ہم ہر وقت حالت جنگ میں رہتے ہیں۔تب امیر المؤمنین کے چہرے سے غصے کے آثار ختم ہونے لگے اور دونوں کو گلے لگایا۔ امیر المؤمنین عمرؓ جابیہ کے مقام پر زیادہ دیر نہ رکے بلکہ سیدھا بیت المقدس کا رخ کیا۔

امیر المؤمنین جب بیت المقدس کے محاصرے میں پہنچ گئے تو تمام مجاہدین نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔آپ ایک ایک مجاہد سے فرداً فرداً ملے اور مصافحہ کیا۔سب سے ملتے ملاتے ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا۔لشکر اسلام میں مشہور مؤذن رسول ﷺ حضرت بلال حبشیؓ بھی موجود تھے۔صحابہ نے امیر المؤمنین سے درخواست کی کہ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر بلالؓ ہی اذان دے۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے بلالؓ کی طرف دیکھا۔ بلالؓ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ہمیشہ کیلئے اذان دینا ہی چھوڑ دیا تھا بلکہ جب مدینہ میں رہنا مشکل ہو گیا تو شام کا رخ کر کے مدینہ کو بھی ہمیشہ کیلئے خیر آباد کہہ دیا۔ امیر المؤمنین نے بلال سے التجا کی کہ آج کا دن مسلمانوں کیلئے عظیم دن ہے۔ میں اور صحابہ چاہتے ہیں کہ آج اذان آپ ہی دیں۔ حضرت بلال امیر المؤمنین کی درخواست کو رد نہ کر سکے اور اذان دینا شروع کی۔ تمام مجاہدین پر ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ جب بلال کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔۔۔ محمد رسول اللہ۔۔۔ تو مسلمان بے تحاشا رونے لگے۔ خود بلال کی سانسیں رک گئیں اور بڑی مشکل سے اذان مکمل کر لیا۔

اذان کے بعد تمام لشکر اسلام نے امیر المؤمنین عمرؓ کی امامت میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد عیسائیوں کے پوپ اسقف سفرینوس کو پیغام دیا گیا کہ امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ مدینے سے آ چکے ہیں، لہٰذا صلح کی شرائط طے کی جائیں۔ پوپ نے امیر المؤمنین کو بیت المقدس کے بڑے دروازے پر بلانے کو کہا جس وقت آپ روانہ ہو رہے تھے، مسلمانوں نے ازراہ شرم امیر المؤمنین کو ایک سفید جوڑا پہننے کیلئے پیش کیا۔ جسے آپ نے منظور کر لیا اور ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ جب آپ مجاہدین اسلام کی خواہش کے مطابق سوار ہوئے تو گھوڑا شوخی کرنے لگا۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے گھوڑے کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مار کر فرمایا، کمبخت! یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر آئے اور اپنے پرانے کپڑے منگوائے جس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا قریب تھا کہ یہ نئے سفید کپڑے اور گھوڑے کی تیز رفتاری مجھے ہلاکت میں ڈال دیتی، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر بھی ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ یہ کہہ کر آپ پیادہ پا بیت المقدس کے دروازے پر پہنچ گئے۔

امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے پوپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ ہمارے امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ ہیں۔ پوپ نے جب آپ پر ایک نظر ڈالی، تو چیخ چیخ کر کہنے لگا خدا کی قسم! یہ وہی شخص ہے جس کے اوصاف و علامات ہماری کتابوں میں مذکور ہیں اور یہی وہ شخص ہے جسکے ہاتھوں ہمارا یہ شہر فتح ہو گا۔

پوپ نے امیر المؤمنین عمرؓ سے معاہدے کی شرائط طے کیں اور جو معاہدہ تحریر ہوا تھا اس

کے الفاظ کچھ یوں تھے۔

''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندہ عمرؓ نے ایلیا والوں (بیت المقدس) کو دیا ان کی جان، مال، گرجے، صلیب، بیمار، تندرست اوران کے تمام مذاہب والوں کوامان دی جاتی ہے۔کسی کو ان گرجاؤں میں سکونت اختیار کرنے کا اختیار نہیں ہوگا اور نہ وہ گرائی جائیں گی اور نہ انکے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا۔نہ انکی صلیبوں اور مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔مذہب کی بابت ان پر کچھ جبر نہ کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے گا۔ایلیا میں یہودی نہیں رہنے پائیں گے۔اہل ایلیا پر یہ فرض ہوگا کہ وہ دیگر شہروں کی طرح جزیہ دیں۔یونانیوں اور مفسدوں کو نکال دیں۔پس یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اسکے مال وجان کو امن ہے جب تک محفوظ مقام پر نہ پہنچ جائے اور جو شخص ایلیا میں رہنا چاہتا ہے تو اس کو بھی امن ہے بشرطیکہ اہل ایلیا کی طرح جزیہ ادا کریں اور اہل ایلیا سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر ان کے ساتھ جانا چاہے تو ان تمام کو بھی امن ہے یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام پر پہنچ جائے اور جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے اس پر اللہ کا، اللہ کے رسول ﷺ کا، ان کے جانشینوں کا اور تمام مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ اہل ایلیا مقرر کردہ جزیہ ادا کریں۔''

امیر المؤمنین نے اپنی مہر لگائی اور خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابوسفیانؓ نے گواہوں کے طور پر اپنے اپنے دستخط کئے۔اگلے روز یعنی پیر کے دن امیر المؤمنین بیت المقدس میں بطور فاتح داخل ہو گئے۔اسقف سفرینوس نے آپ کو بیت المقدس کی سیر کرائی۔انہیں قدیم تہذیبوں اور قوموں کے آثار دکھائے۔یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہیں دکھائیں۔

محراب داؤد کے پاس پہنچ کر آپ نے سورۃ داؤد کی آیت پڑھ کر سجدہ ادا کیا۔آپ نے صخرہ یعقوب کو بھی دیکھا جس کے متعلق روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس پر کھڑے ہو کر معراج کیلئے اٹھائے گئے تھے۔شہر میں گھومتے پھرتے آپؓ کلیسائے قیامت کے سامنے سے گزرے۔ظہر کی نماز کا وقت تھا آپ نماز کیلئے کوئی جگہ ڈھونڈ رہے تھے۔پوپ نے التجا کی، ہمارے لئے یہ باعث فخر ہوگا کہ آپ کلیسا کے اندر نماز پڑھیں۔امیر المؤمنین نے انکار کرتے ہوئے فرمایا، میں اس کلیسا کا احترام کرتا ہوں لیکن اس میں نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ یہ ہمارے معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔اگر آج میں نے یہاں نماز پڑھ لی تو میرے بعد مسلمان اس کو رواج بنائیں گے اور کلیسا میں نماز پڑھنے کو

اپنا حق سمجھیں گے۔

کلیسائے قیامت وہ جگہ ہے جہاں بقول عیسائیوں کے حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا حالانکہ اسلام کے مطابق یہاں حضرت عیسیٰؑ کا ہم شکل مصلوب کیا گیا تھا۔ امیر المؤمنین سیدھا قبلے کی طرف مسجد اقصیٰ میں گئے اور وہاں نماز پڑھائی جہاں رسول اللہ ﷺ نے شب معراج کے موقع پر نماز پڑھی تھی۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے ابوعبیدہؓ اور دیگر سالاروں کے مشورہ سے بیت المقدس کے امور مرتب کر کے دس دن تک قیام کیا۔ آپ نے علقمہ بن مجزز کو بیت القدس کا حاکم مقرر کر دیا۔

امیر المؤمنین عمرؓ نے شام کے تمام مقبوضہ علاقوں کے حاکم مقرر کر دیے۔ امین الامت ابوعبیدہؓ کو تمام شام پر حاکم بنا کر دیگر تمام سالاران کے زیر اثر رکھے۔ اپریل ۶۳۷ء بمطابق ربیع الاول ۱۶ ہجری کو امیر المؤمنین بیت المقدس میں دس دن قیام کے بعد رخصت ہوئے۔ ابوعبیدہؓ اور دیگر سالار جابیہ تک آپ کو چھوڑنے آئے اور آپ نہایت سادگی کے ساتھ مدینہ منورہ رخصت ہو گئے۔ ابوعبیدہؓ نے دمشق کو اپنا صدر مقام بنالیا۔

☆☆☆

قنسرین شام کا ایک قلعہ بند شہر تھا۔ جس کا سالار ریناس نامی ایک بہادر جنگجو تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ رومی سالار ریناس ہرقل کا ہم پلہ تھا اور اس کی دوسری شہرت یہ تھی کہ وہ عادل، منصف اور اپنی رعایا کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتا۔ اسلئے وہ اپنی رعایا میں ہر دلعزیز سمجھا جاتا تھا۔ سپاہی اس کے اشاروں پر جان قربان کرنے کیلئے تیار ہوتے۔

ابوعبیدہ بن جراحؓ نے خالد کو چار ہزار گھوڑ سوار دے کر ہراول کے طور پر قنسرین کے محاصرہ کیلئے روانہ کیا اور خالد کو ہدایات دیں کہ محاصرہ کرنے کے بعد میں تمام مجاہدین کے ساتھ پیچھے آرہا ہوں۔ یہ ایک جنگی حکمت عملی تھی تاکہ دشمن کے دلوں پر رعب اور دھاک بیٹھ جائے۔ جب رومی سالار ریناس کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے تمام سالاروں کو بلا کر کہا۔ سلطنت روم کی عظمت کے پاسبانو! وہ بزدل تھے جنہوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی ہے۔ مسلمان کوئی جن یا بھوت نہیں۔ وہ بھی تمہارے طرح انسان ہیں۔ اصل میں شکست کھانے والوں نے مسلمانوں کو مافوق الفطرت مخلوق سمجھ رکھا ہے۔ شکست کھانے والے ہمیشہ ایسی

ہی باتیں کرتے ہیں۔ میں شہنشاہ ہرقل کو یہ ثابت کروں گا کہ کیسے مسلمانوں کوشکست دی جاتی ہے۔ تمام سالاروں نے اپنے سالار کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے کہا، ہم جانیں قربان کریں گے لیکن کسی شرط پر صلح نہیں کریں گے۔ سالار میناس نے کہا ہم مسلمانوں کیلئے محاصرے تک کی نوبت نہیں آنے دیں گے بلکہ دشمن کو قلعے سے باہر دور راستے میں روک کر ختم کریں گے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ رومی سالار میناس واقعی بہادر انسان تھا لیکن ابھی تک وہ مسلمانوں کے مدمقابل نہیں آیا تھا اور اسکی شجاعت و بہادری نے اسے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ رومی سالار میناس اپنے ساتھ ستر ہزار نفری لے کر ایک سیلاب کی مانند شہر سے باہر نکلا۔ قنسرین سے چند میل دور حاظر ایک مقام تھا، جہاں دونوں لشکروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوا۔

خالد نے جب رومیوں کو قلعے سے باہر آکر لڑنے کیلئے دیکھا تو اپنے لشکر کو حملے کا حکم دیا اور فرمایا خدا کی قسم میں امین الامت کا انتظار کئے بغیر رومیوں کو ختم کروں گا۔ خالد کے دستوں کی تعداد صرف چار ہزار تھی مگر یہ سارے کے سارے مانے ہوئے شہسوار تھے۔ امین الامت ابوعبیدہؓ نے اس دستے کو صرف محاصرے کے خیال سے بھیجا تھا مگر ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ رومی قلعہ بند ہوں گے۔ خالد کے دستے نے اپنے امیر کا حکم سنتے ہی رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ رومی نہایت بہادری سے لڑ رہے تھے لیکن خالد کے ان دستوں کے لڑنے کا انداز کچھ مختلف تھا۔ یہ وہ متحرک دستہ تھا جو جم کر نہیں لڑتے تھے۔ ان کا انداز کچھ اور تھا جسے رومی سمجھ ہی نہیں رہے تھے۔

رومی سالار میناس نے مسلمانوں کو ایک آسان شکار سمجھا تھا لیکن اب وہ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مسلمان سواروں نے اس کے محافظوں کا حصار توڑ کر اسے قتل کر دیا۔ اپنے سالار کے قتل سے رومی اور غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے انتقام انتقام کے نعرے بلند کئے۔ رومیوں کے حملوں میں شدت پیدا ہوگئی لیکن ان کا مقابلہ خالد کے اس متحرک دستے سے تھا جنہوں نے یرموک کے میدان میں دشمن کے آٹھ لاکھ فوج کوشکست دی تھی۔ رومی زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور پسپائی اختیار کر کے بے شمار لاشیں اپنے پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

تاریخ میں یہ لڑائی معرکۃ الحاظر کے نام سے مشہور ہے۔ جونہی لڑائی ختم ہوئی تو حاظر کے لوگ گھروں سے نکل آئے اور خالد سے صلح کی التجا کرتے ہوئے کہا یہ کوئی اور لوگ تھے جو آپ کے

خلاف لڑے ہیں ہم آپ کے خلاف لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ خالدؓ نے کہا آپ لوگ ہماری پناہ میں ہیں۔تم پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جائے گا۔ خالدؓ یہاں سے نکل کر سیدھا قنسرین پہنچ گئے اور شہر کو محاصرے میں لے لیا۔

قنسرین کے اندر اب بھی رومی فوج دفاع کیلئے موجود تھی۔ خالدؓ نے بلند آواز سے رومیوں کو پکار کر فرمایا اگر تم بادلوں میں بھی ہوئے تو ہمارا رب ہمیں تم تک یا تمہیں ہم تک پہنچا دے گا۔ لہٰذا مزید خونریزی سے اجتناب کر کے قلعے کو ہمارے حوالے کردو۔ رومیوں نے کئی دنوں تک دروازے نہ کھولے اور قلعہ بند رہے۔ اسی اثنا میں امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ بھی اپنے بقیہ مجاہدین کے ساتھ قنسرین کے محاصرے کے لئے پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے بلند کئے جس سے رومیوں کے دلوں میں اور خوف بڑھ گیا اور صلح کی شرائط طے کر کے قلعے کے دروازے کھول دیئے۔

ابوعبیدہؓ ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے اور اسی روز امیر المؤمنین عمرؓ کو قنسرین کی فتح کی خوشخبری لکھی۔ تقریباً تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ امین الامت نے خالدؓ کی کامیابی اور بہادری اتنی تفصیل سے لکھی تھی کہ جب امیر المؤمنین نے پیغام پڑھ کر سنایا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے ۔ ''اللہ نے خالد کو سپہ گری اور سالاری پیدائش کے ساتھ عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالٰی ابوبکرؓ پر رحم کرے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔''

☆☆☆

قنسرین سے آگے حلب ایک اور بڑا شہر تھا۔ حلب پر اس وقت دو حقیقی بھائی حکمران تھے۔ شہنشاہ ہرقل نے اہل حلب کے مکروفریب اور جنگجو ہونے کی وجہ سے حلب اُنہیں بطور جاگیر بخش دیا تھا لہٰذا یہ ایک آزاد ریاست تھی۔ ان میں سے ایک بھائی کا نام یوقنا تھا اور دوسرے بھائی کا نام یوحنا تھا۔ بڑا بھائی یوقنا ایک بہادر، جنگجو اور نڈر سالار تھا جبکہ چھوٹا بھائی یوحنا ایک عالم، راہب اور تارک الدنیا تھا۔

جب ان دونوں بھائیوں کو ابوعبیدہ بن جراحؓ کے لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو یوحنا نے اپنے بھائی کو صلح کی ترغیب دی جس پر یوقنا آگ بگولا ہو گیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو بزدل اور نالائق جیسے طعنے دیکر اٹھ کھڑا ہوا۔ یوحنا اپنے بھائی کا غصہ اور طعنے سن کر ہنس پڑا اور فرمایا جس قوم کو اللہ

غالب کر دیتا ہے اس قوم پر غلبہ پانا کیسے ممکن ہے۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ یوقنا کے سر پر جنگ کا بھوت سوار تھا جس نے اسے سبز باغ دکھا دکھا کر لڑائی پر آمادہ کیا ہوا تھا۔ یوقنا اپنی فوج کو قلعے سے باہر نکال کر لڑائی کیلئے تیار ہو گیا تاکہ محاصرے کی نوبت ہی نہ آئے۔

امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رض نے حضرت کعب بن ضمرہ رض کو ایک ہزار لشکر دے کر ہر اول کے طور پر حلب کی طرف روانہ کیا اور یہ تاکید فرمائی کہ اگر دشمن کی تعداد زیادہ ہوئی اور لڑائی کی نوبت آئی تو جب تک میں نہیں پہنچتا ہرگز نہ لڑنا۔ کعب بن ضمرہ رض رسول اللہ ﷺ معیت میں کئی غزوات میں لڑے تھے اور ان کی شجاعت اور بہادری کے بارے میں مشہور تھا کہ جب دشمن کے خلاف ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے تو خواہ اکیلے ہوتے ایک قدم پیچھے ہٹنے کا نام تک نہیں لیتے تھے۔

حضرت کعب رض اپنے ساتھ ایک ہزار لشکر لے کر حلب سے چھ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہو گئے۔ جب یوقنا کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیتے ہوئے کعب کے دستوں کے سامنے خیمہ زن ہو گئے۔ یوقنا صحیح معنوں میں میدان جنگ کا سالار تھا۔ اس نے اپنے لشکر کی آدھی نفری کو چھپا لیا اور باقی نصف یعنی تقریباً پانچ ہزار لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا۔ کعب بن ضمرہ رض نے اپنے لشکر کو حملے کا حکم دیتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے اور خونریز لڑائی شروع ہو گئی۔

فتوح الشام میں واقدی حضرت مسعود بن عون رض کی روایت لکھتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں بھی حضرت کعب کے اس ایک ہزار کے لشکر میں شامل تھا۔ ہم برابر دشمن کے مقابلے میں لڑتے رہے اور یہ یقین کر لیا کہ دشمن کی جمعیت شکست کھا کر پسپا ہونے والی ہے کہ اچانک دشمن کے اس حصے نے، جو کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا، ہم پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایسا اچانک اور بے خبری میں ہوا تھا کہ ہمارا لشکر تین دستوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک دستے نے شکست کھا کر پسپائی اختیار کی۔ دوسرا دستہ عقب سے حملہ آور لشکر سے مدمقابل ہوا اور تیسرا دستہ کعب بن ضمرۃ رض کی سربراہی میں یوقنا سے لڑ رہا تھا۔ دشمن کے دس ہزار لشکر نے مسلمانوں کے ایک ہزار دستے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔

حضرت مسعود بن عون رض کہتے ہیں کہ اس دن حضرت کعب رض سالار سے سپاہی بن گئے تھے اور

سب سے آگے آگے یوقنا کے دستوں سے برابر لڑتے رہے۔ نیز مسلمانوں کو لڑائی اور جہاد کی ترغیب بھی دیتے رہے۔ ہم تمام ساتھیوں کو جب اپنی شہادت کا یقین ہو گیا تو موت اور زندگی کا معرکہ لڑنے لگے اور اسی امید کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ شاید ابوعبیدہ بن جراح کا لشکر مدد کیلئے پہنچ جائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کرنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا اور ابھی قنسرین سے نکلنے والے تھے کہ اہل حلب کے کچھ رئیس اور سردار آپ سے صلح کرنے کی غرض سے قنسرین پہنچ گئے۔ اہل حلب کے رئیسوں نے امین الامت سے عرض کیا ہم اپنے سالار یوقنا کا ساتھ نہیں دے رہیں ہیں اور نہ ہمارا ارادہ لڑائی کا ہے لہٰذا آپ ہمارے ساتھ صلح کیجیے۔

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے انکی صلح کی پیشکش قبول کرتے ہوئے ادائیگی جزیہ پر صلح کی اور یوں پورا دن اہل حلب کے ان سرداروں کے ساتھ صلح کی شرائط میں گزر گیا۔ جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پوری رات صبح تک کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کی کوئی خبر نہ ملی، تو آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو بلایا اور فرمایا ابوسلیمان! اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حلب کے سرداروں پر فتح دی اور صلح ہو گئی مگر تمہارا بھائی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، کعب رضی اللہ عنہ اور انکے لشکر کی رنج و غم کی وجہ سے تمام رات نہیں سویا۔ میرا دل یہ گواہی دے رہا ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھی شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا، خدا کی قسم، میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ میں بھی مسلمانوں کے رنج و غم کی وجہ سے رات بھر نہیں سویا پس ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوراً حلب کی طرف کوچ کا حکم دیا۔

اسلام کے دو عظیم سالار ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ ہاتھ میں پرچم تھامے ہوئے اپنے لشکر کے آگے آگے جا رہے تھے اور اسی طرح کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کے دستوں کے پاس پہنچ گئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر سمیت کعب رضی اللہ عنہ کی مدد کیلئے پہنچے تو اس وقت کعب رضی اللہ عنہ نے یوقنا کے لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ آدھی رات تک لڑائی جاری رہی لیکن جب یوقنا نے دیکھا کہ باوجود قلت لشکر کے مسلمان پسپائی کا نام نہیں لے رہے ہیں تو بے بسی کا شکار ہو کر پسپا ہو گیا اور قلعے کا رُخ کر کے قلعے کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ کو خیریت سے دیکھ کر سجدہ شکر ادا کیا لیکن جب لڑائی کی جگہ کو ملاحظہ کیا اور مقتولین کو دیکھا تو آپ کی خوشی رنج میں بدل گئی اور رو پڑے۔ مسلمانوں کے دو سو سے زائد مجاہدین شہید ہو چکے تھے جن میں سے چالیس افراد اپنے قبیلوں کے سردار اور سالار تھے۔

تاریخ میں رومیوں کی مقتولین کی تعداد نہیں ملتی البتہ ان کی تعداد مسلمانوں کی نسبت بہت

زیادہ تھی۔ ابوعبیدہ ؓ نے تمام شہداء پر جنازہ پڑھا کر انہیں اپنے خون آلود کپڑوں سمیت دفن کیا اور فرمایا : کاش ان شہداء کی جگہ آج ابوعبیدہ ؓ شہید ہوتا اور یہ ابوعبیدہ ؓ کے نشان کے نیچے شہید نہ ہوتے۔ آپ نے اپنے تمام لشکر کو حلب کے محاصرہ کا حکم دیتے ہوئے یہاں سے کوچ کیا۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ جب یوقنا پسپا ہو کر اپنے قلعے میں پہنچا سب سے پہلے اس نے ان لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا جنہوں نے مسلمانوں سے صلح کی تھی۔ یوقنا کے بھائی یوحنا نے جب اپنے لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھا تو اپنے بھائی سے کہنے لگا تجھ پر مسیح کی لعنت ہو۔ ان لوگوں نے تو اپنے جان بچانے کی غرض سے صلح کی تھی اور یہ حق بجانب ہیں۔

یوقنا نے کہا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ صلح کیلئے آپ ہی نے ان لوگوں کو مائل کیا تھا۔ لہٰذا سب سے پہلے میں تمہیں قتل کروں گا۔ یوحنا جب اپنے بھائی کے ارادے کو سمجھا تو اپنے سر کو آسمان کی طرف اُٹھایا اور فرمایا۔۔۔ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد رسول اللّٰہ۔۔۔۔ اے میرے بھائی! میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اب اگر آپ نے مجھے قتل کر بھی دیا تو مجھے کوئی خوف نہیں ہے کیونکہ میں سیدھا جنت النعیم میں پہنچوں گا۔ یوقنا کو اپنے بھائی کا مسلمان ہونا سخت گراں گزرا اور اپنے بھائی کو اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا سر دور جا کر گرا۔

ابوعبیدہ ؓ جب اپنے لشکر سمیت حلب پہنچے اسی وقت یوقنا اپنے لوگوں سے لڑ رہا تھا۔ اہل حلب چونکہ مسلمانوں کی صلح میں آ گئے تھے لہٰذا ابوعبیدہ ؓ نے اہل حلب کی حمایت میں یوقنا سے لڑائی شروع کی اور ایسی خونریز لڑائی ہوئی کہ یوقنا کے تین ہزار آدمی تہہ تیغ ہو کر قتل ہو گئے۔ یوقنا اپنی شکست دیکھ کر اپنے قلعے میں گھس گیا اور تمام دروازے بند کر دیئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یوقنا نے برسوں کا کھانا اور سالہا سالوں کیلئے ذخیرہ جمع کر رکھا تھا اس لئے بلا خوف قلعے میں رہنے لگا۔ یہ قلعہ چونکہ ایک بلند پہاڑی پر واقع تھا اس لئے اسے سر کرنا بہت مشکل تھا۔ ابوعبیدہ ؓ اور ان کے لشکر نے چار ماہ تک قلعے کا محاصرہ کیے رکھا۔ اسی دوران یوقنا مسلمانوں کے ساتھ مختلف قسم کے مکروفریب کرتا رہا اور دونوں طرف سے جانی نقصان ہوتا رہا۔ اس دوران امین الامت ابوعبیدہ ؓ نے دربار خلافت میں کوئی اطلاع نہ دی لہٰذا جب امیر المؤمنین کو حالات جاننے میں دیر ہو گئی تو آپ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از طرف خدا کے بندے عمرؓ عاملِ شام ابوعبیدہؓ کی جانب!

تجھ پر اللہ و رسول ﷺ سلامتی ہو۔ ابوعبیدہؓ! کاش تمہیں میری اس حالت کی خبر ہوتی جو تمہارے خط نہ پہنچنے اور سلسلہ خط و کتابت کے منقطع ہونے سے ہو رہی ہے۔ میرا جسم اپنے مسلمان بھائیوں کی خیریت معلوم کرنے کیلئے دم بدم پگھلا جا رہا ہے اور میرے رنج و غم میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں میرا قلب تمہارے پاس نہیں ہوتا اور تمہارے حالات معلوم کرنے کیلئے نہیں تڑپتا۔ جب تمہارا قاصد نہیں پہنچتا تو میرا طائر عقل پرواز کر جاتا ہے اور طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اے امین الامت! آپ ہمیشہ یاد رکھیں کہ میں اگرچہ تم سے دور اور تمہاری نظروں سے غائب ہوں مگر میرا دل تم سب کے پاس رہتا ہے اور میں برابر تمہارے لئے دعا گو رہتا ہوں۔ میں تم سب مسلمان بھائیوں کیلئے اتنا بے چین اور بے آرام ہوں، جتنی ایک ماں اپنی اولاد کیلئے ہوتی ہے۔ جس وقت میرا یہ پیغام پہنچے فوراً مجھے اپنی اطلاع دے دینا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے امیر المؤمنین کا پیغام بلند آواز سے پڑھ کر سنایا جس سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوئے۔ آپ نے فوراً امیر المؤمنین عمرؓ کے نام ایک پیغام بھجوایا جس میں انہوں نے قنسرین کی فتح اور حلب کے محاصرہ کا تفصیلی ذکر کیا۔ نیز آپ نے یوقنا کے مکر اور چالوں کا بھی ذکر کیا اور تمام شہداء ناموں کے ساتھ بیان کئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین عمرؓ ابھی امین الامت کا خط پڑھ رہے تھے کہ یمن کے مضافات ہمدان، نآرب اور سبا سے چار سو سے زیادہ رضا کار جہاد شام پر جانے کی اجازت طلب کرنے آئے۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے ان کو جہاد شام پر جانے کی اجازت دے دی اور ان کیلئے سواریوں اور ہتھیار وغیرہ کا بندوبست کرایا۔ ان چار سو مجاہدین میں سے حضرت سراقہ بن مرداس کندی کا ایک غلام دامس بھی تھا۔ یہ ایک سیاہ فام اور نہایت دراز قامت تھا۔ جب گھوڑے پر سوار ہوتا تو اس کے پیر زمین سے لگتے۔ مضافات یمن میں اسکی شجاعت اور بہادری کے چرچے تھے اور لوگ اسے خوف کی ایک علامت سمجھتے تھے اسلئے ابوالہول کے نام سے مشہور تھے۔ دامس ابوالہول نے کئی مرتبہ اکیلے کئی قبیلوں اور لشکروں کو شکست دی تھی۔

جب یہ لشکر جناب ابوعبیدہ رض کے اسلامی لشکر سے جاملا تو اگلے روز دامس ابوالہول نے اپنی بہادری اور شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ یوقنا کے لشکر کے کئی سپاہی قتل کر کے انہیں قلعے میں پسپا ہونے پر مجبور کیا۔لڑائی ختم ہونے کے بعد خالد بن ولید رض جناب ابوعبیدہ بن جراح رض کی خدمت میں آئے اوران سے دامس ابوالہول کی بہادری کا ذکر کیا۔ ابوعبیدہ رض نے فرمایا ابوسلیمان! واللہ، میں نے بھی اس کی بہادری اور شجاعت کی خبریں سنی ہیں لیکن ابھی تک میں نے اس مردمجاہد کو دیکھا نہیں۔ خالد رض نے دامس ابوالہول کو ابوعبیدہ رض کے سامنے پیش کیا۔ دامس ابوالہول سے گفتگو کرنے کے بعد امین الامت نے فرمایا واقعی تم ایک ہوشیار اور بہادر آدمی لگتے ہو لیکن یوقنا کے مکروفریب سے بچتے رہنا اور احتیاط کرنا۔

ابوعبیدہ بن جراح رض نے دامس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا خدا کے بندے! اس قلعہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ دامس نے کہا اے میرے امیر! یہ قلعہ نہایت بلند اور مضبوط ہے جو لشکر کو عاجز اور حملہ آوروں کو بے دست وپا کر دیتا ہے۔ محاصرہ کرنے والے اس کے محصورین کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔ البتہ میری ذہن میں ایک ایسا عمدہ حیلہ اور ترکیب ہے کہ ان شاء اللہ یہ ضرور مغلوب ہوجائینگے۔ ابوعبیدہ رض نے فرمایا اے خدا کے سپاہی! کیا ترکیب وتدبیر تیرے ذہن میں آتی ہے؟ دامس ابوالہول نے کہا آپ سرداران لشکر میں سے تیس سالار الگ کر کے انہیں میرے ساتھ روانہ کیجیے اور انہیں یہ ہدایت دے دیں کہ جو کچھ میں انہیں حکم دوں، بلاکسی شک وشبے کے حکم بجالاتے رہیں۔

امین الامت ابوعبیدہ رض نے دامس کے مشورے پر تیس بہادر سالار الگ کر کے دامس کو ان پر سالار مقرر کیا۔ ان سالاروں میں سے اکثر اپنے قبیلوں کے رؤسا اور سردار تھے۔ روانگی کے حکم سے پہلے ابوعبیدہ رض نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، اے بہادران اسلام! تم میں سے کوئی بھی شخص دل میں یہ خیال پیدا نہ کرے کہ میں تمہیں حقیر سمجھ کر تم پر ایک غلام کو سردار مقرر کرتا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر اس لشکر کی امارت اور ذمہ داری میری کندھوں پر نہ ہوتی تو سب سے پہلے میں دامس کا محکوم ہو کر اس کا حکم بجا لاتا۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ تمہارے ہاتھ سے اس قلعے کو فتح فرمائے گے۔

امین الامت کا دردمندانہ وعظ سن کر تمام سرداران آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا، امین الامت! اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند عطا فرمائے۔ ہمارے دل میں ایسا کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔ اگر آپ ہم پر کسی بے دین کافر کو بھی امیر

مقرر کریں گے تو ہمیں یہ مجال نہیں ہوگی کہ آپ کے حکم کو رد کریں کیونکہ ہم اس بات پر گواہ ہیں کہ آپ نے ہمیشہ دین محمدی ﷺ خیر خواہی اور مسلمانوں کی بھلائی کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور جزائے خیر کی دعا کی اور فرمایا آج میں نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ سنت زندہ کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ رؤسائے عرب اور سادات مسلمین پر انہی قبیلوں کے غلاموں کو سردار مقرر فرمایا تھا۔ اس کے بعد دامس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اب جناب کا کیا ارادہ ہے؟ دامس نے کہا کہ آپ اپنے لشکر کو قلعے سے ایک دو میل کے فاصلے پر لے جائیں اور ایسے ڈیرے ڈال دیں کہ دشمن سمجھے کہ مسلمان پسپا ہو رہے ہیں۔

دامس ابوالہول اپنے دستے کے ساتھ رات کی تاریکی میں قلعے کی طرف نکل پڑے اور قلعے کے قریب ایک غار میں چھپ گئے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دامس کے مشورے کے مطابق اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ اہل قلعہ فصیل پر چڑھ کر دیکھنے لگے کہ مسلمان بے بس ہو کر پسپا ہو رہے ہیں تو آپس میں چیخ چیخ کر مسلمانوں پر آوازیں کسنے لگے۔ آدھی رات گزرنے کے بعد دامس نے اپنے دستے سمیت قلعے کی دیواروں کی طرف بڑھنا شروع کیا اور گھسٹتے گھسٹتے دیوار تک پہنچ گئے۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ دامس نے دیوار پر چڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی دو بندے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیئے کہ وہ مع اپنے لشکر کے فجر کے وقت پہنچ جائیں۔ دامس نے سات ایسے بندوں کو منتخب کیا جو نہایت مضبوط اور اپنے شانوں پر بوجھ برداشت کرنے والے تھے۔ سب سے پہلے دامس بیٹھ کر انہیں اپنے کندھوں پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس طرح کل سات بندے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے کندھوں پر بیٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب یہ سارے کھڑے ہو گئے تو سب سے اوپر والا شخص دیوار کے کنگروں تک پہنچ گیا اور اسطرح قلعے کی برج پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ برج کا چوکیدار شراب کے نشے میں مدہوش پڑا ہوا تھا۔ آپ نے چوکیدار کو اُٹھا کر قلعے سے باہر پھینک دیا اور رسی کے ذریعے تمام ساتھیوں کو کھینچنے لگا۔ اسی طرح سب کے سب قلعے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ دامس ابوالہول نے اپنے دستے کو یہاں چھپنے کا حکم دیا اور خود دروازے کی طرف بڑھے اور نہایت آسانی سے دروازے پر مامور تمام چوکیداروں کو قتل کر کے واپس آیا۔ آپ نے قلعے کے دروازے پر اپنے پانچ ساتھی مامور کئے اور ایک ساتھی نہایت سرعت کے ساتھ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں بھیج دیا تا کہ جلد از جلد پہنچ جائیں۔ دامس ابوالہول بقیہ آدمیوں کو لے کر یوقنا کی گھر کی طرف چلے۔ یوقنا نے اپنی فوج کو للکار کر حکم دیا کہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لو۔

واقدی نے نوفل بن سالم سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا دادا عویلم بن جازم بھی حضرت دامسؓ کے دستہ میں حلب میں داخل ہوا تھا۔ ہم کل ستائیس بندے تھے (تین بندے ابوعبیدہ کو اطلاع کیلئے بھیجے گئے تھے) دشمن کے پانچ ہزار لشکر نے ہمیں گھیرے میں لیا تھا۔ ہم نے زندگی کو بھلا کر شہادت کی غرض سے لڑنا شروع کیا اور دل میں یہ امید رکھی کہ یہ ہماری شہادت گاہ ہے۔ ہمارے سات ساتھی شہید ہو گئے تھے اور کل بیس بندے رہ گئے۔ رومی بڑھ بڑھ کر ہم پر حملے کرتے رہے کہ اتنے میں ابوعبیدہ بن جراحؓ، خالد بن ولیدؓ اور ضرار بن ازورؓ مع اپنے لشکر کے قلعے میں داخل ہو گئے۔

اہل حلب نے چونکہ مسلمانوں کا کافی نقصان کیا ہوا تھا اسلئے اسلامی لشکر میں ایک غضب اور غصہ تھا جو بھی رومی سامنے آتا کٹ کر گرتا۔ رومیوں کا سردار یوقنا اپنے سرداروں سمیت زندہ گرفتار ہو گیا اور ابوعبیدہؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ یوقنا نے اپنے سرداروں سمیت اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔

اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور مجاہدین اسلام کے قاتل نے ایک ایسی ذات کی گواہی دی کہ اب اس کا قتل کرنا مسلمانوں پر حرام ہو گیا تھا۔ اس یوقنا نے محاصرے کے دوران پچاس مجاہدین کو زندہ گرفتار کر کے قلعے کے برج پر مسلمانوں کے سامنے ذبح کیا تھا لیکن اب چونکہ اس نے اللہ اور رسول ﷺ گواہی دی تھی تو ابوعبیدہؓ نے انہیں معاف کر دیا۔

امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے یوقنا اور دیگر سرداروں کا، جنہوں نے اسلام قبول کیا، مال واسباب جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا واپس کر دیا اور یہ حکم دیا کہ اب یہ ہمارے اسلامی بھائی ہیں۔ جو حقوق ہمیں حاصل ہیں انہیں بھی وہ حقوق حاصل ہوں گے۔ امین الامت نے باقی مال غنیمت کا خمس نکال کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور حضرت دامس کو دوہرا حصہ دے کر ان کیلئے دعائے خیر کی ۔کیونکہ یہ قلعہ دامس ابوالہول کی جنگی چال اور بہادری سے فتح ہوا تھا۔

☆☆☆

فتح حلب کے بعد امین الامت ابوعبیدہؓ نے انطاکیہ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا

لیکن یوقنا نے کہا اے ہمارے سردار! یہاں سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر آعزاز کا ایک قلعہ ہے جس کا حاکم میرا چچا زاد بھائی دراس ہے۔ مجھے فکر ہے کہ اگر آپ نے انطاکیہ کی طرف کوچ کیا تو وہ حلب اور قنسرین پر فوج کشی کر کے لوٹ مار کرے گا اور یہاں خونریزی سے اجتناب نہیں کرے گا۔ لہٰذا انطاکیہ سے پہلے ہمیں آعزاز پر فوج کشی کرنی چاہیے اور یہ کام آپ مجھے سونپ دیجیے۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یوقنا سے قلعہ اعزاز کے بارے میں سنا تو خالد رضی اللہ عنہ اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا آپ لوگوں کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ ان حضرات نے فرمایا امین الامت! اگر یہ شخص غدر اور بے وفائی نہ کریں تو ان کا مشورہ زیادہ مناسب لگتا ہے۔

یوقنا نے کہا خدا کی قسم! اب میں نے اپنا دین ترک کر کے تمہارا مذہب قبول کرلیا ہے اور میں کبھی اپنے مذہب کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یوقنا کو مخاطب کر کے کچھ نصیحتیں کیں تا کہ دین اس کے اندر راسخ ہوجائے۔ فرمایا اے خدا کے بندے! آج تم گناہوں سے ایسے پاک وصاف ہو گویا ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو۔ یاد رکھو! دنیا مؤمن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے۔ قبر آخری ٹھکانہ ہے اور میری مجلس میری خلوت ہے۔ نصیحت قبول کرنا میرا تفکر و تدبر ہے۔ میری گفتگو اور بات چیت قرآن ہے۔ میرا رب میرا انیس ہے۔ ذکر و اذکار میرا رفیق ہے۔ زہد میرا ہم نشین اور مصاحب ہے۔ غمگین رہنا میری شان ہے۔ زندگانی میرا اشعار ہے۔ بھوکے رہنا میرا کھالینا ہے۔ حکمت میرا کلام ہے۔ مٹی میرا بستر ہے۔ تقویٰ میرا زادراہ ہے۔ چپ رہنا میرا مال غنیمت ہے۔ صبر میرا معتمر ہے۔ توکل میرا حسب ہے۔ عقل میری رہبر ہے۔ عبادت میرا پیشہ ہے اور جنت میرا گھر ہے۔

خدا کے بندے! مسیح نے فرمایا ہے میں تین شخصوں پر تعجب کرتا ہوں۔ اول ایسا غافل کہ جس سے غفلت نہیں کی گئی۔ دوسرے دنیا کا وہ طالب کہ موت اس کی جستجو میں ہو۔ تیسرا وہ محلوں کا بنانے والا جسکے رہنے کی جگہ قبر ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے وعظ و نصیحت کے بعد یوقنا کو ایک دستہ دے کر قلعہ آعزاز پر فوج کشی کیلئے روانہ کیا۔ جب یہ لشکر روانہ ہو کر چند میل تک چلا گیا تو آپ نے حضرت مالک بن اشتر نخعی رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار سوار دے کر یوقنا کے لشکر کے پیچھے پیچھے روانہ کر دیا۔ قلعہ آعزاز یوقنا کے جنگی چالوں اور مکر و فریب سے بہت آسانی کے ساتھ فتح ہوا۔ وہاں کا حاکم دراس اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا

اور بیٹا مع پورے خاندان کے مسلمان ہو گیا۔

مالک بن اشتر نخعیؒ نے حضرت سعید بن عمروؓ کو آعزاز پر حاکم مقرر کر کے مال غنیمت سمیت حلب واپس آ گئے اور امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ ابوعبیدہ بن جراحؓ نے سجدہ شکر ادا کر کے امیر المؤمنین عمرؓ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال فرمایا جس میں حلب اور آعزاز کی خوشخبری دی۔ نیز آپ نے حلب کے حاکم یوقنا کے مسلمان ہونے اور مسلمانوں کی نصرت کا بھی ذکر کیا۔ آپ نے امیر المؤمنین عمرؓ کو یہ بھی بتایا کہ میرا ارادہ انطاکیہ کوچ کرنے کا ہے۔ امین الامت نے یہ خط حضرت اباح بن غانمؒ کو دے کر مال غنیمت کے خمس کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔

☆☆☆

انطاکیہ شام کا ایک بڑا شہر اور دارالسلطنت تھا۔ شہنشاہ ہرقل نے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ہوا تھا۔ ہرقل اب وہاں موجود نہیں تھا بلکہ قسطنطنیہ چلا تھا۔ لیکن انطاکیہ میں اب بھی ہرقل کا نائب اور کثیر فوج جمع تھی۔ انطاکیہ شام کا آخری شہر تھا اس سے شام کی فتح مکمل ہو جاتی تھی۔ یہ شہر چونکہ ریاست شام کا آخری اور بڑا شہر تھا اس لئے توقع تھی کہ وہاں یرموک جیسا خونریز معرکہ ہو گا۔

ابوعبیدہ بن جراحؓ نے اپنے تمام سالاروں کو محتاط اور خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجاہدین اسلام کی اکثریت کو مدینہ سے نکلے ہوئے چار سال ہو گئے تھے اور وہ مسلسل لڑتے چلے آ رہے تھے۔ مجاہدین کو قرآن پاک کی چند آیات گھروں میں بیٹھنے نہیں دیتی تھیں۔

اور ان (کفار) سے لڑو اس وقت تک، جب تک کفر کا فتنہ ختم نہیں ہوتا۔

(الانفال: ۳۹)

اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے، چاہے تم تنگ دست ہو یا خوشحال۔

(التوبہ: ۴۱)

بے شک اللہ نے مسلمانوں کی جانیں اور مال بعوض جنت کے خرید لئے ہیں یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ (التوبہ: ۱۱۱)

ابوعبیدہ بن جراحؓ نے تمام سالاروں کو بلا کر انہیں وعظ و نصیحت کے بعد انطاکیہ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ انطاکیہ کے مستحکم ہونے کی ایک وجہ تو دفاعی فوج تھی جبکہ دوسری وجہ وہ قدرتی حصار تھا

جو اس شہر کے ارد گرد موجود تھا۔ اس شہر کو تین اطراف سے اونچے اونچے پہاڑوں نے گھیر لیا تھا۔ جہاں پہ پہاڑ کم یا بالکل نہیں تھے، وہاں پر رومیوں نے بڑے بڑے فصیل بنائے ہوئے تھے جو پہاڑوں سے کم نہ تھے۔ صرف ایک بحری راستہ تھا جس پر ایک مضبوط آہنی پل بنا ہوا تھا۔ اس پل کی حفاظت کے لئے رومیوں نے ہزاروں کی تعداد میں نفری تشکیل دی تھی تا کہ شہر کو ناقابل تسخیر بنایا جائے۔

واقدی لکھتے ہیں کہ جب اسلامی لشکر انطاکیہ کی حدود میں داخل ہوا تو امین الامت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو مختلف دستوں میں تقسیم کیا۔ سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تین ہزار کا ایک لشکر بطور ہراول کے روانہ کیا۔ پھر ان کے پیچھے رافع بن عمیرہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں دو ہزار سوار دے کر بھیجا۔ تیسرا دستہ جو تین ہزار جانباز پر مشتمل تھا، حضرت میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ کی کمان میں روانہ فرمایا۔ چوتھا دستہ حضرت مالک بن اشتر نخعی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا اور ان کو بھی تین ہزار کا لشکر دے دیا۔ امین الامت نے پانچواں لشکر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا اور جب یہ تمام دستے نکل چکے تو بقیہ لشکر لے کر آپ خود ان کے پیچھے چل پڑے۔ امین الامت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں عمرو بن معدیکرب، ذوالکلاع حمیری، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، عبداللہ بن عمر بن خطاب، ابان بن عثمان بن عفان، فضل بن عباس، ابوسفیان، کعب بن ضمرہ، راشد بن ضمرہ، ابولبابہ بن منذر رضوان اللہ عنہم اجمعین جیسے حضرات بھی شامل تھے۔

رومی لشکر انطاکیہ سے باہر بارہ میل کے فاصلے پر خیمہ زن تھا۔ رومی سالار نے یہ دانشمندی کی تھی کہ دریا کو اپنے پشت پر رکھا تھا۔ وہ واحد بحری راستہ جس پر ایک مضبوط آہنی پل بنا ہوا تھا وہ بھی رومیوں کے عقب میں تھا اور اس طرح انطاکیہ میں داخل ہونے کا راستہ روک لیا تھا۔

اسلامی لشکر کے سالار بھی یکے بعد دیگرے پہنچنا شروع ہو گئے اور رومی لشکر کے سامنے کچھ فاصلے پر خیمہ زن ہو گئے۔ فریقین ایک دوسرے کے حملے کے منتظر ہونے لگے۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ اسی اثنا میں جبلہ بن الایہم نے اپنی قوم میں سے ایک بہادر اور جنگجو شخص واثق بن مسافر غسانی کو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ جبلہ نے واثق بن مسافر کو بے پناہ مال و دولت اور حکومت کا لالچ دیا لہٰذا وہ فوراً روانہ ہو گیا اور سیدھا مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ روزانہ فجر کے بعد مدینہ سے باہر جنگل

کی طرف اس غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے کہ شاید ابوعبیدہؓ کا کوئی قاصد شام کے احوال بتانے آتا ہو۔ واثق بن مسافر غسانی آپ سے پہلے ہی جا کے ایک انصاری کے باغ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ امیرالمؤمنین اپنے معمول کے مطابق مدینہ سے باہر نکل پڑے اور جب دھوپ تیز ہوگئی تو اس باغ میں آ کے ایک درخت کے نیچے لیٹ کر سو گئے۔ غسانی نے آپ کو سوتا ہوا دیکھ کر اپنے خنجر کو نکال لیا اور امیرالمؤمنین کی طرف بڑھنے لگا۔ جوں ہی وہ آگے بڑھا اچانک ایک شیر آتا ہوا دکھلائی دیا اور امیرالمؤمنین کے گرد گھوم کر آپ کے قدموں میں بیٹھنے لگا۔ جب تک امیرالمؤمنین بیدار نہ ہوئے اس وقت تک آپ کی برابر حفاظت کرتا رہا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی شیر جنگل کی طرف چل پڑا۔

غسانی یہ منظر دیکھ کر امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا عمرؓ! خدا کی قسم! کائنات آپ کی حفاظت کرتی ہے، درندے آپ کا پہرہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ تمام قصہ سنایا اور آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوگیا۔

دوسری طرف انطاکیہ سے باہر فریقین نے صف بندی کی ہوئی تھی۔ امین الامت ابوعبیدہؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر ہر سالار کو جنگی وعظ اور اپنے مقام پر ڈٹے رہنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے رومیوں کی طرف سے نسطاروس بن روبیل جو ایک بہادر سالار اور سر تا پاؤں لوہے میں ملبوس تھا، مبارزت کے لئے دعوت دی۔ مسلمانوں کی طرف سے دامس ابوالہول میدان جنگ میں نکل پڑے۔ ایک نے دوسرے پر حملہ کیا۔ دونوں سالار فن حرب وضرب کے کمالات دکھانے لگے مگر دامس ابوالہول کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور آپ پشت کے بل زمین پر گر پڑے۔ نسطاروس نے فوراً آپ کو جکڑ کر گرفتار کرلیا اور اپنے سپاہیوں کے سپرد کر کے پھر میدان میں چکر لگانے لگا۔

اسلامی لشکر سے حضرت ضحاک بن حسان طائیؓ اس کے مقابلے کے لئے بڑھے۔ حضرت ضحاک بن حسان شکل وصورت میں خالد بن ولیدؓ کے مشابہ تھے لہٰذا رومی انہیں خالد بن ولیدؓ سمجھ بیٹھے۔ اہل انطاکیہ کو اپنے سالار اور خالد بن ولیدؓ کے آپس میں انفرادی لڑائی کا نہایت اشتیاق تھا حتیٰ کہ دامس ابوالہول کو جن سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا تھا انہیں بھی دامس کا خیال تک نہ رہا اور خیمے سے باہر آ کر فنون حرب وضرب کے کمالات دیکھنے لگے۔

نسطاروس اور ضحاک بن حسانؓ کے مابین برابر جنگ جاری رہی مگر دونوں حریف اپنے

دشمن پر غالب نہ آسکے بالآخر دونوں لڑائی سے چور ہو کر جدا ہوئے اور اپنے لشکر کی طرف لوٹے۔ نسطاروس جب اپنے خیمے میں پہنچا تو اپنے تین سپاہیوں کو قتل پایا جبکہ دامس ابوالہول اب وہاں موجود نہیں تھا۔

ہوا یہ تھا کہ جب دامس ابوالہول نے سپاہیوں کو غافل پایا تو انہیں قتل کر کے نسطاروس کے کپڑے پہنے اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر رومیوں کے لشکر میں جا گھسے تھے۔ وہاں جا کر جبلہ بن الایہم کے چچیرے بھائی حازم بن عبد یعوث کو قتل کر ڈالا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اسلامی لشکر کی طرف بھاگ نکلے۔ دامس ابوالہول نے پورا ماجرا حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے سامنے بیان کیا۔ امین الامت نے آپ کے لئے دعا خیر کی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جبلہ بن الایہم کو اپنے چچیرے بھائی کے قتل پر سخت صدمہ ہوا لہٰذا اس نے اگلے دن مسلمانوں پر متفقہ حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جب صبح ہوئی فریقین کا لشکر مرتب ہوا اور رومیوں نے یکبارگی کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ امین الامت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اسلامی سالاروں کو حملے کا حکم دیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر حملہ کیا۔ آپ کے بعد سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور میسرہ بن مسروق عبسی رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا۔ پھر مالک بن اشتر نخعی رضی اللہ عنہ اور رافع بن عمیرہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کر دیا۔ ان چار سالاروں کے دستوں نے رومیوں کو بکھر جانے پر مجبور کر دیا۔

جب رومیوں کی جمعیت بکھرنے لگی تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مع عمرو بن معدیکرب، ذوالکلاع حمیری، عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ رومیوں کے ایک پہلو پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید اور تیز تھا کہ رومیوں کے پیر اُکھڑ گئے اور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ رومیوں میں ایسی افراتفری مچ گئی کہ بعض پل کے ذریعے دریا پار کرنے کی بجائے دریا میں کود گئے اور بہت کم لوگ جان بچانے میں کامیاب ہو کر انطاکیہ کے قلعے میں پناہ لی۔

رومیوں کے اس جنگ میں اجنادین اور یرموک کے بعد سب سے زیادہ جانی نقصان ہوا تھا۔ واقدی کے مطابق ستّر ہزار رومی قتل ہو گئے تھے جن میں بارہ ہزار نصرانی عرب تھے جو جبلہ بن الایہم کی نگرانی میں لڑنے آئے تھے جبکہ تیس ہزار آدمی گرفتار ہوئے تھے۔ رومیوں کی شکست کے بعد مسلمان آہنی پل کے ذریعے انطاکیہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں کی

اتنی جانی نقصان ہوئی کہ قلعے میں فوج برائے نام رہ گئی تھی۔ ابوعبیدہ نے اہل انطاکیہ کو قلعے کے دروازے کھولنے اور صلح کیلئے پکارا۔ آخرکار رومیوں نے بے بس ہو کر ایک ایلچی کو باہر بھیجا اور صلح کی شرائط طے کرنے لگے۔ طے یہ پایا گیا کہ جو رومی جزیہ دینا چاہتے ہیں وہ انطاکیہ ہی میں رہیں اور جو جزیہ نہیں دیتے وہ جلاوطن ہو کر کسی اور طرف چلے جائیں۔

امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ایسی حالت میں انطاکیہ داخل ہوگئے کہ سورۃ فتح کی قرآت کرتے ہوئے، دائیں طرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور بائیں طرف میسرہ بن مسروق عبسی رضی اللہ عنہ تھے۔ رومیوں کا آخری اور سب سے بڑا شہر بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ شام کی فتوحات کا سلسلہ فرات سے جاملا اور اسی طرح عراق اور شام کی فوجیں ایک دوسرے کے قریب ہوگئیں۔ شام پر مسلمانوں کا قبضہ مکمل ہو گیا تھا اور وہاں رومیوں کا دخل بالکل ختم ہو گیا تھا۔

میسرہ بن مسروق عبسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پورے ارض شام میں ہم نے انطاکیہ کو نہایت پاک وصاف دیکھا۔ یہاں کی آب وہوا نہایت عمدہ اور خوشگوار تھی اور تمام مسلمانوں کو یہ شہر بہت پسند آیا لیکن امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس خوف سے کہ مسلمان عیش وعشرت میں مبتلا نہ ہوجائیں، یہاں سے کوچ کا حکم دیا اور مسلمانوں نے یہاں صرف تین دن قیام کیا۔

☆☆☆

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فتح انطاکیہ کی خبر اور مال غنیمت دربار خلافت میں روانہ فرمایا اور لشکر اسلام کے اگلے لائحہ عمل اور کوچ کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے اگلے لائحہ عمل اور کوچ کو امیر الامراء ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دیا کہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ اگر لشکر کو آرام کی ضرورت ہے تو انہیں آرام دیا جائے یا بصورت دیگر لشکر کے دیگر سالاروں سے مشورہ کیجیے۔

پیغام ملنے پر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے سالاروں کو بلایا اور انہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے مطابق ہم شام کے مالک ہو گئے ہیں۔ اب میرا ارادہ شام کی انتہائی حدود جو ایک پہاڑی علاقہ ہے، اس کی طرف کوچ کا ہے۔ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ سب سے پہلے میسرہ بن مسروق عبسی رضی اللہ عنہ نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور فرمایا اے ہمارے محترم امیر! ہم ملک شام میں تجارت یا کسی اور غرض سے نہیں آئے ہیں۔ ہم صرف اور صرف جہاد فی سبیل اللہ

کی غرض سے گھروں سے نکلے ہیں۔ہم آپ کے محکوم ہیں۔آپ حکم فرمائیں، بجالانا ہمارا کام ہے۔

امین الامت آپ کی ہمت اور شجاعت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور تین ہزار کا ایک لشکر جرار الگ کر کے انہیں میسرہ بن مسروق عبسیؓ کی قیادت میں روانہ فرمایا۔اسکے بعد آپ نے ایک ہزار غلاموں کو منتخب کر کے ان پر دامس ابوالہول کو امیر مقرر فرمایا اور انہیں تاکید کی کہ تم اور تمہارا لشکر میسرہ بن مسروقؓ کے زیر کمان ہوگا۔ان کا ہر حکم بجالاؤ۔دامس ابوالہول نے فرمایا مجھے بسرو چشم قبول ہے۔اسلامی لشکر قورس سے گزر کر پہاڑوں اور دروں کی طرف نکل پڑا۔فتوح الشام میں واقدی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عبیدہؓ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بھی حضرت میسرہ کے لشکر میں تھا۔ہم بلند پہاڑوں اور دروں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔تین دن اور تین رات مسلسل ہم ان تنگ راستوں اور پہاڑوں میں چل رہے تھے۔یہ راستے اتنے تنگ اور خطرناک تھے کہ ہم اپنے گھوڑوں سے اتر کر پیادہ پا چلنے لگے۔ہمارے موزے اور جوتے گھس گھس کر اڑ گئے تھے اور پیر لہولہان ہوگئے تھے۔آخر خدا خدا کر کے چوتھے دن ہم ایک وسیع اور کشادہ مقام پر پہنچ گئے۔ جب ہم روانہ ہو رہے تھے تو شروع گرمی کا موسم تھا لیکن جب یہاں پہنچے تو ہر طرف پہاڑوں پر برف ہی برف تھی۔ہمیں بہت زیادہ سردی محسوس ہونے لگی۔سب سے زیادہ سردی دامس ابوالہول کو لگ رہی تھی کیونکہ انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان شہروں کے رہنے والوں کا برا کرے، گرمیوں میں جب ان کے یہاں اتنی سردی ہوتی ہے تو سردیوں میں کس قدر پڑتی ہوگی۔میسرہ بن مسروق عبسیؓ نے اپنے کپڑے اتار کر انہیں دے دیئے۔

عبدالرحمن بن عبیدہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے یہاں پڑاؤ ڈال کر آرام کیا اور جب سارا لشکر یہاں جمع ہو گیا تو پھر یہاں سے کوچ کیا۔راستے میں ہم نے چند گاؤں ایسے دیکھے کہ وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔بعد میں پتہ چلا کہ یہ لوگ ہمارے ڈر کی وجہ سے بھاگ گئے تھے۔

اسلامی لشکر پانچ دن کی مسافت کے بعد ایک وسیع وعریض چراہ گاہ میں پہنچ گیا۔اس چراہ گاہ کا نام مرج القبائل تھا۔اسلامی لشکر یہاں خیمہ زن ہو گیا اور چند جاسوسوں کو آگے روانہ کیا۔چند گھنٹوں بعد ایک مسلمان جاسوس ایک رومی کو پکڑ لائے جس سے پتہ چلا کہ شہنشاہ ہرقل نے قسطنطنیہ سے تیس ہزار کا لشکر شام کی سرحدوں پر مامور کیا ہے تا کہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکے رکھے۔جاسوس نے

یہ بھی بتایا کہ رومی لشکر یہاں سے چار پانچ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر پریشانی کی حالت میں سر جھکا لیا اور بالکل خاموش ہو گیا اور دل ہی دل میں یہ سوچ لیا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ جائے کیونکہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو ہدایت کی تھی کہ زیادہ دور نہ جانا اور لشکر کو ہلاکت میں بھی نہ ڈالنا۔ اسلامی لشکر میں مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارا امیر دشمن کی کثرت کی وجہ سے کیوں اتنا پریشان لگ رہا ہے۔ حالانکہ ہم میں سے ایک ایک شخص رومیوں کے ہزار ہزار آدمیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم، میں نے کسی خوف یا دہشت کی وجہ سے سر نہیں جھکایا لیکن امین الامت کی ہدایات پر سوچ رہا ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے لشکر کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا تھا۔ اب اگر ایسی حالت میں یہ لوگ خدانخواستہ میرے نشان کے نیچے مصیبت میں مبتلا ہو گئے تو میں اپنے امیر کو کیا جواب دوں گا۔

مسلمان یک زبان ہو کر کہنے لگے : واللہ ہمیں اپنی موت کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہم نے اپنی جانوں کو جنت کے عوض فروخت کر دیا ہے۔ میسرہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوش ہوئے اور رومیوں سے لڑنے کا فیصلہ کر دیا۔ اسلامی لشکر جنگی تیاریاں کر رہے تھے کہ رومیوں کا لشکر کثیر مرج القبائل میں آتا ہوا دکھائی دیا یہ چونکہ رات کا وقت تھا لہٰذا فریقین نے صبح کا انتظار کر لیا۔

صبح ہوئی تو فریقین نے صف بندی کی۔ میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ نے حسب معمول لشکر کو میمنہ، میسرہ اور قلب میں تقسیم کیا۔ رومیوں نے اپنے لشکر کی تین صفیں بنائیں اور ہر صف کی تعداد دس ہزار تھی۔ یعنی اسلامی لشکر کے چار ہزار مجاہدین دشمن کے تیس ہزار فوج کے مدمقابل ہو گئے۔ اسلامی لشکر سے دامس ابوالہول صفوں کے آگے آگئے اور اپنے مدمقابل کو للکارا۔ ایک رومی سردار آپ کے مقابلہ میں نکلا۔ دامس ابوالہول نے پہلے وار میں ایک ایسا نیزا مارا کہ رومی زمین پر گر کر مرا۔ اسکے بعد ایک دوسرا رومی بڑبڑاتے ہوئے نکلا لیکن وہ بھی زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرا اور دامس ابوالہول کے نیزے کی نذر ہو گیا۔ رومی یہ دیکھ کر خوف زدہ ہوئے کہ عربوں کے غلاموں کا یہ حال ہے تو انکے سرداروں کا کیا حال ہوگا۔

رومیوں نے انفرادی مقابلے میں اپنے دو سالاروں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو پورے لشکر

سے یکبارگی کے ساتھ حملہ کیا۔ میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ نے بھی حملے کا حکم دیا اور ایک خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔ رومیوں نے اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے مسلمانوں کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اکثر اسلامی سالاروں اور مجاہدین کو انفرادی طور پر دس دس اور بیس بیس رومیوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔لیکن اس کے باوجود بھی وہ خوب بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کی حالت دیکھی تو زور زور سے پکارنے لگے۔ یا معاشر العرب! اپنی تلواروں کی میان توڑ کر پھینکو اور جنت کی طرف دوڑو۔ حضرت زید بن وہب سے روایت ہے کہ تمام مسلمانوں نے اپنی میانوں کو توڑ کر پھینکا۔ اسی لئے اس جنگ کا نام جنگ حطمہ بھی رکھا گیا۔

مرج القبائل کے پہلے روز کی لڑائی میں مسلمانوں کے پچاس افراد شہید ہوئے تھے جبکہ رومیوں کے تین ہزار سے زائد افراد قتل ہوئے تھے۔ جب رات ہوگئی تو میسرہ بن مسروق نے سالاروں سے مشورہ کیا کہ کسی آدمی کو امین الامت کی خدمت میں بھیج دیا جائے تا کہ ہمیں مزید کمک بھیجیں۔ سالاروں نے آپکے مشورے کی تائید کی اور ایک معاہدی رومی کو ایک تیز رفتار گھوڑے پر روانہ کیا۔ قاصد کے دن رات مسلسل چلنے سے وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا سنایا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر نہایت پریشان ہوئے اور فوراً خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے میں پہنچ کر انہیں آگاہ کر دیا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو غمزدہ دیکھ کر فرمایا، امین الامت! خالد نے اپنے آپ کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کر دیا ہے ممکن ہے اللہ مجھے جام شہادت نصیب فرمائے، یہ کہہ کر آپ نے لشکر کو مسلح ہونے کا حکم دیا اور اپنے ساتھ تین ہزار سوار منتخب کر کے روانہ ہو گئے۔

مؤرخ واقدی لکھتے ہیں کہ جب امین الامت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد کو روانہ فرمایا تو آپ سجدہ میں گر پڑے اور اللہ سے گڑ گڑاتے ہوئے یہ دعا مانگی۔

"الہ العالمین! میں آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ آپ خالد اور ان کے لشکر کیلئے راستہ کو لپیٹ دیجیے اور انہیں اپنے بھائیوں کی مدد کیلئے جلد از جلد پہنچا دیجیے۔"

دوسری طرف حضرت میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ روزانہ رومیوں سے لڑتے اور شام کو لڑائی سے الگ ہوتے۔ رومیوں کی ہزاروں نفری قتل ہوگئی تھی۔ ایک روز لڑائی کیلئے رومیوں کا سالار اور ہرقل کا مصاحب خاص خلیص بن جریح مقابلہ کیلئے نکلا اور اپنے مدمقابل کو للکارنے لگا۔ مسلمانوں کی طرف

سے قبیلہ نخع کا ایک بہادر نکلا۔ دونوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ میسرہ بن مسروق رضؓ نے دیکھا کہ رومی کا پلہ بھاری ہے تو انہوں نے اس پر رحم کھا کے فرمایا اے نخعی بھائی! اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں نہ ڈالو اور پیچھے آجاؤ۔ قبیلہ نخعی کا یہ جوان پیچھے لوٹا مگر رومی سردار نے ان کا تعاقب کیا اور آپ کو قتل کرنا چاہا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کے میمنہ کے سالار عبداللہ بن حذافہ سہمی رضؓ اس رومی کی طرف دوڑے اور حملہ آور ہوئے

۔

دونوں کے مابین موت اور زندگی کا معرکہ شروع ہوگیا۔ دونوں برابر ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے۔ لڑائی طول پکڑتی گئی بالآخر آپ نے تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ سیدھا رومی کے گلے پر لگا اور رومی کا سر کٹ کر جدا ہوگیا۔ اس سردار کے قتل پر رومیوں کا سالار اعلیٰ سخت برہم ہوا اور میدان جنگ میں نکل کر عبداللہ بن حذافہ کو مقابلہ کیلئے للکارا۔ رومی سالار بڑبڑاتا ہوا گھوڑے کو دوڑا رہا تھا کہ میں خلیص کا انتقام ضرور لوں گا۔

عبداللہ بن حذافہ رضؓ نے آگے بڑھ کر اجازت چاہی۔ میسرہ بن مسروق رضؓ نے آپ کو منع کرنا چاہا کہ آپ بہت تھک چکے ہیں لہٰذا مجھے جانے دیجیئے۔ عبداللہ بن حذافہ نے فرمایا اے ہمارے امیر! رومی میرا نام لے کر مجھے پکار رہا ہے اور آپ مجھے منع کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم، میرے سوا اس کے مقابلہ کیلئے کوئی شخص نہیں نکل سکتا، یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے اور رومی پر حملہ کر دیا۔ دونوں برابر ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے۔ رومی سالار نے موقع پا کر آپ کی طرف بڑھا اور انہیں بازوں میں پکڑ کر گرفتار کرلیا اور اپنے لشکر کے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ انہیں باندھ کر شہنشاہ ہرقل کے پاس لے جاؤ کہ یہی آپ کے مصاحب خاص کا قاتل ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ رومیوں نے عبداللہ بن حذافہ کو زنجیروں میں باندھ کر شہنشاہ ہرقل کے پاس قسطنطنیہ روانہ کیا۔ میسرہ بن مسروق کو اپنے ساتھی کے گرفتار ہونے پر سخت قلق پہنچا اور اپنا عَلم حضرت سعید بن زید رضؓ کے حوالہ کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ آپ نے شیر کی طرح رومی سردار پر حملہ کر دیا۔ آپ کی تلوار میں ایک خاص قسم کا غضب موجود تھا۔ دونوں سالار فن حرب وضرب کے ماہر تھے۔ دونوں لڑائی کے غبار میں غائب ہوگئے تھے۔ فریقین اپنے اپنے سالاروں کی فتح ونصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے کہ اچانک اسلامی لشکر کے عقب سے ایک گرد وغبار نمودار ہوا اور اس میں ایک آواز

سنائی دے رہی تھی۔

انا فارس الضدید۔۔۔ انا خالد بن ولید

یہ خالد بن ولید کا لشکر تھا جو نہایت سرعت کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کیلئے روانہ ہوا تھا۔ لشکر کے پہنچتے ہی مسلمانوں نے نعرے بلند کئے۔ رومی سالار نے خوف کے مارے اپنے بازوں پر تلوار مار کر انہیں کاٹا اور چیختا چلاتا ہوا اپنے لشکر کی طرف بھاگا۔ حضرت خالدؓ کے پہنچنے سے رومیوں کے دلوں میں خوف بڑھ گیا اور انہوں نے لڑائی کو موقوف رکھنے کیلئے ایک پادری کو بھیجا۔ خالدؓ نے صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم تین باتوں کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اسلام، جزیہ یا جنگ۔ رومیوں کا سالار اعلیٰ بازوؤں کے کٹ جانے سے سخت پریشان تھا۔ اُس نے اپنی فوج کو رات کے وقت خیموں پر آگ روشن کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی تمام فوج کو نہایت چپکے سے بھاگ جانے کا حکم دیا

۔

صبح ہوئی تو رومیوں کا کوئی بھی فرد موجود نہیں تھا بلکہ ملک شام کی سرحدوں سے نکل کر سلطنت روم کے بقیہ حصہ میں بھاگ چکا تھا۔ مسلمانوں نے رومیوں کا سارا چھوڑا ہوا مال اکٹھا کر کے واپسی کا ارادہ کرلیا۔

اگرچہ خالد کا ارادہ دشمن کے تعاقب کا تھا لیکن میسرہ بن مسروقؓ اور دوسرے سالاروں نے انہیں تعاقب کرنے سے منع کر دیا اور جابیہ کی طرف واپس لوٹے۔ ابو عبیدہؓ فتح کی خوشخبری سن کر بہت خوش ہوئے لیکن جب آپ کو عبداللہ بن حذافہؓ کی گرفتاری کا علم ہوا تو انہیں سخت صدمہ ہوا اور امیر المؤمنین عمرؓ کے دربار خلافت میں فتح کی خوشخبری نیز عبداللہ بن حذافہؓ کی گرفتاری کا بھی لکھا۔ امیر المؤمنین نے ہرقل کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے واضح الفاظ میں لکھا کہ خط موصول ہوتے ہی میرے بھائی عبداللہ بن حذافہ کو میرے پاس بھیج دو۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو میں تم پر ایک ایسے فوج کو مسلط کروں گا جسے ذکر اللہ سے نہ تجارت روکتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس وقت عبداللہ بن حذافہؓ ہرقل کے دربار میں حاضر ہوا تو ہرقل کو آپ کے شان و شوکت سے معلوم ہوا کہ آپ ایک شریف زادے اور مسلمانوں کے سالار ہیں۔ ہرقل نے عبداللہ بن حذافہؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم کون ہو؟ آپ نے جواب دیا میں قبیلہ قریش کا

ایک مسلمان ہوں۔ ہرقل نے کہا کیا اپنے نبی کے گھرانے اور خاندان سے ہو؟ آپ نے کہا نہیں۔ ہرقل نے کہا ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ تا کہ میں اپنے سرداروں میں سے ایک سردار کی لڑکی سے تمھارا نکاح کر دوں اور اپنے مصاحبین میں داخل کرلوں۔ نیز آپ کو بے پناہ مال و دولت اور جواہرات سے مالا مال کر دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہؓ نے کہا رب کعبہ کی قسم، اگر تو مجھے اپنی اور اپنی تمام اقوام کی بادشاہت بھی بخش دے تب بھی میں کبھی دین اسلام سے نہ پھروں گا۔ ہرقل یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور کہا اگر تم ہمارے دین میں داخل نہ ہوئے تو میں بری طرح تمھیں قتل کروں گا۔ عبداللہ بن حذافہؓ نے کہا اگر تو میرا ایک ایک عضو کاٹ لے اور آگ میں بھی جلا دے تب بھی میں اپنا مذہب ترک نہیں کروں گا۔ ہرقل نے کہا اگر تم قید سے چھوٹنا چاہتے ہو تو سور کا گوشت کھالو یا شراب کا ایک گھونٹ بھرلو۔ آپؓ نے جواب دیا میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔

جب ہرقل کی ہر تدبیر ناکام ہوئی تو اپنے خادمین کو حکم دیا کہ اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر کے اس کے پاس سور کا گوشت اور شراب رکھ دو۔ جب بھوک پیاس لگے گی تو خود اسے کھائے پیئے گا۔

عبداللہ بن حذافہؓ سے روایت ہے کہ ہرقل نے مجھے چوتھے روز اپنے پاس بلا لیا اور اپنے خادمین سے پوچھنے لگا کہ اس نے اس گوشت اور شراب میں سے کچھ کھایا پیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس نے انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا اور ویسے کا ویسا پڑا ہے۔ پھر ہرقل نے مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا اے عربی! کس چیز نے آپ کو روکے رکھا ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ناراضگی کے خوف سے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ہم پر حرام کر دیا ہے اور اگرچہ تین دن کے فاقہ کے بعد ہمیں کھانے کی اجازت دے دی ہے مگر میں نے ملحدوں کے لعن وطعن کی وجہ سے اسے چوتھے دن بھی ہاتھ نہیں لگایا۔

عبداللہ بن حذافہؓ کے اس جواب نے ہرقل کو نہایت متاثر کر دیا اور کہنے لگا: اے عربی کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم میرے پیشانی کا بوسہ لے لو اور میں تمھیں چھوڑ دوں؟ آپؓ نے جواب دیا ہاں! مگر ایک شرط پر۔ ہرقل نے کہا کون سی شرط؟ آپؓ نے فرمایا یہ کہ میرے ساتھ قید تمام مسلمانوں کو چھوڑ دو گے۔ ہرقل نے کہا مجھے تیری یہ شرط منظور ہے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا : یااللہ! میں تیرے دشمن کے سر کا بوسہ لے رہا ہوں لیکن یہ کام میں محض اپنے قید مسلمان بھائیوں کی بھلائی کے لئے کر رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ہرقل کی پیشانی کا بوسہ لیا جس کے بدلے ہرقل نے تمام مسلمان قیدی رہا کر دیئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہرقل نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو نہایت باعزت طریقے سے رخصت کیا۔ نیز آپ کو شام کی حدود تک پہنچانے کے لئے اپنے ایک دستے کو بھی ساتھ بھیجا اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے لئے ایک بیش قیمت موتی ہدیۃً پیش کیا۔

رہائی کے بعد عبداللہ بن حذافہؓ سیدھا اسلامی لشکر میں پہنچے۔ اسلامی لشکر کے امیر حضرت ابوعبیدہؓ بن جراحؓ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا اور آپ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ عبداللہ بن حذافہؓ جب دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہؓ کے سر کا بوسہ لے اور سب سے پہلے بوسہ میں لیتا ہوں۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے کھڑے ہو کر ان کے سر کا بوسہ لیا اور پھر فرداً فرداً تمام حاضرین نے ایسا ہی کیا۔

☆☆☆

مسلمانوں نے شام میں اپنی نوزائیدہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ امیر المؤمنین نے شام کے مختلف صوبوں پر اپنے حاکم مقرر کیے اور فوجی مراکز اور چھاونیاں بنائی۔ حضرت خالد بن ولید کو قنسرین کا حاکم بنایا دمشق کے حاکم یزید بن ابوسفیان مقرر ہوئے۔ اردن کے حاکم امیر معاویہ اور فلسطین کے حاکم علقمہ بن مجززؓ تھے۔ حمص کے حاکم امین الامت ابوعبیدہ بن جراحؓ مقرر ہوئے۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے تمام سالار اور حاکم ابوعبیدہ بن جراحؓ کے زیر قیادت رکھے۔ دور فاروقی میں ملک شام میں جتنی بھی اصلاحات ہوئیں ان میں سے اکثر ابوعبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں۔

مسلمانوں نے خوشی اور فراغت کی زندگی بسر کرنا شروع کی کہ تقدیر نے انہیں دو انتہائی ہولناک مصیبتوں سے دوچار کر دیا۔ یہ مصیبتیں ۱۷ ہجری کے اواخر میں شروع ہو کر ۱۸ ہجری کے خاتمے تک مسلط رہیں۔ ان میں سے ایک مصیبت جزیرہ نمائے عرب میں قحط کی شکل میں مسلط ہوئی تھی۔ قحط کا سبب یہ ہوا کہ جزیرہ عرب میں مسلسل نو مہینے تک بارش کا ایک قطرہ نہیں برسا جس کی وجہ

سے کھیتیاں تباہ اور مویشی ہلاک ہوگئی۔ زمین بارش نہ ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو کر راکھ کی مانند ہوگئی تھی ہوائیں مٹی کو راکھ کی طرح اڑاتی تھی۔ اس لئے اس برس کا نام عام الرمادہ (خاک والا برس) پڑ گیا۔ اس سال میں بکریوں کے ریوڑ فنا ہوگئے۔ یہاں تک کہ ایک شخص بھیڑ کو ذبح کرتا تو اس کی بدہیتی کو دیکھ کر بھوک اور مصیبت کے باوجود چھوڑ کر چلا جاتا۔

امیر المؤمنین نے اہل عرب کو مصیبت میں دیکھ کر شام کے حاکم اور عمال کے نام خطوط بھیجے کہ جلد از جلد اہل عرب کی مدد کیجیئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے سامان غذا سے لدے ہوئے چار ہزار اونٹ لے کر مدینہ پہنچے اور مدینہ کے قرب وجوار میں تقسیم کئے۔ جب آپ اس کام سے فارغ ہوگئے تو امیر المؤمنین نے آپ کو چار ہزار درہم دینا چاہے لیکن امین الامت نے صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا امیر المؤمنین! مجھے دنیاوی غرض کی طرف نہ کھینچئے۔ میں نے یہ کام کسی انعام واکرام کی خاطر نہیں کیا ہے۔ امیر المؤمنین نے جواب دیا یہ اپنے پاس رکھ لو، جب تم نے اسے طلب نہیں کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا اور میں نے بھی یہی کہا تھا لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر بخشش فرمائی۔ یہ سن کر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے وہ رقم لے لی اور شام کی طرف واپس چلے گئے۔

اس کے بعد دیگر عمال نے بھی مدینہ کی طرف غلہ بھیجنا شروع کیا لیکن اہل عرب پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ آخر کار امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز استسقاء کا فیصلہ کیا۔ نماز کی فراغت کے بعد ابھی واپس بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی موسلا دھار بارش برسائی کہ پیاسی زمین سیراب ہوگئی اور آہستہ آہستہ قحط ختم ہوگیا۔

جزیرہ عرب میں ابھی قحط پوری طرح ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ارض شام میں طاعون کی ایک جان لیوا وبا پھوٹ پڑی۔ یہ وبا فلسطین کے ایک شہر "عمواس" میں شروع ہوگئی تھی اور بڑی تیزی سے پورے شام اور عراق میں پھیل گئی۔

امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کو جب طاعون کا پتہ چلا تو سخت پریشان ہوئے اور مسلمانوں کے بارے میں سوچنے لگے۔ خاص طور پر امیر المؤمنین کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا بہت خیال تھا کہ کہیں وہ طاعون کی ضد میں آکر وفات نہ پا جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زندگی اس لئے بھی عزیز تھی کہ وہ انہیں اپنے بعد

خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے اور اس کا اظہار امیر المؤمنین نے موت کے وقت بھی کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ سے خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا اگر اس وقت ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو یہ خلافت میں ان کے حوالے کر دیتا اور مجھے اس پر بھروسہ بھی ہوتا۔ اس کے علاوہ امیر المؤمنین آپ کی قائدانہ صلاحیتوں اور تقویٰ کی وجہ سے بہت عزت کرتے تھے اور آپ کے ساتھ ایک دلی لگاؤ رکھتے تھے لہٰذا امیر المؤمنین نے حضرت ابوعبیدہؓ کے نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا۔

''آپ کو سلام ہو امابعد! مجھے آپ سے ایک ضروری کام پڑ گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق آپ سے بالمشافہ (زبانی بلاواسطہ) بات کروں۔ لہٰذا جب میرا خط پڑھیں تو فوراً میرے پاس آجائیں۔ امید ہے آپ امیر المؤمنین کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے''۔

اس خط کے ذریعے امیر المؤمنین نے ابوعبیدہ کو اس جان لیوا وبا سے نکالنا چاہا لیکن اپنے اس پیغام میں وبا کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ امین الامت ابوعبیدہؓ نے خط پڑھ کر حضرت عمرؓ کا مطلب سمجھ لیا کہ وہ انہیں وبا کی حدود سے نکالنا چاہتے ہیں تو آپ نے کہا اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو معاف فرمائیں۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ کی طرف خط لکھا۔

''یا امیر المؤمنین! مجھے آپ کے مقصد کا علم ہو گیا ہے لیکن میں اسلامی لشکر میں ہوں۔ جنہوں نے مجھے میدان جنگ میں نہیں چھوڑا اب میں کیسے انہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ میں ان سے اس وقت تک علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا جب تک اللہ میرے اور ان کے متعلق اپنا فیصلہ صادر نہ فرما دے۔ امیر المؤمنین میرے بارے میں اپنا ارادہ چھوڑ دیجیئے اور مجھے میرے لشکر میں رہنے دیجیئے''۔

حضرت عمرؓ یہ خط پڑھ کر رونے لگے۔ حاضرین نے پوچھا کیا ابوعبیدہؓ کا انتقال ہو گیا؟ حضرت عمرؓ نے آنسو سے گھٹی آواز میں جواب دیا۔ نہیں! مگر معلوم ہوتا ہے ہو جائے گا۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے ابوعبیدہ کو پیغام بھیجا کہ اپنے لشکر کو کسی بلند اور پرفضا مقام پر لے جاؤ۔

یہ تھی امیر المومنین عمرؓ کی ابوعبیدہ کے ساتھ محبت، اب دوسری طرف ابوعبیدہؓ حضرت عمرؓ کو کتنا چاہتے تھے، ابن سعد کی اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہ بن جراحؓ ایک دن امیر المومنین عمرؓ کا ذکر کر رہے تھے کہ اگر عمرؓ فوت ہو گئے تو اسلام کمزور ہو جائے گا۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے لئے وہ سب ہو جس پر آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے اور یہ کہ میں امیر

المومنین کے بعد زندہ رہوں۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کیوں؟ تو آپ نے فرمایا اگر تم لوگ عمرؓ کے بعد زندہ رہے تو عنقریب دیکھو گے کہ خلیفہ لوگوں سے وہی خراج وزکوٰۃ وصول کرے گا جو عمرؓ لیا کرتے تھے، لیکن لوگ اس میں بھی اس کی اطاعت نہیں کریں گے اور اسے برداشت نہیں کریں گے اور اگر وہ خلیفہ ان سے کمزور ہوگا تو لوگ اسے قتل کر دیں گے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب امیرالمؤمنین کا پیغام ملا تو امین الامت نے مجھے بلا کر فرمایا اے ابوموسیٰ! اسلامی لشکر کیلئے ایک پر فضا اور بلند جگہ تلاش کیجیئے تا کہ پورے لشکر کو وہاں پر لے جائیں۔ پس میں اپنے گھر آیا تا کہ سفر کی تیاری کروں تو میں نے اپنی بیوی کو وباء کی وجہ سے مردہ پایا۔ میں نے واپس آ کر ابوعبیدہؓ کو اطلاع دی آپ نے اونٹ کو تیار کرنے کا حکم دیا اس کے بعد جونہی آپ نے رکاب میں پاؤں رکھا تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم، مجھے بھی طاعون ہوگئی اور آپ طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ جب آپ کی موت کا وقت آیا تو آپؓ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو امیر لشکر مقرر کیا اور فرمایا:

''میں تمہیں ایسی نصیحت کرتا ہوں اگر تم اسے قبول کر لو تو ہرگز خیر سے محروم نہیں رہو گے۔ نماز قائم کرو، رمضان کے روزے رکھو، صدقہ کرو، حج وعمرہ کرو۔ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کرو۔ بلاشبہ اگر کوئی شخص ہزار سال جی لے تو بھی موت اسے پچھاڑ دے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے مقدر میں موت لکھ دی ہے۔ تم میں سب سے بڑا دانا شخص وہ ہے جو اپنے رب کا سب سے زیادہ اطاعت گزار ہو، آخرت سے زیادہ خبردار ہو۔ اللہ کی تم پر سلامتی اور رحمت ہو۔ اے معاذ! لوگوں سے صلہ رحمی کرتے رہنا۔''

تقریباً تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب ارض شام میں وبا پھیل گئی تو ابوعبیدہؓ نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی۔

''اے لوگو! بلاشبہ یہ وبا تمہارے واسطے رحمت اور تمہارے نبی ﷺ دعا ہے اور تم سے پہلے صالحین کی موت ہے۔ ابوعبیدہؓ اللہ سے دعا گو ہے کہ وہ اسے اس میں سے حصہ دے دیں''۔

ابوقلابہ عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ مجھے ابوعبیدہؓ کی اس بات پر حیرت تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے کیسے اپنی امت کیلئے اس وبا میں وفات پانے والوں کیلئے دعا کی تھی۔ تو مجھے معتبر راویوں سے

معلوم ہوا کہ ایک دن جبریل امینؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشنگوئی دی تھی کہ تمہاری امت طاعون سے فنا ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دعا مانگی تھی۔

''اے اللہ وہ طاعون سے فنا ہو''

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ امین الامت کا اشارہ اس حدیث کی طرف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون میں وفات پانے والوں کیلئے شہادت اور جنت کی دعا مانگی تھی۔

دنیائے اسلام کا یہ عظیم سالار، امت کا امین، امیر الامراء سیدنا حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ ۱۸ ہجری بمطابق ۶۳۹ء جابیہ کے مقام پر اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔۔۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔۔۔

حضرت ابوسعید مقبری سے روایت ہے کہ جنازہ سے پہلے معاذ بن جبلؓ لوگوں میں کھڑے ہو کر فرمانے لگے:

''اے لوگو! آج تمہیں ایک ایسے آدمی کے جانے کا رنج و صدمہ ہوا ہے کہ خدا کی قسم میں نے کوئی ایسا اللہ کا بندہ نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ کینے سے پاک ہو اور ان سے زیادہ نیک دل اور ان سے زیادہ شر و فساد سے دور رہنے والا اور ان سے زیادہ آخرت سے محبت کرنے والا اور ان سے زیادہ تمام لوگوں کی بھلائی چاہنے والا ہو۔ لہٰذا ان کیلئے دعائے رحمت کرو اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے باہر میدان میں چلو۔ خدا کی قسم، آئندہ ان جیسا تمہارا کوئی امیر نہیں ہوگا۔ معاذ ابن جبلؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ معاذ ابن جبلؓ، عمرو بن العاصؓ اور ضحاک بن قیسؓ نے آپ کو بغلی قبر میں اتارا۔ قبر میں مٹی ڈالنے کے بعد معاذ ابن جبلؓ آپ کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمانے لگے:

''اے ابوعبیدہؓ! میں تمہاری ضرور تعریف کروں گا اور اس تعریف کرنے میں کوئی غلط بات نہیں کہوں گا کیونکہ غلط بات کہنے سے مجھ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندیشہ ہے۔ اللہ کی قسم، جہاں تک میں جانتا ہوں آپ ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتے تھے اور جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے تھے اور جو جہالت کی بات کا ایسے جواب دیتے جس سے شر ختم ہو جاتا اور مال خرچ کرنے میں آپ نہایت اعتدال سے کام لیتے تھے۔ اللہ کی قسم، آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو دل سے اللہ کی طرف جھکنے والے اور تواضع کرنے والے ہیں۔ یتیم اور مسکین پر رحم کرنے والے اور خائن

اور متکبر قسم کے لوگوں سے بغض رکھنے والے تھے''۔

اس جان لیوا وبا میں پچیس ہزار سے زائد مسلمان وفات پا گئے۔جن میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے علاوہ معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ، یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ، حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ، سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن سہیل رضی اللہ عنہ جیسے سینکڑوں اکابر صحابہ بھی شامل تھے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو جابیہ کے مقام پر دفن کیا گیا جو آج کل اردن کا حصہ ہے۔اردن کے شہر ''الغور'' میں ایک خوبصورت مسجد ہے اس مسجد کا نام جامع مسجد ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہے۔دنیائے اسلام کا یہ عظیم سالار اور امت کا امین اسی مسجد کے ایک کونے میں مدفون ہے۔

تمت بالخیر

ماخذ ومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنّف	مطبع	سن طباعت
۱	قرآن پاک	کلام باری تعالیٰ		
۲	تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع	مکتبہ معارف القرآن	
۳	شمشیر بے نیام	عنایت اللہ	علم وعرفان پبلشرز لاہور	
۴	فتوح الشام	ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقدی	المیزان لاہور	۲۰۰۴
۵	الرحیق المختوم	صفی الرحمٰن مبارکپوری	المکتبۃ السّلفیہ لاہور	۲۰۰۲
۶	تاریخ ابن کثیر البدایہ والنہایہ	ابوالفدا اعماد الدین ابن کثیر	نفیس اکیڈمی کراچی	۱۹۸۷
۷	تاریخ طبری	ابی جعفر محمد بن جریر الطبری	نفیس اکیڈمی کراچی	۲۰۰۴
۸	تاریخ ابن خلدون	عبدالرحمٰن ابن خلدون	نفیس اکیڈمی کراچی	۲۰۰۳
۹	تاریخ اسلام	اکبر شاہ نجیب آبادی	مکتبہ خلیل لاہور	۲۰۰۴
۱۰	فتوح البلدان	احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری		
۱۱	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد	نفیس اکیڈمی کراچی	
۱۲	أسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابن الاثیر علی بن محمد الجزری	المیزان لاہور	۲۰۰۶
۱۳	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	محمد حسین ھیکل	اسلامی کتب خانہ لاہور	
۱۴	حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	محمد حسین ھیکل	اسلامی کتب خانہ لاہور	
۱۵	حیات صحابہ رضی اللہ عنہم	محمد یوسف کاندھلوی	مکتبۃ البشریٰ کراچی	
۱۶	تاریخ الکامل	ابن الاثیر علی بن محمد الجزری	جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	
۱۷	سیرۃ ابن ہشام	محمد بن اسحاق	ادارہ اسلامیات لاہور	۱۹۹۸
۱۸	غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	سید قدیر ابو محمد الطیبی	برکات مدینہ کراچی	
۱۹	تاریخ الخلفاء	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	شبیر برادرز لاہور	

۲۰	الاصابۃ فی تمیز الصحابہ	احمد ابن حجر عسقلانی	مکتبہ رحمانیہ لاہور	
۲۱	سیرُ الصحابہ	شاہ معین الدین احمد ندوی	دارالاشاعت کراچی	۲۰۰۴
۲۲	تاریخ الیعقوبی	احمد الیعقوبی	نفیس اکیڈمی کراچی	
۲۳	الریاض النضرۃ	احمد بن عبداللہ المحبّ الطبری	مکتبہ نوریہ حسنیہ لاہور	۱۹۹۲
۲۴	غزوہ حنین	محمد احمد باشمیل	نفیس اکیڈمی کراچی	۱۹۸۸
۲۵	خلفائے راشدین	شاہ معین الدین احمد ندوی	دارالمصنفین اعظم گڑھ	۱۹۲۷
۲۶	المستدرک	محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری	ادارہ پیغام القرآن	
۲۷	سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	محمد ادریس کاندھلوی	فرید بک ڈپو دہلی	
۲۸	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	احمد ابن حجر عسقلانی	دارالسّلام	۱۹۹۷
۲۹	صُفّہ اور اصحاب صُفّہ	مفتی مبشر	بیت العلوم لاہور	
۳۰	منہاج السنۃ	ابن تیمیہ	عقیدہ لائبریری	
۳۱				

نشانِ منزل پبلی کیشنز لاہور